بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولایت

قرآن کی نظر میں

ولایت کے موضوع پر تحقیق انیق اور تفتیش دقیق

تالیف:۔ سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر
ادارہ انتشارات حقائق الاسلام
چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ھدیۃ عنجانب = الشیخ مولانا حامد علی سندرانہ
الباکستان - ھلوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ولایت

قرآن کی نظر میں

ولایت کے موضوع پر تحقیق انیق اور تفتیش دقیق

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر
ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ

نام کتاب	ولایت قرآن کی نظر میں
نام مؤلف و مصنف	سید محمد حسین زیدی برستی
ناشر	ادارۂ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ
کمپوزنگ	خالد کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر چنیوٹ Tel: 0466-331311
تعداد	ایک ہزار
مطبع	معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
اشاعت	اکتوبر 1997ء

انتساب

میں اپنی اس کتاب کو امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ منسوب کرتا ہوں جنھوں نے اپنے شیعوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "ھلک فی اثنان محب غال و مبغض قال۔" اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ بارالہا بحق محمد و آل محمدؑ امیر المومنین علیہ السلام کے شیعوں کو مفوضہ کے مشرکانہ عقائد اور شیخیوں کے غالیانہ افکار سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

نزد ڈاک خانہ لاہوری گیٹ۔ چنیوٹ، ضلع جھنگ

تکمیل کمپوزنگ 30 اکتوبر 1997ء بمطابق 27 جمادی الثانی 1418ھ

فہرست

پیش لفظ

قابل صد احترام شیعہ علمائے اعلام و مجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہاں۔ سلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اما بعد ایں امر از صاحبان علم و خبر محفی نیست کہ شیخ احمد احسائی، کہ بقول حجت الاسلام ہاشمی رفسنجانی: "کسے کہ نمی دانیم کہ از کجا آمد و کجا رفت" در 1221ھ در یزد "ایران" وارد شد و تا 1229ھ در یزد قیام کرد۔ چوں از افکار او در شہر یزد ہیجان برپا شد در 1229ھ از آں جا بہ کرمانشاہ رفت، و آنجا مسکن گزیں شد، و از 1229ھ تا 1236ھ ، تمامی کتب معروف، کہ بر عقائد فاسدہ او مشتمل بودند، در ظل حمایت شاہزادہ محمد علی مرزا قاچاری، تالیف و نشر نمود، چوں تالیفاتش بدست علمائے شیعہ افتاد، تکفیرش کردند، لہذا از ایران یہ عراق رفت و تا 1241ھ در کربلائے معلٰی مصروف تبلیغ عقائد خویش بود، کہ علمائے اعلام و مجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہاں او را در مجمع عام طلب کردہ، و از عقائد او سوال کردہ، او را تکفیر کردند۔ و مذہب او را مذہب شیخیہ نام گذاشتہ۔ و تکفیر کنندگان او از اجلہ علمائے اعلام و مراجع عالیمقام کربلا و نجف بودند۔ بعد از فرار او از عراق و وفات او بھدیہ جانشین او کاظم رشتی مذہب او را زندہ داشتہ۔ لیکن بعد از کاظم رشتی مذہب شیخیہ و پیروان شیخ احمد احسائی بہ فرقہ ہائے مختلف منقسم شدند۔ از آں جملہ: بابی و بہائی و ازلی و رکنیہ و گوہریہ۔ کہ بعد از تالیف کتاب احقاق الحق خود را احقاقیہ می گویند، می باشند۔

و آنان که از تاریخ این مذہب آگاہی دارند، می دانند که بانیان فرقه هائے بابی ○ و بہائی ○ و ازلی ○ و رکنیه ○ و گوہریه ○ که اکنون به احقاقی ○ معروف ہستند از اہل ایران بودند، و در مملکت پاک و ہند تقریباً ہیچ کس از شیعیان، پیروی این فرقه ھائے گمراہ، یعنی بابی و بہائی و ازلی و رکنیه نکردند۔

لیکن چوں رؤسائے مذہب شیخیه احقاقیه ہمرنگ شیعیان بنام اجتہاد و علمائے شیعه بمیدان آمدند، اگرچه در مقابل شیخیه رکنیه کرمان، این احقاقی ہا خود را پیروان حقیقی شیخ احمد احسائی می گویند لیکن به نزد شیعه خودرا شیعه معرفی می کنند، و عقائد مذہب شیخیه را به عنوان فضائل بیان می کنند، لہذا موجب گمراہی اکثر شیعیان پاکستان شده اند،

یکے از عقائد شاں مسئله تفویض است، که می گویند خداوند تعالٰی ہمه امور تکوین به محمد و آل محمد تفویض کرده است، و آں را با صطلاح خود ولایت تکوینی و ولایت مطلقه کلیه الہیه می گویند۔ و اثباتش به فلسفه علل اربعه خود می نمایند، و محمد و آل محمد علیہم السلام را علت فاعلی، و علت مادی، و علت غائی، و علت صوری تمام کائنات بیان می کنند۔ و ہر که در فریب ایشاں نمی آید، و رد و ابطال عقائد ایشاں می کند، انہا را مقصر و وہابی می گویند۔ و مبلغین شیخیه احقاقیه کویت در پاکستان بطور غلط، پروپاگنڈا می کنند، که مجتہدین و مراجع ایران ہم این ھا را وہابی و مقصر می دانند و می گویند۔ و من گمان نمی کنم که این مراجع عظام چنیں گفته باشند و اگر گفته اند از حالات اینجا آگاہی

ندارند، و این مبلغین شیخیه بلباس علمائے شیعه، به ایران رفته ایشان را هم گول زده اند۔ و حتما آنها که شیعیان پاکستان را وہابی و مقصر می گویند مبلغین شیخیه می باشند و من مکتوبات ایشان را در تالیفات خود، منعکس کرده ام، که در آں مکتوبات، ایشاں اقرار نموده اند، که ایشان عقائد مذہب شیخیه دارند، و تبلیغ عقائد شیخ احمد احسائی و مذہب شیخیه احقاقیه می کنند۔ و این کتب تالیف کردئه خود را که در آں، مکتوبات این مبلغین شیخیه منعکس اند، به مراجع عظام ایران ہم ارسال نموده ام۔

بہر حال مرزا عبدالرسول احقاقی فرزند رئیس مذہب شیخیه احقاقیه مرزا حسن احقاقی کتابے بنام "ولایت از دیدگاه قرآن" تالیف نموده که در پاکستان ہم تقسیم شده است، و این کتاب ما "ولایت قرآن کی نظر میں" (ولایت در نظر قرآن) جواب آں تالیف مرزا عبدالرسول احقاقی می باشد۔ و به علماء و مراجع معروف شیعیان جہاں ارسال کرده می شود و ملتجی ہستم که از آرائے باصواب خویش، مرا و جمله شیعیان پاکستان را آگاه فرموده ممنون و متشکر بفر مایند۔

سید محمد حسین زیدی برستی

محلہ لاہوری گیٹ، چنیوٹ۔ ضلع جھنگ

تاریخ تکمیل کمپوزنگ: 30-10-1997

پیش لفظ

قابل صد احترام شیعہ علمائے اعلام و مجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہاں سلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اما بعد' صاحبان علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ شیخ احمد احسائی جس کے بارے میں حجت الاسلام ھاشمی رفسنجانی کا کہنا یہ ہے کہ :-

"وہ شخص جس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کہاں سے آیا اور کہاں گیا" 1221ھ میں ایران کے شہر یزد میں وارد ہوا۔ اور 1229ھ تک یزد میں مقیم رہا۔ جب اس کے افکار سے شہر یزد میں ہیجان برپا ہو گیا تو وہ 1229ھ سے وہاں سے کرمانشاہ چلا گیا۔ اور وہاں سکونت اختیار کرلی اور اس نے 1229ھ سے 1236ھ تک اپنی تمام معروف کتابیں جو اس کے عقائد پر مشتمل تھیں شاہزادہ محمد علی مرزا قاجاری کے سایہ حمایت میں تالیف اور نشر کیں۔ جب اس کی تالیفات علمائے شیعہ کے ہاتھوں میں پہنچیں تو انہوں نے اسے کافر قرا، دیدیا' لہذا وہ تکفیر کے بعد ایران سے عراق چلا گیا۔ اور 1241ھ تک کربلائے معلیٰ میں اپنے عقائد کی تبلیغ میں مصروف رہا تو کربلا کے علمائے اعلام و مجتہدین عظام اور مراجع عالی قدر شیعیان جہان نے اسے مجمع عام میں طلب کیا اور اس سے اس کے عقائد کے بارے میں سوال کر کے اسے کافر قرار دیا اور اس کے خود ساختہ مذہب کا نام مذہب شیخیہ رکھا۔ اس کی تکفیر کرنے والے کربلا و نجف کے اجلہ علمائے اعلام و مراجع عالی مقام تھے' عراق سے اس کے فرار کرنے اور ہدیہ کے مقام پر اس کے وفات پانے کے بعد اس کے جانشین کاظم رشتی نے اس کے مذہب کو زندہ رکھا لیکن کاظم رشتی کے بعد مذہب شیخیہ اور پیروان شیخ احمد احسائی کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں بابی' بہائی' ازلی' رکنیہ اور گوہریہ' جو احقاق الحق کی تالیف کے بعد سے خود کو احقاقیہ کہلاتے ہیں' خاص طور

مشہور ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس مذہب کی تاریخ سے آگاہ ہیں اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ بابی، بہائی، ازلی، رکنیہ اور گوہریہ فرقوں کے بانی جو آج احقاقی کہلاتے ہیں ایران کے رہنے والے تھے۔ اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی وہ بھی سب ایران کے رہنے والے تھے۔ اور مملکت پاک و ہند میں شیعوں میں سے کسی نے بھی ان گمراہ فرقوں یعنی بابی، بہائی، ازلی و رکنیہ کی پیروی نہیں کی۔

لیکن چونکہ رؤسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ، شیعوں کے ہم رنگ اجتہاد و علمائے شیعہ کے نام سے میدان میں آئے۔ اگرچہ احقاقی حضرات شیخیہ رکنیہ کرمان کے مقابل میں خود کو ہی شیخ احمد احسائی کا حقیقی پیرو کہتے ہیں، لیکن وہ شیعوں کے سامنے خود کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں، اور وہ عقائد مذہب شیخیہ کو فضائل کے عنوان سے بیان کرتے ہیں لہٰذا پاکستان کے اکثر شیعوں کی گمراہی کا سبب بن گئے ہیں۔

ان کے عقائد میں سے ایک مسئلہ تفویض ہے وہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے تکوین کے تمام امور محمد و آل محمد کو سپرد کر دیئے ہیں اور اسے وہ اپنی اصطلاح میں، ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کہتے ہیں۔ اور اس کا اپنے فلسفہ علل اربعہ کے ذریعہ اثبات کرتے ہیں، اور محمد و آل محمد علیہم السلام کو علت فاعلی و علت مادی و علت غائی اور علت صوری تمام کائنات کہتے ہیں اور جو شخص ان کے فریب میں نہیں آتا اور ان کے عقائد کا رد و ابطال کرتا ہے اسے وہ مقصر اور وہابی کہتے ہیں اور مبلغین شیخیہ احقاقیہ کویت پاکستان میں غلط طور پر یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ مجتہدین و مراجع ایران بھی انہیں مقصر و وہابی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں، اور میں گمان نہیں کرتا کہ مجتہدین ایران نے ایسا کہا ہو گا۔ اور اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو وہ یہاں کے حالات سے آگاہ نہیں ہیں۔ اور مبلغین شیخیہ نے شیعہ علماء کے لباس میں ایران جا کر انہیں بھی فریب دیا ہے۔

اور حتماوہ لوگ جو شیعیان پاکستان کو وہابی و مقصر کہتے ہیں مبلغین شیخیہ ہیں۔ میں نے ان کے ان مکتوبات کو اپنی تالیفات میں منعکس کر دیا ہے جن میں انہوں نے خود یہ اقرار کیا ہے کہ وہ مذہب شیخیہ کے عقائد رکھتے ہیں' اور شیخ احمد احسائی اور مذہب شیخیہ کے عقائد کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اور میں نے اپنی ان تالیف کردہ کتابوں کو' جن میں ان مبلغین شیخیہ کے مکتوبات کے عکس دیئے گئے ہیں' مراجع عظام کی خدمت میں بھی بھیجا ہے۔

بہرحال مرزا عبدالرسول احقاقی فرزند رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ مرزا حسن احقاقی نے ایک کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" کے نام سے تالیف کی ہے جو پاکستان میں بھی تقسیم کی گئی ہے۔ اور ہماری یہ کتاب "ولایت قرآن کی نظر میں" مرزا عبدالرسول احقاقی کی اس تالیف کا جواب ہے۔ اور یہ شیعیان جہاں کے علماء اور معروف مراجع عظام کی خدمت میں ارسال کی جا رہی ہے۔ اور میں ان سے ملتجی ہوں کہ وہ اپنی رائے باصواب سے مجھے اور جملہ شیعیان پاکستان کو آگاہ کر کے ممنون و شکر گزار فرماویں۔

سید محمد حسین زیدی برستی

محلہ لاہوری گیٹ' چنیوٹ۔ ضلع جھنگ

تاریخ تکمیل کمپوزنگ: 30-10-1997

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین، والصلواۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد و الہ الطیبین الطاہرین المعصومین، ولعنتہ اللہ علیٰ اعدائہم اجمعین من یومنا ہذا الیٰ یوم الدین۔ اما بعد فقد قال الحکیم فی کتابہ الکریم و فرقانہ الحمید و قولہ الحق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلواۃ و یوتون الزکواۃ و ہم راکعون۔ (المائدہ: 55)

تمہید

قارئین محترم! مذکورہ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔ سوائے اس کے نہیں کہ (اے اہل ایمان) تمہارا ولی اللہ ہے، اور اس کا رسول ہے، اور وہ مومنین ہیں کہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔

اس بات میں کہ یہ آیت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے تمام شیعہ علمائے اعلام اور اکثر علماء و محدثین اہل سنت کا اتفاق ہے، لہٰذا ہمیں اس کے شان نزول کو بیان کرنے کے لئے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اس آیت میں واقع لفظ ولی کے معنی میں سخت اختلاف ہے، کیونکہ لفظ ولی مشترک المعنی لفظ ہے، اور لغت کی کتابوں میں اس کے کئی معنی بیان ہوئے ہیں۔

چنانچہ شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے نزدیک تو بالاتفاق لفظ ولی کے معانی میں سے یہاں پر لفظ ولی کے معنی، حاکم و فرمانروا و سرپرست و آقا و ولی امر مسلمین ہیں، یعنی جس طرح خداوند تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مسلمانوں پر حق حکمرانی و فرمانروائی حاصل ہے، اسی طرح خدا کی طرف سے اور خدا کے حکم سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام مسلمانوں پر وہی حق حکمرانی و فرمانروائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو حاصل ہے۔

بلکہ اغلب علمائے اہل سنت کے نزدیک لفظ ولی کے متعدد معانی میں سے یہاں پر لفظ ولی کے معنی دوست اور رفیق کے ہیں۔

لیکن فرقہ مفوضہ کے نزدیک یہاں پر لفظ ولی کے معنی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ہے، جسے وہ ہیر پھیر کے ساتھ تفویض کے طور پر مراد لیتے ہیں، چنانچہ تمام رؤسائے مذہب شیخیہ اور پیروان و تابعین شیخ احمد احسائی، اور تمام فریب خوردگان مذہب شیخیہ کے نزدیک یہاں پر لفظ ولی کے معنی، ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ہے، جو خداوند تعالیٰ کی صفات ربوبیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور تمام رؤسائے مذہب شیخیہ اپنے عقیدہ تفویض کو ثابت کرنے کے لئے اس آیت میں واقع لفظ ولی کو اپنے مطلب پر دلیل بناتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی کے فرزند مرزا عبدالرسول احقاقی نے اسی مطلب کو ثابت کرنے کے لئے "ولایت از دیدگاہ قرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور شیخی مبلغین کے توسط سے پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی ہے، جو ہمارے ہاتھوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

چونکہ شیطان نے اپنے "لا زینن لهم فی الارض ولا غوینهم اجمعین ......" کے دعوے کے مطابق اس کتاب کو بعض علماء اور اکثر مجلس خوان خطباء و ذاکرین کی نظروں میں زینت دے دی ہے۔ اور وہ اپنی مجالس میں اور اپنی تصانیف میں اس کے ذریعہ بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کو گمراہ کر رہے ہیں لہٰذا ہم اپنی اس کتاب میں اسی بات کی تحقیق پیش کریں گے کہ یہاں پر لفظ ولی کے کون سے معنی صحیح ہیں اور فی الحقیقت یہاں پر لفظ ولی کے کون سے معنی مراد ہیں۔

مختلف الفاظ کے معنی کی بحث

قارئین محترم! جب ہم مختلف زبانوں کے پیدا ہونے کے اسباب میں غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان ابتداء میں اپنا مطلب دوسروں پر واضح کرنے کے لئے یا تو ہاتھ کے اشارے سے اپنا مطلب بیان کرتا تھا۔ یا منہ سے مختلف آوازیں نکال کر اپنا مطلب دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ چنانچہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی یہی دونوں طریقے رائج

ہیں۔ اور گونگے آج بھی اپنا مطلب ہاتھ کے اشاروں سے ہی بیان کرتے ہیں۔ اور اس زمانے میں اظہار مطلب کے اس طریقہ نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن جو گونگے نہیں ہیں وہ اپنا مطلب منہ کے ذریعہ آوازیں نکال کر ہی بیان کرتے ہیں، اور ان آوازوں نے ہی آخر میں الفاظ کی صورت اختیار کی ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ ہی ہیں جن کے ذریعہ ہر بولنے والا انسان اپنا مطلب بیان کرتا ہے اور اپنا مطلب دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اور چونکہ منہ سے اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے انسان زبان کو استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا اسے زبان ہی کہا جانے لگا۔ لیکن زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ زبانوں میں اختلاف پڑتا گیا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس اختلاف زبان کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورہ روم میں ارشاد ہوا ہے کہ :۔

"و من اٰیٰتہ خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم، ان فی ذالک لاٰیات للعالمین۔" الروم۔ 22

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے۔ یقیناً اس میں سارے جہان کے لوگوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔

یہاں پر اس بات سے بحث نہیں ہے کہ زبانوں میں اختلاف کیسے پیدا ہوا، اور مختلف لغات اور زبانیں کیسے معرض وجود میں آئیں۔ لیکن مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنے سے جو بات تحقیق کے طور پر معلوم ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں ایک ہی چیز کے لئے تو مختلف نام ملتے ہیں، جیسے زمین کے سینہ پر ابھری ہوئی اس چیز کو جسے عربی میں جبل کہتے ہیں اسے ہی فارسی میں کوہ کہتے ہیں، انگریزی میں اسے Mountain کہتے ہیں، اردو میں پہاڑ کہتے ہیں اور ہندی میں پربت کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

لیکن کسی ایک ہی لغت میں اور ایک ہی زبان میں کسی ایک ہی مطلب اور ایک ہی معنی کے لئے کئی کئی اور مختلف الفاظ وضع نہیں ہوتے۔

بالفاظ دیگر کسی بھی لغت اور کسی بھی زبان میں کسی ایک مطلب اور ایک ہی معنی کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ وضع نہیں کئے جاتے اور جن مختلف الفاظ کا مطلب دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کے لئے ایک ہی مطلب اور معنی کیا جاتا ہے وہ اس زبان کی کم

مائیگی کی دلیل ہے۔ یعنی اس میں ہر لفظ کے علیحدہ علیحدہ معنی کرنے کی وسعت نہیں ہے، کیونکہ ان مختلف الفاظ میں سے ہر لفظ کے معنی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم میں تین الفاظ اصطفٰے' اختیار اور اجتبٰے' آئے ہیں۔ فارسی زبان میں بھی اور اردو زبان میں بھی جب ان تینوں الفاظ کے معنی کئے جاتے ہیں تو ہر ایک معنی فارسی میں برگزیدہ کرنا اور اردو میں چننا ہی کئے جاتے ہیں' حالانکہ اگر ان تینوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہوتے تو عربی لغت میں علیحدہ علیحدہ تین الفاظ وضع کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ چونکہ ان تینوں الفاظ کے معنی جدا جدا ہیں' لہٰذا حسب موقع و محل جس لفظ کی ضرورت تھی وہ لفظ بولا گیا۔ اور اس کی جگہ دوسرا لفظ استعمال نہ کیا۔ چونکہ اردو زبان میں اتنی وسعت نہیں تھی، کہ ان الفاظ کے مخصوص معنی کے لئے علیحدہ علیحدہ لفظ بولا جاتا' لہٰذا قریب المعنی لفظ سے کام چلایا گیا۔ ہم اس سے آگے قران کریم میں استعمال ہونے والے ان تینوں الفاظ کے علیحدہ علیحدہ مطالب اور ان کا فرق لغت سے بیان کرتے ہیں۔

لغت میں اصطفٰے کے معنی

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ :

"الاصطفاء" اصطفٰے کے معنی صاف اور خالص چیز لے لینا ہے جیسا کہ "اختیار" کے معنی بہتر چیز لے لینا آتے ہیں۔ اور "الاجتباء" کے معنی "جبابہ" عمدہ چیز منتخب کر لینا آتے ہیں۔ اس کے بعد راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کا چن لینا' کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے' یعنی اسے اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف پیدا کرنا' جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ اور کبھی "اختیار" اور حکم کے ہوتا ہے گو یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔

اصطفٰے کے اس لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اردو میں ترجمہ کرتے وقت گو اس کا ترجمہ برگزیدہ کرنا یا چننا کیا جاتا ہے' اور اختیار اور اجتبٰے کا معنی بھی یہی کرتے ہیں' لیکن حقیقتاً اصطفٰے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفٰے کرنا

یہ ہوتا ہے کہ وہ خلقی یا فطری یعنی پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے، انہیں ان اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف پیدا کرتا ہے۔ جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ اور کسی کو اختیار کرنا اور کسی کا اجتبیٰ کرنا بعد کا مرحلہ ہے۔ یعنی وہ اختیار صرف انہیں کرتا ہے جو پیدائشی طور پر پہلے سے مصطفیٰ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی یعنی خدا پہلے انہیں مصطفیٰ بناتا ہے اور انہیں پیدائشی طور پر ان اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف رکھتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔

ہم ذیل میں قران کریم سے اصطفیٰ کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن کا خدا نے اصطفیٰ کیا، یا انہیں مصطفیٰ بنایا۔

حضرت مریم کا اصطفیٰ

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :۔

"واذقالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفاک علیٰ نساء العالمین۔" (آل عمران۔ 42)

"اور جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم کو پاک رکھا ہے، اور تم کو دنیا جہان کی عورتوں پر برتری دی ہے، اور تم کو دنیا جہاں کی عورتوں میں سے مصطفیٰ بنایا ہے۔"

اصطفیٰ کے لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اردو میں ترجمہ کرتے وقت، گو اس کا ترجمہ برگزیدہ کرنا، یا چننا ہی کیا جاتا ہے، اور اختیار اور اجتبیٰ کا معنی بھی یہی کرتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً اصطفے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفیٰ کرنا یہ ہوتا ہے کہ وہ خلقی اور پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے انہیں ان اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف پیدا کرتا ہے، جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔ اور کسی کو اختیار کرنا یا اجتبیٰ کرنا بعد کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ اختیار صرف انہیں کرتا ہے جو پیدائشی طور پر پہلے سے مصطفے ہوتے ہیں اور اجتبے ان کا کرتا ہے جنہیں اس نے اپنے مصطفیٰ بندوں میں سے

اختیار کیا ہوتا ہے۔ جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے۔ کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ یعنی خدا پہلے مصطفےٰ بناتا ہے اور انہیں پیدائشی طور پر ان اندرونی کثافتوں سے پاک و صاف رکھتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں پھر انہیں اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد انہیں مجتبےٰ بناتا ہے۔

اب مذکورہ آیت میں حضرت مریم کے بارے میں یہ لفظ دو دفعہ آیا ہے ایک تو طہرک سے پہلے "ان اللہ اصطفاک و طہرک" تو یہاں "اصطفاک" کے معنی اردو زبان میں برگزیدہ کرنا یا چننا ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن اردو کے ان الفاظ سے وہ معنی و مفہوم ذہن میں نہیں آسکتا جس معنی و مفہوم کے لئے یہ لفظ وضع ہوا ہے۔ کیونکہ یہ برگزیدہ کرنا' یا چننا اس طرح نہیں ہے کہ پہلے تو اسے پیدا کر دیا ہو پھر وہ ان کثافتوں میں مبتلا رہی ہو' جس میں دوسرے ہوتے ہیں اور پھر ان میں سے چن کر اسے پاک کیا ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ "اصطفاک" کا مطلب یہ ہے کہ اے مریم اللہ نے تجھے پیدا ہی ان کثافتوں سے پاک کیا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہے۔ اور اس لئے اس سے آگے "واو" تفسیری کے ذریعہ فرمایا "وطہرک" یعنی اللہ نے تجھے پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ اور معصوم رکھا ہے۔ لہٰذا دوسروں میں پائے جانے والے عیوب اور کثافتیں تجھ میں نہیں ہیں۔

اور دوسرے حصہ میں یہ لفظ "اصطفٰی" علٰی نساء العالمین" سے پہلے ہے۔ جو دراصل اس لفظ کے لغوی معنی کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ اے مریم تجھے تمام دنیا جہاں کی عورتوں پر یہ فضیلت و برتری حاصل ہے کہ تمام دنیا جہاں کی عورتوں میں جو عیوب اور اندرونی کثافتیں ہوتی ہیں وہ تجھ میں نہیں ہیں اور تو ان کی نسبت پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ اور معصوم ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں واقع جملہ "علٰی نساء العالمین" کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ اپنے زمانے کی تمام عورتوں پر یہ فضیلت و برتری رکھتی تھیں۔ یہ بات تو مسلمہ ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن حضرت مریم کا قیامت تک کی تمام دنیا جہان کی عورتوں پر فضیلت و برتری رکھنا بھی کوئی مانع نہیں رکھتا۔
شاید یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ خدا کے مصطفٰے بندوں میں' اور پاک و پاکیزہ

ہستیوں میں، ایسی عورتیں موجود ہیں، جو حضرت مریم سے افضل ہیں۔ لیکن یہاں پر مقابلہ ان سے نہیں ہے، بلکہ یہ مقابلہ دراصل ان عورتوں سے ہے، جو طاہرہ اور معصومہ اور اصطفیٰ کی مالک نہیں ہیں۔ لہٰذا حتماً و یقیناً حضرت مریم قیامت تک آنے والی ان تمام عورتوں سے افضل ہیں جن میں اندرونی کثافتیں پائی جاتی ہیں، کیونکہ خدا کے مصطفیٰ بندوں کا مقابلہ مصطفیٰ بندوں سے کیا جاتا ہے اور اس وقت ان کی درجہ بندی مصطفیٰ بندوں میں ہوگی جیساکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

"تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض" (البقرہ: 253)

"یعنی یہ جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں، ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

لیکن خدا کا بھیجا ہوا ہر نبی اور ہر رسول صرف اپنے زمانے کے لوگوں سے نہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام دنیا جہان کے غیر مصطفیٰ جن و انس سے افضل ہوتا ہے۔ جیساکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

"و کلا فضلنا علی العالمین" (الانعام: 86)

یعنی ہم نے ان تمام ہادیوں تمام نبیوں اور تمام رسولوں میں سے ہر ایک کو عالمین یعنی تمام دنیا جہان کے غیر مصطفیٰ لوگوں پر فضیلت دی ہے، اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حضرت مریم نہ تو نبی تھیں۔ نہ رسول تھیں۔ نہ امام تھیں۔ لہٰذا یہاں اصطفیٰ کا معنی ان عہدوں میں سے کسی منصب کے لئے چننا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی خدائی منصب نبوت و رسالت و امامت میں سے تھا ہی نہیں لہٰذا یہاں اصطفیٰ کا معنی چنا لینے کا کچھ مطلب ہی نہیں بنتا سوائے اس کے جو اوپر راغب اصفہانی کی مفردات سے بیان ہوا ہے۔ یعنی انہیں ان اندرونی کثافتوں اور عیوب سے پاک و صاف پیدا کیا جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں۔

چونکہ حضرت مریم کو ایک اولوالعزم پیغمبر کی پیدائش کے لئے ظرف بنانا مطلوب تھا۔ لہٰذا اس الوالعزم پیغمبر کی پیدائش کے لئے ایسا ظرف تیار کیا، جو پیدائشی طور پر پاک و صاف ہو، اور اس مطلب کو "اصطفاک" اور "طہرک" کے الفاظ کے ذریعہ ظاہر کیا۔

البتہ اگر عورت نبی بن سکتی ہوتی، رسول بن سکتی ہوتی، یا امام ہو سکتی ہوتی، اور

عورتوں کے لئے کسی کو علیحدہ سے نبی یا رسول یا امام بنانے کی ضرورت ہوتی، تو یقیناً خدا حضرت مریم کو اپنے زمانہ کی عورتوں کے لئے نبوت و رسالت و امامت کے لئے منتخب فرماتا نہ کہ کسی اور عورت کو۔

کیونکہ قرآن کریم سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ اس نے جتنے بھی نبی یا رسول انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے وہ سب کے سب اس کے مصطفیٰ بندے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ :-

"ان اللہ اصطفٰے آدم و نوحا و آل ابرھیم و آل عمران علی العالمین"

(آل عمران : 33)

بیشک خدا نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراھیم کو اور آل عمران کو تمام دنیا جہاں کے لوگوں میں سے مصطفیٰ بنایا ہے۔

اس آیت میں اختصار کے ساتھ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام ہادیوں یعنی تمام نبیوں، تمام رسولوں اور تمام اماموں کے اصطفیٰ کو بیان کیا گیا ہے۔ للذا یہ سب کے سب نبی و رسول و امام خدا کے مصطفیٰ بندے تھے۔ لیکن ان سب میں مصطفائی کا تاج جس ہستی کے سر پر سجایا گیا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اب ہم لفظ اصطفٰے کی تحقیق کے بعد لفظ اختیار کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔

لغت میں اختیار کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔

"الاختیار" (افتعال) بہتر چیز کو طلب کر کے اسے کر گزرنا۔ اور لفظ اصطفیٰ کے بیان میں گذر چکا ہے کہ راغب نے کہا ہے کہ اختیار کے معنی بہتر چیز کو لے لینا آتے ہیں لیکن یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ یعنی جو پہلے سے مصطفیٰ ہوتا ہے خدا اسی کو اختیار کرتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ :-

"فلما اتھا نودی یموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد

المقدس طوی وانا اخترتک فاستمع لما یوحیٰ" (طٰہٰ: 11 تا 13)

"یعنی جب موسیٰ کوہ طور پر آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز دی گئی، کہ اے موسیٰ میں تمہارا پروردگار ہوں، پس تم اپنے جوتے اتار دو۔ (یا اپنے اہل و عیال کا خیال دل سے نکال دو) بیشک تم اس وقت وادی مقدس طویٰ میں ہو، اور میں نے تم کو (اختیار کرلیا ہے) چن لیا ہے، للذا تمہیں جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔"

یہاں پر "اخترتک" کے معنی بھی وہی چنا کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے مراد وہی بہتر چیز کو طلب کر کے کر گذرنا ہے، یا بہتر چیز کو لے لینا ہے۔ یعنی نبوت و رسالت کے لئے موسیٰ کا پیدائشی طور پر اصطفےٰ کیا ہوا تھا وہ پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ اور طاہر و معصوم تھے۔ اور وہ اس کام کے لئے اس وقت ساری دنیا جہاں کے لوگوں میں سے بہتر تھے اور موزوں تر تھے، للذا خدا نے انہیں وحی کے لئے Select کر لیا چن لیا اور ان پر اپنی وحی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بیشک خدا نے تمام ہی انبیاء اور رسولوں کا پیدائشی طور پر اصطفےٰ کیا تھا۔ اور وہ سب کے سب پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ، طاہر و مطہر اور معصوم تھے للذا وہی نبوت کے لئے اور رسالت کے لئے بہتر اور موزوں تر تھے، پس خدا نے ان کو ہی وحی کے لئے اختیار کیا۔

اس ترتیب سے ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ جن ہستیوں کو نبی و رسول بنانا چاہتا ہے، پہلے انہیں پیدائشی طور پر ان کثافتوں اور عیوب سے پاک و پاکیزہ پیدا کرتا ہے، جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں، اور پھر ان مصطفےٰ ہستیوں کو دوسرے بندوں میں سے اختیار کرلیتا ہے، جسے انگریزی اصطلاع میں (Select) کرنا کہتے ہیں۔

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو فساد و خونریزی، لوٹ مار اور غارتگری اور ہر قسم کے عیوب شرعی میں ملوث ہو، اور اسے ویسے ہی چلتے پھرتے اپنی نبوت و رسالت تھما دے۔ لفظ اختیار کے معنی کی تحقیق میں اتنا بیان ہی کافی ہے۔ اب ہم لفظ اجتبےٰ کے معنی میں غور کرتے ہیں۔

لغت میں اجتبا کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔

"الاجتباء" (افتعال) کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنے کے ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ: "واذا لم تاتہم آیۃ قالوا لولا اجتبیتہا" (الاعراف: 203) اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے خود ہی) کیوں نہ بنا لی۔ میں "لولا اجتبیتہا" کے معنی یہ ہونگے کہ تم خود ہی ان کو تالیف کیوں نہیں کر لیتے۔ دراصل کفار یہ جملہ طنزیہ کہتے تھے، کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں تم خود ہی اپنے طور پر بنا لیتے ہو۔

اس آیت اور لغت کے اس معنی سے ثابت ہوا کہ اجتبا کا معنی کسی کا کسی چیز کو بنانا ہے۔ اس مطلب کو سمجھنے کے لئے چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت یوسف کا اجتبا

سورہ یوسف میں آیا ہے کہ جب حضرت یوسف نے اپنے باپ یعقوب سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے اور چاند اور سورج کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں، تو حضرت یعقوب نے فرمایا:۔

"وکذالک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمہ علیک وعلیٰ آل یعقوب کما اتمہا علیٰ ابویک من قبل ابراھیم واسحق ان ربک علیم حکیم" (یوسف: 6)

"یعنی اسی طرح سے تمہارا پروردگار تمہارا اجتبے کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا جیسے کہ پہلے تمہارے پردادا ابراہیم اور دادا اسحاق پر کر چکا ہے یقیناً تمہارا پروردگار علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔"

اس آیت میں "یجتبیک" پہلے ہے اور "یعلمک" بعد میں ہے، یعنی وہ اپنے

مصطفے بندوں کو اختیار کرنے کے بعد پہلے ان کو مجتبے بناتا ہے اور پھر انہیں تعلیم و ہدایت کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔ اور "یجتبیک ربک" کے بعد "یعلمک" کہنا اس کی واضح دلیل ہے۔ گویا خدا اپنے مصطفے بندوں کو اختیار کرنے کے بعد ان کو مجتبے بناتا ہے اور پھر ان کے درخور حال اور ضرورت کے مطابق ان کو خود تعلیم دیتا ہے۔ ان کی تربیت کرتا ہے اور انہیں اپنے فیوض و برکات اور علم غیب کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں بھی بیان ہوا ہے کہ :۔

"وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔ ولکن اللہ یجتبی رسلہ من یشاء۔ فامنوا باللہ و رسلہ وان تومنوا و تقوا فلکم اجر عظیم۔" (آل عمران 179)

"یعنی خدا کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم کو غیب کی باتوں سے آگاہ کرے لیکن خدا اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس بات کے لئے اس کو مجتبے بنا لیتا ہے (اور اس کا اجتبے کرنے کے بعد اس کو علم غیب عطا کرتا ہے) پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی بھی رسول کو علم غیب عطا کرنے سے پہلے اس کا اجتبے کرتا ہے۔ اور پھر انہیں اپنی عنایت خاص سے ترتیب کرتا ہے اور انہیں ان علوم کی تعلیم دیتا ہے، جو ان کے درخور حال ہو، اور جس کی انہیں ضرورت ہو۔

تمام انبیاء کا اجتبے

خداوند تعالی سورہ الانعام میں ذریت ابراھیم کے انبیاء کا یکجائی طور پر ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے۔

"و وھبنا لہ اسحق و یعقوب کلا ھدینا ج و نوحا ھدینا من قبل و من ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ھارون ط و کذالک نجزی المحسنین () و ذکریا و یحیٰی و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین () و اسمٰعیل و الیسع و

یونس و لوطا و کلا فضلنا علی العالمین و من آبائهم و ذریاتهم و اخوانهم و اجتبینا هم وھدینا ھم الی صراط مستقیم۔" (الانعام: 84 تا 87)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو اپنا سیدھا راستہ دکھایا اور نوح کو ان سے پہلے ہدایت کی تھی' اور ان (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو (ہدایت کی) اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور (ان ہی کی ذریت میں سے) ذکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو (ہدایت کی) ان میں سے ہر ایک صلحا میں سے تھے۔ اور اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو (ہدایت کی) اور ہر ایک کو تمام دنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے باپ داداؤں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے (جن کو مناسب جانا) ہم نے ان کو مجتبےٰ بنایا اور انہیں راہ راست کی ہدایت کی۔

خداوند تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں کچھ انبیاء کا اجمالی طور پر اور کچھ انبیاء کا نام بنام تفصیل سے ذکر کر کے' ان کو مجتبےٰ بنا کر انہیں ہدایت کرنے کو بیان فرمایا ہے۔

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اجتبے کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا (یعنی اجتبےٰ کرنا) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے فیض کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے جسے گوناں گوں نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے جو ان کے قریب درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

اگرچہ مذکورہ آیت میں انبیاء کے لئے اجتبا کا بیان ہوا ہے لیکن ترجمہ میں ہر کسی نے معنی وہی چن لینا کئے ہیں۔ جب کہ اصطفےٰ اور اختیار کے لئے بھی اردو میں' ان ہی الفاظ کا استعمال ہوا ہے' اردو کے دامن میں اتنی وسعت ہی نہیں ہے کہ ان الفاظ کا یعنی اصطفےٰ کا' اختیار کا اور اجتبےٰ کا علیحدہ علیحدہ معنی کر سکے۔ حالانکہ عربی زبان میں علیحدہ علیحدہ الفاظ آئے ہیں۔ اب فرق ان میں یہ ہے کہ اصطفےٰ کا ان ہستیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جنہیں خدا نے خلقی طور پر بطور ایجاد کے ان عیوب اور ان اندرونی کثافتوں سے پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔ جو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

اور "اصطفیٰ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان ہستیوں کو جنہیں اس نے مصطفےٰ بنایا ہے بہتر کے طور پر دوسروں میں سے چن لیتا ہے یعنی (Select) کرلیتا ہے۔

اور اجتبےٰ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان مصطفےٰ بندوں کو (Select) منتخب کرنے کے بعد انہیں اپنا کام انجام دینے کے لئے اور لوگوں کو ہدایت کرنے کے قابل بنانے کے لئے خود تربیت کرتا ہے۔ ان کی نگرانی کرتا ہے۔ اور ہر دم' اور ہر آن' ان پر اپنی نعمتیں رحمتیں اور فیوض و برکات نازل کرتا رہتا ہے۔ اور انہیں کبھی بھی خود ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں اپنے کام کا بنانے کے لئے تربیت کرتا ہے۔ انہیں (Trained) کرتا ہے' اور ان کو ایک آن اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی طرف سے غافل نہیں رہنے دیتا' بلکہ ہر دم اپنی طرف کی ہدایت و رہنمائی کے ذریعہ انہیں زیر نظر رکھتا ہے' اور انہیں اپنے کام کے لائق بنالیتا ہے۔ جیسے کہ سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"ثم جئت علی قدر یا موسٰی و اصطنعتک لنفسی" (طٰہٰ : 41) پھر (اے موسیٰ) تم اپنی مقررہ حد پر آگئے اور میں نے تمہیں اپنے کام کا بنالیا۔

اور خداوند تعالیٰ کی یہ ہدایت و رہنمائی' ان پیغامات اور سلسلہ وحی کے علاوہ ہوتی ہے' جو امت کو پہنچانے کے لئے اس کی طرف سے کی جاتی ہے' اور یہی اجتبےٰ وہ ہدایت وہ چیز ہے' جو انبیاء کو معصوم رکھتی ہے' اور انہیں محاسن اخلاق کا حامل بناتی ہے۔ اور حضرت آدم اور حضرت یونس کے اجتبےٰ میں غور کرنے سے اس لفظ کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں۔

حضرت آدم کا اجتبےٰ

حضرت آدم یقیناً اللہ کے مصطفےٰ بندوں میں سے تھے یعنی ان میں خلقی و پیدائشی طور پر وہ خوبیاں خداوند تعالیٰ نے ایجاد کی تھیں جن کی بنا پر وہ کار نبوت انجام دینے کے اہل تھے' اور آدم علیہ السلام کے اصطفے پر آیہ مجیدہ : "ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحا ..... (آل عمران : 33) گواہ ہے۔ لیکن وہ جنت میں رہتے ہوئے مجتبیٰ نہیں تھے۔ انہیں جنت میں داخل کر کے اور ساری صورت حال سمجھا کر آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور ہمہ وقت

نگرانی و ہدایت اور رہنمائی کا آغاز نہ کیا تھا۔ لہٰذا ان سے ترک اولی کی صورت میں وہ لغزش ہو گئی جس کی بنا پر جنت سے باہر آ گئے' اور مشقت اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ آدم علیہ السلام کی اس لغزش کا بیان کرنے کے بعد فوراً کہتا ہے۔

"و عصیٰ آدم ربه فغویٰ() ثم اجتبٰه ربه فتاب علیه و هدیٰ" (طہ :121-122)

اور آدم نے اپنے رب کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور مصیبت میں پھنس گئے اس کے بعد ان کے پروردگار نے ان کو مجتبیٰ بنایا' ان کی توبہ قبول کی اور انہیں ہدایت و رہنمائی کی۔

اس آیت کا ترجمہ راغب اصفہانی نے اپنی مفردات القرآن میں یوں کیا ہے کہ پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ یعنی خدا نے آدم کے جنت سے باہر آنے کے بعد آدم کی تربیت' ہدایت و رہنمائی اور اپنے زیر نظر رکھنے اور انہیں ہر قسم کی لغزش سے بچانے کا کام شروع کیا۔

حضرت یونس کا اجتبےٰ

حضرت یونس علیہ السلام خدا کے مصطفےٰ بندوں میں سے تھے۔ وہ تمام انبیاء کی طرح خدا کے اختیار کردہ بھی تھے۔ اور تمام انبیاء کی طرح خدا کے مجتبےٰ بھی تھے۔ اور ہر دم خدا کی طرف سے زیر ہدایت رہتے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ خدا نے ائلی قوم پر ان کے غصہ کی وجہ سے ان کو خود ان کے نفس کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا اپنے غصہ کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں پہنچے۔ اور جب لا الہ انت سبحانک کے ذریعے خدا کی طرف رجوع کیا' تو مچھلی نے خدا کے حکم سے انہیں باہر ڈال دیا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے خدا اپنے حبیب کو نصیحت کرتا ہے کہ :۔

"واصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادیٰ و هو مکظوم۔ لو لا ان تدارکه نعمة من ربه لنبذ بالعراء و هو مذموم' فاجتبٰه ربه فجعله من الصالحین۔" (القلم : 48 تا 50)

یعنی اے میرے حبیب تم اپنے رب کے فیصلہ کے انتظار میں صبر کرو۔ اور مچھلی

والے (حضرت یونس) کے مانند نہ بنو جبکہ انہوں نے غم و غصہ کی حالت میں پکارا تھا۔ اگر آپ کے پروردگار کی مہربانی ان کی خبر گیری نہ کرتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہوتے مگر ان کے پروردگار نے ان کو پھر مجتبیٰ بنایا اور ان کو نیک بندوں میں سے قرار دیا۔

حضرت یونس کا واقعہ سورہ (والصفٰت) میں بھی آیا ہے کہ :۔

"وان یونس لمن المرسلین اذا بق الی الفلک المشحون ○ فساھم فکان من المدحضین ○ فالتقمہ الحوت و ھو ملیم فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون ○ (والصفت : 139 تا 144)

اور بیشک یونس ہمارے رسولوں میں سے تھے۔ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔ پس کشتی والوں نے قرعہ ڈالا اور انہیں کشتی میں سے دھکیل دیا گیا۔ پس ایک مچھلی ان کو نگل گئی اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ پس اگر کہیں وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے' تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

اس آیت میں یقین کے طور پر کہا گیا ہے کہ حضرت یونس خدا کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ اور حتماً خدا کے بھیجے ہوئے رسول مصطفیٰ بھی ہوتے ہیں' مختار بھی ہوتے ہیں اور مجتبےٰ بھی ہوتے ہیں' اور اس آیت میں واضح لفظ "ابقی" کے معنی تفسیر صافی میں یہ لکھے ہیں کہ اس کی اصل "اباق" ہے جس کے معنی ہیں غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا۔ چونکہ حضرت یونس بندہ خاص تھے اور اپنی امت سے ناراض ہو کر پروردگار عالم کی منظوری کے بغیر چل دیئے لہٰذا اس لفظ کا استعمال ہوا۔ اب غور کریں کہ یہ کیا ہو گیا۔

اصول کافی جلد 2 صفحہ 577 ترجمہ مولانا ظفر حسن صاحب قبلہ حدیث نمبر 15 میں یوں وارد ہوا ہے کہ :۔

"عن ابی یعفور قال سمعت ابا عبداللہ یقول و ھو رافع یدہ الی السماء :۔ "رب لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین ابدا لا اقل من ذالک و لا اکثر۔ قال فما کان باسرع من ان تحدر الدموع من جوانب لحیہ ثم اقبل علی فقال یا بن ابی یعفور ان یونس ابن متی و کلہ اللہ عزوجل الی نفسہ اقل من طرفۃ عین فاحدث ذالک الذنب قلت فبلغ کفرا ' اصلحک اللہ قال لا و

لکن الموت علی تلک الحال ھلاک" (اصول کافی جلد 2 ص 577 حدیث نمبر 15)

ترجمہ مولانا ظفر حسن: ابن ابی یعفور نے کہا۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے فرما رہے تھے اے میرے رب میرے نفس کو آن واحد کے لئے بھی میرے اوپر نہ چھوڑ نہ کم مدت نہ زیادہ۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کے آنسو ریش مبارک کے چاروں طرف بہنے لگے پھر مجھ سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے ابی یعفور یونس ابن متی کے نفس کو اللہ نے ان کے اوپر چھوڑ دیا تھا' آن واحد کے لئے لہٰذا ان سے گناہ سرزد ہو گیا۔ میں نے کہا یہ بات تو کفر تک پہنچی فرمایا نہیں' اگر فوراً توبہ نہ کرتے اور اسی حال میں مرجاتے تو ان کے لئے باعث ہلاکت ہوتا۔

مذکورہ آیات اور اس حدیث کے معنی میں اچھی طرح غور کرنے سے اجتبا کے معنی کے سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

پس سارے کے سارے انبیاء و رسل مصطفےٰ بھی تھے مختار بھی تھے اور مجتبیٰ بھی تھے۔ لیکن یہ تاج مصطفائی و مجتبائی و اختیار ہمارے نبی کے لئے مخصوص ہو گیا ہے کہ جب بھی حضور کا نام نامی اور اسم گرامی لیا جاتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے' محمد مصطفیٰ' احمد مختار اور احمد مجتبیٰ۔

مختلف الفاظ کے معنی کی اس بحث میں ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کسی بھی لغت میں' اور کسی بھی زبان میں' ایک معنی' اور ایک ہی مطلب کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے' سوائے اس صورت کے' کہ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے' اس کی ایک اور مثال حاضر خدمت ہے۔

قرآن کریم میں نصرت' عون' عزر' ردء' مد' امد یا امداد کے الفاظ اور ان کے مشتقات آئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے معنی اردو میں "مدد" یا مددگار کے کئے جاتے ہیں ہم ان میں سے ہر ایک کو کچھ ذرا تفصیل کے ساتھ علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں۔

لغت میں نصرت کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ النصر والنصرۃ کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں چنانچہ نصر کے مادہ سے جتنے بھی مشتقات قرآن کریم میں آئے ہیں اس کے معنی مدد اور مددگار کے ہی کئے جاتے ہیں۔ نصرت کا اسم فاعل ناصر ہے اور ناصر کی جمع انصار ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

نمبر1: اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (نصر:1)

یعنی جب اللہ کی مدد اور فتح آئی تو تم نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج اور گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ کی نصرت کا ذکر ہے اور نصرت کے معنی مدد کئے جاتے ہیں۔

نمبر2: یا ایھا الذین آمنوا ان تنصر اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (محمد 7)

یعنی اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے' تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔

اس آیت میں اہل ایمان سے اللہ کی نصرت کرنے کو کہا گیا ہے۔ یہاں بھی نصرت کے معنی مدد ہی کئے گئے ہیں۔

نمبر3: قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین (الانبیاء: 68)

انہوں نے کہا کہ تم اس (ابراہیم) کو آگ میں ڈال کر جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

اس آیت میں بھی نصرت کے معنی مدد ہی کئے گئے ہیں۔

نمبر4: یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (الصف: 14)

اے ایمان لانے والو تم اللہ کے انصار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حوارین سے کہا تھا کہ کون ہے وہ جو میری اللہ کی راہ میں مدد کرے۔ تو حوارین نے جواب دیا تھا

کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

اس آیت میں اہل ایمان سے اللہ کی نصرت کرنے کو کہا گیا ہے، حضرت عیسیٰ نے تو "من انصاری" کہا تھا لیکن حواریین نے جواب میں کہا "نحن انصار اللہ" گویا عیسیٰ کی نصرت اللہ کی نصرت ہے، اور اب اہل ایمان سے اللہ کی نصرت کے لئے کہا جا رہا ہے، یعنی اس طرح پیغمبر کی نصرت کا حکم دیا جا رہا ہے، اور نصرت کے معنی یہاں بھی مدد ہی کئے جاتے ہیں۔

نمبر5 : ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ و لتنصرنہ (آل عمران : 81)

خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کا عہد لینے کے بعد فرمایا کہ پھر سب کے آخر میں ایک رسول آئے گا، جو اس کی تصدیق کرے گا جو پہلے انبیاء کا لایا ہوا تمہارے پاس ہے، تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔

یہ آیت اہل ایمان پر پیغمبر اکرمؐ کی نصرت کو واجب کرنے والی ہے اور نصرت کے معنی یہاں بھی مدد ہی کئے جاتے ہیں۔

نمبر6 : اہل ایمان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ کو کسی طرح بھی بھلا نہیں سکتے۔ کہ امام علیہ السلام نے کربلا میں کئی مرتبہ "ھل من ناصر ینصرنا" کہہ کر استغاثہ کیا۔ اور ہر مرتبہ فوج یزید سے نکل کر لوگ آئے اور انصار حسینی میں شامل ہو کر حسین علیہ السلام کی نصرت میں شہید ہو گئے اور آج تک اہل ایمان ان کی زیارت میں انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔

السلام علیٰ انصار دین اللہ۔ السلام علیٰ انصار رسول اللہ۔ السلام علیٰ انصار امیر المومنین۔ السلام علیٰ انصار فاطمۃ الزہراء سیدۃ نساء العالمین۔ تا آخیر زیارت سائر شھدا۔

نمبر7 : پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جنگ احد میں کفار قریش کی ایک ٹکڑی نے حملہ کیا، تو بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علی کو اپنے پہلو میں موجود پا کر ارشاد فرمایا:۔

"یا علی مرا ازیں جمع نگاہ دار و حق خدمت و نصرت بجا آر کہ وقت

نصرت است"

یعنی اے علی مجھے اس گروہ سے بچاؤ، اور حق خدمت و نصرت بجا لاؤ، کہ یہ نصرت کا وقت ہے۔

نمبر 8: ہم امام زمانہ کی زیارت میں پڑھتے ہیں واجعلنا من اعوانہ وانصارہ

یعنی اے اللہ ہمیں امام زمانہ کے اعوان و انصار سے قرار دے۔

یہاں اعوان کا لفظ بھی ہے جو مددگار کے معنی میں ہے اور عون کی جمع ہے۔ اور انصار کا لفظ بھی ساتھ ہے۔ اور اس کے معنی بھی مددگار کے ہیں اور یہ الفاظ اس مقام پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ جب اعوان کے معنی بھی مددگار کے ہیں، اور انصار کے معنی بھی مددگار کے ہیں، تو ان دونوں لفظوں کے ایک ہی زبان میں وضع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور ایک ہی ساتھ لانے کی کیا مصلحت تھی۔

مذکورہ آیات میں خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی نصرت کریں، اور اس کے رسول کی نصرت کریں، اور رسول اکرمؐ کی یہ نصرت وجوب کے حکم میں ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ انسان اللہ کی نصرت کس طرح کرے اور اس کے رسول کی نصرت کس طرح کرے۔

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اللہ کا اپنے بندوں کی مدد کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ کا اپنے بندوں کی مدد کرنا تو ظاہر ہے۔ لیکن بندہ کا اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے بندوں کی مدد کرنا۔ حدود الہٰی کی حفاظت۔ اس کے عہود کی رعایت۔ احکام شریعت کی بجا آوری۔ اور اس کے نواہی سے اجتناب ہے۔ یہ تو اللہ کی مدد ہوئی۔ لیکن آج رسول کی نصرت کس طرح کریں۔ جب کہ رسول آج ہم میں موجود نہیں ہیں۔ ظاہر ہے اس نصرت سے مراد پیغمبر کے دین کی نصرت ہے پیغمبر کے مشن کی نصرت ہے۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا استغاثہ ھل من ینصرنا صرف کربلا کی فضاؤں میں ہی گونج کر نہیں رہ گیا۔ بلکہ یہ صدائے استغاثہ آج بھی گونج رہی ہے اور اہل ایمان حسینیت کے مشن کو آج بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ گویا حسین علیہ السلام کے صدائے استغاثہ کے جواب میں حسینی مشن کی نصرت کر رہے ہیں اس کے برخلاف عون کے معنی مددگار اس معنی میں نہیں ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

لغت میں العون کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ :-

"**العون**" کے معنی کسی کی مدد اور پشت پناہی کرنا کے ہیں نیز عون مددگار کہا جاتا ہے۔ اور اس کی جمع اعوان ہے قرآن کریم میں ہے۔

"فاعینونی بقوۃ اجعل بینکم و بینھم ردما" **(الکھف: 95)**

(یعنی جب اس قوم نے یہ کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج و ماجوج زمین میں فساد کر رہے ہیں اگر تو کہے تو ہم تیرے لئے کچھ رقم اکٹھی کر دیں تاکہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دے تو اس پر ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے) بس تم تو میری محنت و قوت کے ذریعہ مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دوں گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ عون کے معنی دراصل کسی کام میں کسی کی عملی مدد کرنے کے ہیں۔

اور اسی طرح سورۂ فرقان کی درج ذیل آیت بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ :-

"واعانہ علیہ قوم آخرون" **(الفرقان: 4)**

یعنی دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی عملی مدد کی ہے۔

اسی طرح معروف روایت کے مطابق جنگ احد کے موقع پر جبرئیل کا پیغمبر اکرم سے یہ کہنا کہ :

"نادعلیا مظھر العجائب۔ تجدہ عونا لک فی النوائب"

یہی مطلب رکھتا ہے کہ تم علی کو جن سے عجیب و غریب باتوں کا ظہور ہوتا ہے، آواز دو، تم اس کو کفار کو مار بھگانے کے کام میں عملی طور پر مددگار پاؤ گے۔

اور کربلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ میں "ھل من ناصر ینصرنا" کے ساتھ "ھل من معین یعیننا" بھی تھا اور اس کا مطلب بھی یہی

ہے۔ یعنی اس وقت جنگ میں کون عملی طور پر ہمارے ساتھ آ کر ملتا ہے اور ہماری طرف سے فوج یزید کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی لوگ امام کے استغاثہ پر فوج یزید سے نکل کر امام کی طرف آئے، اور فوج یزید سے جنگ کر کے جام شہادت نوش کیا، اور اس طرح انہوں نے امام کے استغاثہ کے جواب میں امام کے مشن کی نصرت بھی کی اور امام علیہ السلام کی عملی طور پر مدد بھی کی۔ اور صاحب العصر و الزمان کی زیارت میں ہمارا یہ کہنا کہ: "واجعلنا من اعوانہ وانصارہ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہمیں امام زمانہ کے مشن کو زندہ رکھنے میں ان کے زمانہ غیبت میں بھی ان کا ناصر و مددگار بنا اور ان کے ظہور فرمانے کے بعد بھی ہمیں ان کی طرف سے ان کی فوج میں شامل ہو کر کفار سے جنگ کرنے کی سعادت سے بہرہ ور فرما اور ہمیں عملاً امام زمانہ کا مددگار بنا۔ اور قرآن کریم کی آیت:

"تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدہ: 5)

"یعنی تم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو ہاتھ بٹاؤ، اور ایک دوسرے کی عملی طور پر مدد کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دو، اور کسی کی عملی طور پر مدد نہ کرو۔" کا بھی یہی مطلب ہے۔

لہٰذا یہ لفظ "عون" ہر کسی کی ہر کسی کے لئے عملی مدد کرنے پر دلالت کرتا ہے اور کسی کے کام میں اس کا ہاتھ بٹانے کو کہتا ہے لیکن "ایاک نعبدو ایاک نستعین" میں جو اعانت طلب کرنے کا خدا میں حصر کیا گیا ہے تو اول تو اس سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ ہم بالاستقلال تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ دوسرے اس کا تعلق "ایاک نعبدو" میں عبادت کے خدا میں حصر کے ساتھ ہے، کہ ہم جو اسی کی اور صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں تو یہ صرف اسی کی توفیق سے کرتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے صرف اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ اس بات کی توفیق دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں "ایاک نستعین" کے حصر کا تعلق "اھدنا الصراط المستقیم" سے بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہدایت دینا بھی صرف اسی کا کام ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ "انا علینا للھدی (الاعلیٰ)۔ یعنی ہدایت کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ نصرت اور عون کی طرح ہی، عزر و تعزیر کا مطلب بھی اردو میں مدد ہی کیا جاتا ہے جس کا بیان

آگے آتا ہے۔

لغت میں تعزیر کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ :۔

"التعزیر" اس مدد کو کہتے ہیں جو جذبہ تعظیم کے ساتھ ہو' خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

ولقدا خذا للہ میثا ق بنی ا سرا ئیل و بعثنا منہم ا ثنا عشر نقیبًا و قا ل اللہ انی معکم لئن ا قمتم الصلوا ۃ و ا تیتم الزکوا ۃ و ا منتم برسلی و عزرتموھم و ا قرضتم اللہ قرضا حسنًا لا کفّرن عنکم سئیا تکم ولا د خلنکم جنت تجری من تحتھا الا نھا ر (المائدہ : 12)

یعنی یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد کیا۔ اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے۔ اور اللہ نے ان سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کو قائم رکھو گے' اور زکواۃ دیتے رہو گے۔ اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے' اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے۔ تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو برطرف کر دوں گا' اور تم کو اس جنت میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

اس آیت میں لفظ "عزرتموھم" کے معنی اردو میں' تم ان کی مدد کرتے رہو گے' کئے جاتے ہیں' لیکن یہ مدد وہ ہے جو ایمان لانے والے' خدا کے رسولوں کی جذبہ تعظیم کے ساتھ بجا لاتے ہیں یعنی یہ امت کا فرض ہے کہ وہ ایمان بھی لائیں اور رسولوں کی تعظیم و تکریم و توقیر بھی کریں اور جذبہ تعظیم کے ساتھ ان کی مدد بھی کریں یہی حکم خدا نے امت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفتح میں ارشاد فرماتا ہے کہ :۔

انا ا رسلنا ک شا ھدًا و مبشرا و نذیراً ' لتؤمنوا با للہ و رسولہ و تعزرہ و توقروہ (الفتح : 9)

اے میرے حبیب ہم نے تجھے شاہد اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو تم

اللہ پر اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان بھی لاؤ' اور اس کی مدد بھی کرو اور اس کی توقیر (اور عزت و احترام) بھی کرو۔

اس آیت میں بھی "تعزروہ" کے معنی مدد کرنا ہی کیئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ خدا کا امت محمدؐ کو حکم ہے۔ کہ وہ میرے پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد' اس کی جذبہ تعظیم کے ساتھ مدد کرتے رہیں۔ اور اس کا احترام' اور عزت و توقیر کرتے رہیں۔ گویا جذبہ تعظیم کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی مدد کرنا خداوند تعالیٰ کی طرف سے تمام امت پر واجب کر دیا گیا ہے' ایسا ہی ایک لفظ "ردء" ہے اس کے معنی بھی مدد ہی کیئے جاتے ہیں جس کا بیان آگے آتا ہے۔

لغت میں "الردء" کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں "الردء" جو دوسرے کا مددگار بن کر اس کا تابع ہو جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

"وا خی ھا رون ھو ا فصح منی لسا نا فا رسلہ معی ردًا یصدقنی ا نی ا خا ف ا ن یکذبون" (القصص: 34)

یعنی میرا بھائی ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ پس تو اس کو میرے ساتھ بھیج دے کہ وہ میری مدد کرے اور وہ میری تصدیق کرے کیونکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو جھٹلائیں گے۔

یہاں پر "ردء" کے معنی بھی اردو میں مدد ہی کیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اس شخص کی طرف سے ہے۔ جو پیغمبر کا تابع ہونے کی حیثیت سے اس کی تصدیق کے عنوان سے اس کی مدد کرے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ نصرت کے معنی بھی اردو میں مدد ہی کیئے جاتے ہیں۔ عون کے معنی بھی اردو میں مدد ہی کیئے جاتے ہیں۔ عزر و تعزروہ کے معنی بھی اردو میں مدد ہی کیئے جاتے ہیں اور ردء کے معنی بھی اردو میں مدد ہی کیئے جاتے

ہیں۔ لیکن ان الفاظ کے معنی میں جو فرق ہے وہ اوپر بیان ہو چکا۔ پس نصرت تو وہ مدد ہے جو خود خدا کی اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ خدا کی نصرت کریں اسی طرح پیغمبر اکرمؐ کی اہل ایمان پر نصرت واجب ہے اور پیغمبر کے بعد آئمہ اثنا عشر کی قائم آل محمد تک نصرت کرنا اہل ایمان پر واجب ہے۔ اور خدا بھی اہل ایمان کی نصرت کرتا ہے۔

اسی طرح عون بھی وہ مدد ہے جو اہل ایمان پر واجب ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ان کی مدد کریں اور ائمہ اطہار کے زمانہ میں ان کی مدد کریں اور قائم آل محمد کے ظہور کے وقت ان کے اعوان ہوں اور ان کی مدد کریں۔ آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جا سکتا ہے اور خدا سے بھی طلب استعانت ہو سکتی ہے۔

لیکن عزرتموھم اور تعزروہ سے جو مدد مراد ہے یہ وہ مدد ہے جو صرف امت پر واجب ہے، اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ پیغمبر اکرم کی جذبہ تعظیم کے ساتھ مدد کریں اور پیغمبر کے بعد آئمہ اطہار کی جذبہ تعظیم کے ساتھ ان کی مدد کریں۔

اور الردء وہ مدد ہے جو کوئی شخص کسی کا تابع ہونے کی حیثیت سے اپنے متبوع کی کرے۔ جیسا کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی تصدیق کے لئے مددگار بنا کر بھیجے گئے تھے۔

اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے لئے مددگار بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور اسی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے بارے میں فرمایا تھا کہ :۔

"یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ"

یعنی اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔

اب تک کے بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ گو نصرت، عون اور عزر اور ردء وغیرہ الفاظ کا اردو میں ترجمہ تو مدد ہی کیا جاتا ہے لیکن ان کے معنی میں فرق ہے۔ لیکن آیات قرآنی اور لغت میں لفظ مدد اپنے اصل مادہ (م د د) کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

لغت میں مدد (م دد) کے معنی

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں مادہ (م دد) کے ماتحت لکھتے ہیں کہ :-

"مد" (ثلاثی مجرد) بری چیز کے لئے استعمال ہوا ہے اور "امداد" (افعال) سے امدا اچھی چیز کے لئے آتا ہے مثلاً مد (ثلاثی مجرد) بری چیز کے استعمال میں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ایحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون (المومنون: 55)

یعنی کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال اور اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں تو یہ ان کی بھلائی کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔

اس آیت میں "مد" سے "نمدھم" بری چیز کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ مدد ہم تمہاری بھلائی کے لئے نہیں کر رہے ہیں کہ تم میں کوئی خوبی ہے کہ ہم تمہاری مال اور اولاد سے مدد کئے جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ تمہاری آزمائش کے لئے ہے۔

اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی اسی لفظ "مد" سے "نمدھم" استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ :-

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلھا مذموما مدحورا۔ و من اراد الاخرۃ و سعیٰ لھا سعیھا و ھو مومن فاولٰئک کان سعیھم مشکورا ○ کلا نمد ھولاء و ھولاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا (بنی اسرائیل: 18 تا 20)

یعنی جو شخص جلدی (اسی دنیا میں اجر لینے کا) طلبگار ہے اسے تو ہم اسی دنیا میں جلدی ہی جسے چاہیں اور جتنا چاہیں اجر دے دیں گے۔ پھر ہم اسے آخرت میں ذلیل و خوار کر کے جہنم میں ڈال دیں گے۔ اور جو آخرت (میں اجر لینے) کا طلبگار ہو گا۔ اور اس کے حصول کی کوشش بھی کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسوں کی کوشش کا پورا پورا اجر آخرت میں ملے گا۔ ان کو بھی (جو دنیا میں جلدی ہی اجر لینے کے طلبگار ہیں) ہم ہی یہ مدد پہنچاتے ہیں اور ان کو بھی (جو آخرت میں اجر لینے کے طلبگار ہیں) ہم ہی

مدد پہنچاتے ہیں۔ یہ تیرے رب کی عطا ہے۔ جس سے کوئی محروم نہیں رہے گا۔ یعنی دنیا کے طلبگار تو دنیا میں پالیں گے۔ اور آخرت کے طلبگار آخرت میں پالیں گے۔ یہ تیرے رب کی بخشش ہے۔ جس میں کوئی روک نہیں ہے۔

ان دونوں آیات میں (م د د) کے مادہ سے مد سے (نمد) گو برے معنی میں استعمال ہوا ہے مگر یہ مدد جس کا مادہ (م د د) ہے صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ اسی کی بخشش ہے۔ چاہے جلدی اس دنیا میں عطا کرے۔ یا آخرت میں عطا کرے یا امتحان و آزمائش کے لئے مال و اولاد عطا کر کے مدد کرے اس بخشش اور مدد کا کسی انسان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب رہ گئی "امداد" افعال کے وزن پر جو اچھے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بارے میں خداوند تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔

نمبر1: والذین آمنوا و اتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا ھم ذریتھم و ما التنا ھم من علمھم من شی کل امری بما کسب رھین و امددنا ھم وفاکھۃ و لحم مما یشتھون (الطور:22)

اور جو لوگ ایمان لائے' اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی' تو ہم نے ان کی اولاد کو بھی' ان ہی کے ساتھ ملحق کر دیا۔ اور ہم نے ان کے عمل میں ذرا بھی کمی نہیں کی۔ ہر آدمی اپنے کئے کے بدلے گروی ہے۔ اور ان کا جس قسم کے میوؤں اور گوشت کو دل چاہے گا ہم ان کو عطا کریں گے۔ اور ان کو مدد دیں گے۔

یہاں پر "امددنا ھم" سے وہ مدد مراد ہے جو خداوند تعالیٰ اہل ایمان کو جنت میں نعمتوں کے دینے اور پھلوں یا گوشت وغیرہ میں سے ہر اس چیز کو جس کا اس کو دل چاہے گا عطا فرما کر مدد کرے گا۔ اور یہ مدد بھی صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے جو وہ اپنے بندوں کو جنت کی نعمتیں عطا فرما کر کرے گا۔

نمبر2: اس کے علاوہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے "ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم و امددنا کم باموال و بنین و جعلنا کم اکثر نفیراً (بنی اسرائیل:6)

پھر (اے بنی اسرائیل) ہم نے تمہیں دوبارہ ان پر غلبہ عطا کیا اور مال و اولاد عطا کر کے تمہاری مدد کی اور (تمہیں اولاد عطا کر کے) تمہاری تعداد میں اضافہ کر دیا۔

یہاں پر "امددنا کم" ہم نے تمہاری مدد کی' مال اور اولاد کی عطائیگی کے ذریعہ

مدد کرنے کے معنی میں ہے' اور یہ مدد صرف خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے' اور یہ مدد صرف وہی کر سکتا ہے۔

نمبر 3: "فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفاراً۔ یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہاراً" (نوح 12:)

(حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی بار الہا) میں نے تو ان سے بہت کہا کہ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کے لئے بخشش طلب کرو۔ بیشک وہ بہت ہی بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تمہارے لئے آسمان سے بارش برسائے گا اور تمہیں مال اور بیٹے عطا کر کے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اگائے گا اور نہریں جاری فرمائے گا۔

اس آیت میں "یمددکم" تمہاری مدد کرے گا۔ آسمان سے بارش برسانے۔ مال اور بیٹے عطا کرنے' باغات اگانے' اور نہریں جاری کرنے' کے ذریعہ مدد کرنے کے لئے آیا ہے جو صرف خداوند تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ تمام کام خداوند تعالیٰ نے صرف اپنے ہی ساتھ منسوب کئے ہیں اور صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نمبر 4: اور سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلہ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔ اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثہ آلاف من الملائکۃ منزلین۔ بلیٰ ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکہ مسومین" (آل عمران: 125)

یعنی یقیناً اللہ نے تمہاری بدر کی لڑائی میں نصرت (مدد) کی حالانکہ تم بہت ہی کمزور تھے۔ پس تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر کرو (اور احسان مانو) جب تم (اے پیغمبر) اہل ایمان سے یہ کہہ رہے تھے' کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے' کہ خداوند تعالیٰ تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کرے' جو آسمان سے اترنے والے ہیں۔ بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور استقامت اور پائیداری دکھاؤ اور (اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اس کی نافرمانی سے) ڈرتے رہو' اور وہ (دشمن تم پر اسی دم فوری طور پر حملہ

آور ہو جائیں' تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائے گا' جو نشان دار گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔

اس آیت میں دو دفعہ یمددکم آیا ہے اور دونوں دفعہ خدا کی طرف سے فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنے کے لئے آیا ہے پس یہاں بھی "یمددکم" صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور فرشتوں کو پیغمبر اور اہل ایمان کی مدد کے لئے خدا کے سوا اور کون بھیج سکتا ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ نصرت کا ترجمہ بھی اردو میں مدد ہی کیا جاتا ہے "عون" کا ترجمہ بھی اردو میں مدد ہی کیا جاتا ہے۔ اور الردء کا ترجہ بھی اردو میں مدد ہی کیا جاتا ہے۔ اور "عزرتموھم" اور "تعزروہ" کا ترجمہ بھی اردو میں مدد ہی کیا جاتا ہے' اور لغت عرب میں (م د د) کے مادہ سے جو مدد ہے' اس کا ترجمہ تو مدد کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا

اور ہم نے قرآن کریم کی مذکورہ آیات کے مطالعہ سے اچھی طرح جان لیا ہے' کہ نصرت تو وہ مدد ہے' جو اہل ایمان پر فرض اور واجب ہے' کہ وہ خدا کے رسولوں کی نصرت کریں' پیغمبر اکرمؐ کی نصرت کریں' اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی نصرت کریں' اور خدا بھی اہل ایمان کی نصرت کرتا ہے' جب وہ خود اللہ کی نصرت کریں' "ان تنصرا اللہ ینصرکم" اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا' اس طرح عون بھی وہ مدد ہے جو اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ رسولوں کے اعوان بنیں' اور آئمہ اطہار کے اعوان بنیں اور مصدر عون سے آپس میں بھی تعاون کیا جا سکتا' "تعاونوا علی البر والتقویٰ" لہٰذا ایک دوسرے کی مدد بھی کی جا سکتی ہے اور ایک دوسرے سے تعاون حاصل بھی کیا جا سکتا ہے' اور خدا سے بھی طلب استعانت ہو سکتی ہے۔

لیکن ردءٴ وہ مدد ہے جو کسی نبی کا تابع تصدیق کے طور پر اپنے متبوع کی کرے' جیسے کہ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کی تصدیق کی' اور وہ ان کے ردا مددگار ہوئے' اور حضرت علی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اور وہ بمنزلہ ہارون ہو کر پیغمبر کے لئے ردءًا یعنی مددگار ہوئے۔

اور عزرتموھم اور تعزروہ سے جو مدد ہے' وہ صرف امت کے لئے ہے' کہ وہ

رسولوں کی عزت و احترام اور توقیر کرتے ہوئے جذبہ تعظیم کے ساتھ ان کی مدد کریں۔

لیکن نصرت، عون، ردا اور تعزیر کے برخلاف (م د د) کے مادہ سے نمد۔ مد۔ امدد ناکم وغیرہ جتنے مشتقات اور صیغے قرآن مجید میں آئے ہیں ان سب سے وہ مدد مراد ہے، جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور صرف وہی یہ مدد کر سکتا ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی یہ مدد نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ مدد صرف اسی سے مانگی جا سکتی ہے۔ مثلاً بارش کا برسانا، اولاد اور بیٹوں کا دینا یا فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنا وغیرہ۔

اب ہم نے دیکھ لیا کہ وہ مختلف الفاظ جن کا ترجمہ اردو میں مدد کیا جاتا ہے۔ ان کے معنی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے۔ چنانچہ مدد کے معنی میں استعمال ہونے والے تمام دوسرے الفاظ دوسرے انسانوں کے لئے بھی بولے جا سکتے ہیں لیکن (م د د) کے مادہ سے مدد کے جتنے مشتقات اور صیغے قرآن میں آئے ہیں وہ صرف خدا کے لئے آئے ہیں، اور ان کاموں کے لئے آئے ہیں، جو خدا کے کام کہلاتے ہیں، اور ان کاموں کے لئے صرف خدا ہی مدد کر سکتا ہے، اور یہ مدد صرف خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

لیکن غلو کرنے والوں نے، اور حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو خدا ماننے والوں نے، حضرت علی کے ساتھ وہی لفظ استعمال کیا، جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس بات کو رواج دینے کے لئے سب سے پہلے آغا خانیوں نے اس کو سلام کی جگہ رواج دیا۔ چنانچہ شکشمن بالا درسی کتاب برائے مذہبی، جسے اسماعیلیہ ایوسی ایشن برائے انڈیا بمبئی نے چھاپا ہے۔ یوں لکھا ہے۔

"یا علی مدد" ہمارا سلام ہے۔ "مولا علی مدد" سلام کا جواب ہے۔ اٹھتے بیٹھتے "یا علی مدد" بولتے رہنا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت "یا علی مدد" کہنا۔ ماں باپ کو "یا علی مدد" کہنا۔ بھائی اور بہن کو "یا علی مدد" کہنا۔ مکھی صاحب اور کامڑیا صاحب کو "یا علی مدد" کہنا۔ "یا علی بابا" ہماری بیماریاں دور کرتے ہیں۔ "مولیٰ علی" ہمارا حقیقی مددگار ہے۔ رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھتے ہی مولا علی سے مدد مانگنا چاہئے۔ امام حاضر کو مولیٰ علی کہتے ہیں۔ (شکشمن مالا ص: 6)

(بحوالہ جوابات عالیہ در خرافات غالیہ بلال مہدی صاحب ص: 25-24)

آغا خانیوں نے اس سلام کو جس مقصد کے لئے رواج دیا تھا، وہ مذکورہ عبارت میں

غور کرنے سے اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے۔

آغا خانیوں کا رواج دیا ہوا یہ سلام اس خطہ ارض کے شیعوں کی نظروں میں بہت بھلا لگا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی اس سلام کو اپنا لیا۔ اور اس خطہ ارض کے کہنے سے میرا مطلب پاکستان علی الخصوص خطہ پنجاب ہے۔ کیونکہ دنیا کے کسی بھی ملک میں شیعوں میں اس سلام کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سلام خدا کے حکم اس کی تعلیم پیغمبر اکرمؐ کی سنت اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت اور شیعہ علمائے ابرار کی عادت کے خلاف ہے۔

ابلیس نے سجدہ آدم سے انکار کے بعد ہی بنی آدم کو بہکانے کے لئے جس نسخہ کا اعلان کیا تھا وہی نسخہ یہاں پر کام آیا۔ ابلیس کے اس نسخہ کو قرآن کریم میں حکایتاً یوں بیان کیا گیا ہے۔

"لا زینن لھم فی الا رض ولا غوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔" (الحجر: 39-40)

میں بھی دنیا میں غلط کاموں کو ضرور ضرور ان کی نظروں میں زینت دوں گا۔ اور تیرے مخلص بندوں کے سوا سب ہی کو بہکا دوں گا۔

یہی حال اس خطہ ارض کے بعض شیعوں کا ہوا۔ انہیں حضرت علی کی نسبت کی وجہ سے سلام کی بجائے "یا علی مدد" کہنا بہت اچھا لگا۔ اور انہوں نے بھی سلام کی بجائے "یا علی مدد" اور جواب میں "پیر مولا علی مدد" کہنا شروع کر دیا۔

اسلام میں سلام کا طریقہ

قرآن کریم میں خداوند تعالٰی کا حکم خود پیغمبر اکرمؐ کو بطور تعلیم کے یہ ہے کہ جب مومن تمہارے پاس آئیں تو تم ان کو "سلام علیکم" کہو۔ یہ حکم قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

"وانا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علٰی نفسہ الرحمۃ" (الانعام: 54)

یعنی اے پیغمبر جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں، جو ہماری آیات پر ایمان لائے

ہیں، تو ان سے کہو "سلام علیکم" تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو فرض کر لیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے، کہ اس سلام کو چھوڑ کر جس کا حکم خداوند تعالیٰ نے دیا ہے، اور اس طریقہ سے سلام کرنے والے کے لئے خدا نے اپنے اوپر رحمت کو فرض قرار دے لیا ہے، خود سے دوسرا سلام ایجاد کر کے رواج دیا جائے۔ اور اس کو شیعہ اور محب علی ہونے کی علامت سمجھا جائے۔

حالانکہ خداوند تعالیٰ نے نہ صرف پیغمبر اکرم کے ذریعہ مسلمانوں کو سلام کرنے کا طریقہ سکھلایا بلکہ اس طریقہ سے سلام نہ کرنے والوں سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

نمبر1: "وانا جاؤک یحیوک بما لم یحیک بہ اللہ" (مجادلہ: 8)

یعنی اے رسول جب وہ (منافقین) تمہارے پاس آتے ہیں تو وہ اس طرح سے تجھے سلام کرتے ہیں، جس طرح اللہ نے تجھے سلام نہیں کیا۔ اور اللہ نے تمام رسولوں کو سلام کہا تو فرمایا۔

نمبر2: "سلام علی المرسلین"

اور خدا کے مصطفےٰ بندوں کو سلام کرنا تعلیم کیا تو فرمایا۔

نمبر3: "سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ"

یعنی خدا کے تمام مصطفےٰ بندوں پر سلام۔

پس یقیناً خدا کو اس طریقہ سے سلام کرنا ہی پسند ہے جو خود اس نے اپنے حبیب کے ذریعہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ "سلام علیکم" ہے یا "السلام علیکم" ہے۔

اس کے خداوند تعالیٰ کا پسندیدہ سلام ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ملائکہ جب پاک و پاکیزہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو وہ بھی اس مومن کو اسی سلام کے ذریعہ سلام کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ :۔

نمبر4: "الذین تتوفٰھم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنہ بما کنتم تعملون" (النحل: 28)

یعنی جب فرشتے پاکیزہ زندگی بسر کرنے والے اہل ایمان کی روح کو قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو وہ اسے کہتے ہیں "سلام علیکم" جاؤ سیدھے جنت میں چلے جاؤ۔ یہ

تمہارے عمل کی جزا ہے۔ اور سورہ زمر میں ارشاد ہوا ہے۔

نمبر5: "وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمراً حتیٰ اذا جاءوھا و فتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" (الزمر:73)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ جب وہ وہاں پہنچیں گے۔ اور اس کے دروازے ان کے لئے کھولے جائیں گے تو جنت کا داروغہ ان سے کہے گا "سلام علیکم"۔ تم لوگ پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لہٰذا اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

نمبر6: اور سورہ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیمھم ونادوا اصحب الجنۃ ان سلام علیکم لم یدخلوھا وھم یطمعون۔" (الاعراف:49)

اور اعراف کے اوپر ایسے لوگ (کھڑے ہوئے) ہوں گے، جو ہر ایک کو ان کی پیشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ اور وہ جنت والوں کو آواز دے کر کہیں گے۔ کہ سلام علیکم۔ وہ خود ابھی اس (جنت) میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔ اور وہ (ابھی تک اس میں داخل ہونے کے) امیدوار ہیں۔

نمبر7: اور ہر نماز میں تشہد کے بعد اس طرح سے سلام کرنا واجب قرار دیا۔

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاہ

سلام کی اس طرح سے تعلیم خود خدا نے دی اور اس کو قرآن میں نازل فرما کر امت محمد (ص) کو قیامت تک اس طرح سے سلام کرنے کی تاکید فرمائی۔

نمبر8: اور ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یوں مروی ہے کہ فرمایا حضرت ابو عبداللہ نے تواضع کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو اس پر تم سلام بھیجو۔ پھر فرمایا حضرت نے سلام علیکم ورحمتہ اللہ کہنا، بیس نیکیاں ہیں۔ (تحفتہ الابرار ترجمہ جامع الاخبار حدیث نمبر419 ص85)

پس خدا کا حکم سلام علیکم کے ذریعہ سلام کہنا ہے۔ اور وہ خود بھی اسی طریقہ سلام کے ذریعہ سلام کہتا ہے۔ قرآن کا حکم سلام علیکم کہنا ہے۔ فرشتوں کا سلام بھی سلام علیکم

ہے۔ داروغہ جنت بھی اہل جنت کو جنت کے دروازے پر سلام علیکم کہہ کر استقبال کرے گا۔ ملائکہ موت طیب لوگوں کو ان کی روح قبض کرنے سے پہلے سلام علیکم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا حکم بھی سلام علیکم کہنا ہے۔ یہ سلام سارے اہل اسلام کا سلام ہے اور یہ سلام سارے شیعان علی کا سلام ہے اور سلام علیکم کی بجائے "یا علی مدد" کہنا اور اس کے جواب میں "پیر مولا علی مدد" کہنا۔ تمام مسلمانوں اور شیعیان علی کی کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا۔ یہ سلام غالیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور آغا خانیوں کا رواج دادہ ہے اور پیری مریدی کرنے والوں نے اسے شدت کے ساتھ اپنا لیا ہے اور اسے کچھ بے خبر کم علم بلکہ بے علم سادہ لوح شیعہ عوام نے بھی اپنا لیا ہے۔

بہر حال اب تک کے بیان میں نصرت، عون، ردا، تعزیر اور (م د د) کے مادہ سے جو مشتقات لفظ مد، یمد، یمددکم، امددناکم، یمدکم اور مدکم آئے ہیں، ان کا فرق معلوم ہو گیا ہے، اور سلام علیکم کی بجائے "یا علی مدد" کہنے کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی۔ اب ہم مفوضہ یعنی مبلغین مذہب شیخیہ کی طرف سے، ہر کام کے لئے "یا علی مدد" کہنے کو رواج دینے کی تحقیق اور وجہ بیان کرتے ہیں۔

مذہب شیخیہ کی طرف سے یا علی مدد کو رواج دینے کی وجہ

آغا خانیوں نے تو صرف "سلام علیکم" کی بجائے "یا علی مدد" اور اس کے جواب میں "پیر مولا علی مدد" ایجاد کیا تھا۔ جو ان کی کتاب سے سابق میں نقل ہو چکا۔ لیکن مبلغین مذہب شیخیہ نے، جو قطعا و یقینا بلا شک و شبہ تفویض کے قائل ہیں۔ ہر کام میں، ہر بات پر اور ہر جگہ "یا علی مدد" کہنے کو ایجاد کیا۔ تاکہ سادہ لوح شیعہ عوام جب اس کے کہنے کے عادی ہو جائیں گے تو پھر یہ علمائے شیعہ میں سے کسی کے بھی بس کی بات نہ رہے گی، کہ ان کے نظریہ کو پھیلنے اور پھولنے سے روک سکیں۔ ہم نے اپنی کتاب "العقائد الحقیہ" میں شیخ احمد احسائی بانی مذہب شیخیہ کے نظریہ علل اربعہ کی رد میں یہ ثابت کیا ہے کہ شیعوں میں ہر کام کے لئے اور ہر بات پر "یا علی مدد" کہنے کی ایجاد شیخ کی

"علت فاعلی" کے نظریہ کو رواج دینے کے لئے ہے۔ اور شیخ احمد احسائی نے آئمہ علیہم السلام کے اقوال و احادیث کی تاویل بھی اپنے فلسفہ کے مطابق کی ہے اور شیخ نے ایجاد و خلق کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے وہ اس کی تمام کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔

چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح زیارت کے صفحہ 371 سطر 24 پر لکھتا ہے "فا لعلۃ الفا علیۃ بھم وا لعلۃ ا لما دیۃ منھم الخ یعنی ہر چیز کی علت فاعلی بھی آئمہ علیہم السلام ہیں۔ اور ہر چیز کی علت مادی بھی آئمہ علیہم السلام ہی ہیں۔ یعنی ہر چیز کے خلق کرنے والے اور ایجاد کرنے والے بھی وہی ہیں اور ہر چیز جس مادہ سے بنی وہ مادہ بھی وہی ہیں۔

ہم نے اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب العقائد الحقیہ کے صفحہ 133 تا 135 پر بزرگ شیعہ عالم علامہ محمد باقر مجلسی کی طرف سے۔ "ا نتم السبیل الا عظم" کی شرح اور بانی مذہب شیخیہ، شیخ احمد احسائی کی طرف سے "ا نتم السبیل الا عظم" کی قیاسی تاویل دونوں پیش کر کے ثابت کیا تھا کہ شیخ احمد احسائی اپنے نظریہ تفویض کو رائج کرنے کے لئے کس طرح سادہ اور صاف مطلب کو اپنے نظریہ کے ماتحت ڈھالتا ہے ہم ذیل میں کتاب العقائد الحقیہ سے اس تقابل کو پیش کرتے ہیں۔

سبیل الاعظم سے کیا مراد ہے

شیخ احمد احسائی شرح زیارت کے صفحہ 188 پر سطر 24 سے آگے زیارت جامعہ کے الفاظ "ا نتم السبیل الا عظم وا لصرا طا الا قوم" کی تشریح میں علامہ مجلسی کی شرح کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

"قا ل الشا رح (مجلسی) رحمۃ اللہ علیہ فا ن طریق متا بعتھم فی العقا ئد والا عما ل ا قوم الطریق"

یعنی شارح مجلسی رحمہ اللہ علیہ نے تو یہ کہا ہے کہ "ا نتم السبیل الا عظم وا لصرا طا الا قوم" سے مراد یہ ہے کہ عقائد و اعمال میں آئمہ علیہم السلام کی اتباع اور پیروی، اقوم الطریق، یعنی سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ اس کے بعد شیخ احمد احسائی علامہ مجلسی کے نظریہ کو رد کرتے ہوئے اس فقرہ کی شرح میں "سبیل الا عظم"

کے معنی اپنے فلسفہ کی علت فاعلی کے مطابق یوں کرتا ہے۔

"اقول قوله علیه السلام "انتم السبیل الا عظم" یرید انهم علیهم السلام سبیل الله الٰی خلقه ای طریقه الی جمیع خلقه فی کل ایجاد و تکلیف فلا یوجد شیئاً ولا یمد شیئاً بما له و بما به لمن دونه الا بواسطهم فهم سبیل الا یجاد و الفیض من فعل الله سبحانه فلا یستمد شیئا من الحق فی صدورا و بقاء الا بهم و منهم و لهم کما لا یستمد شیئا من اشعة السراج من فعل النار فی صدورا و بقاء الا باشعلة المرئیة و منها و لها کذالک هم علیهم السلام"

(علامہ مجلسی کے برخلاف) میں یہ کہتا ہوں کہ "انتم السبیل الا عظم" سے مراد یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام تمام خلق کے لئے شریعت میں بھی، اور پیدا کرنے اور ایجاد و خلق کرنے میں بھی اللہ کی طرف سے سبیل ہیں۔ یعنی ہر چیز کے خلق ہونے میں بھی، اور امور شریعت میں بھی، تمام مخلوق کے لئے وہی وسیلہ و واسطہ ہیں۔ پس کوئی بھی چیز ایجاد نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی کوئی چیز کسی سے مدد حاصل کر سکتی ہے۔ "فلا یستمد شیئا" مگر آئمہ علیہم السلام کے واسطے سے۔ پس وہی اللہ کے فعل سے ایجاد و فیض میں سبیل ہیں۔ پس کوئی بھی چیز اپنے صدور یعنی ایجاد و خلق میں اور اپنی بقا کے لئے امداد حاصل نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کی علت فاعلی، علت مادی اور علت غائی آئمہ علیہم السلام ہی ہیں۔ جس طرح سے کوئی بھی چیز اپنے وجود یا بقا کے لئے آگ کے فعل سے، چراغ کی شعاعوں کے ذریعہ مدد حاصل نہیں کر سکتی، سوائے چراغ کے ظاہری شعلہ کے ذریعہ، اور اسی طرح آئمہ علیہم السلام ہیں۔

قارئین محترم! سبیل کے معنی لغت میں راستہ کے ہیں اور ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ اور اسی لئے بزرگ شیعہ عالم علامہ مجلسی نے اس کی شرح میں یہ فرمایا تھا کہ عقائد و اعمال میں ائمہ علیہم السلام کی پیروی سب سے سیدھا راستہ ہے۔

لیکن شیخ احمد احسائی نے اس کے معنی و مراد اپنے فلسفہ کے ماتحت اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کئے اور یہ کہا کہ ایجاد و خلق اور ہر قسم کے حصول فیض میں یہی واسطہ ہیں۔ نہ ان کے واسطے کے بغیر کوئی چیز اپنے وجود و بقا کے لئے اللہ سے مدد حاصل کر

سکتی ہے۔ اور نہ ہی خود اللہ ایجاد و خلق اور وجود و بقاء وغیرہ امور میں کسی کی ان کے بغیر مدد کر سکتا ہے۔

اگرچہ خدا نے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 2 میں اہل ایمان کو "تعاونوا علی البر والتقویٰ" کے فرمان سے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا خدا کے حکم کے مطابق ہر مومن دوسرے مومن کی مدد کر سکتا ہے اور ہر مومن دوسرے مومن سے مدد حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن شیخ احمد احسائی کا یہ کہنا کہ خود اللہ بھی ان کے بغیر کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ قرآن کی مذکورہ آیت کے خلاف ہے۔ اور مفوضہ اور غالیوں کے عقائد کو اپنے قیاسی اور خیالی فلسفہ کے ماتحت ڈھالنے کا نتیجہ ہے۔ اور شاید اسی لئے انہوں نے لوگوں کو اللہ سے کسی بھی قسم کی مدد مانگنے کی بجائے "یا علی مدد" پر لگا دیا ہے۔

(العقائد الحقیہ ص 133 تا 135)

شیخ احمد احسائی کے بیان سے ہر صاحب عقل اندازہ لگا سکتا ہے کہ شیخ کی اس سے مراد کیا ہے کہ خدا بھی ان کے بغیر کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ وہ مدد نہیں ہے۔ جس کا خدا نے ہر مومن کو حکم دیا ہے کہ وہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں۔ اور نہ ہی اس سے مراد وہ نصرت ہے جو ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ خدا و رسول اور آئمہ اطہار کی نصرت کرے۔ بلکہ اس سے شیخ احمد احسائی کی مراد خلق و رزق، احیاء و اماتت اور تدبیر امور سے متعلق ہے اور جیسا کہ ہم نے سابق میں ثابت کیا ہے کہ (م د د) کے مادہ سے جتنے مشتقات ہیں مثلاً "یمد"، "نمد"، "نمد"، "یمددکم" اور "امددناکم" وغیرہ وہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور قرآن کریم میں باب (استفعال) سے ایک لفظ بھی "م د د" کے مادہ سے مشتق ہو کر استمداد کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

چنانچہ "عون" کے مادہ سے باب استفعال سے استعانت کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ :-

"یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین"

(البقرہ: 153)

یعنی اے ایمان لانے والو تم صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو' بیشک اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہاں پر لفظ "استعینوا" ہے۔ "استمدوا" نہیں ہے۔ اس طرح "نصرت" کے مادہ سے جو "استنصار" یعنی طلب نصرت ہے اس کے لئے فرماتا ہے۔

"والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولا یتھم من شی حتے یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علٰی قوم بینکم و بینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر" (الانفال: 72)

اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے ہیں' لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی' تو تم پر ان کی سرپرستی کرنے یا دوستی نبھانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں طلب نصرت کریں' اور مدد مانگیں۔ تو تمہیں ان کی نصرت یعنی مدد کرنی چاہئے۔ لیکن تم ان لوگوں کے خلاف جن کے اور تمہارے درمیان عہد و پیمان ہو۔ ان کی مدد نہیں کرسکتے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

یہاں پر بھی لفظ "استنصروکم" آیا ہے۔ "استملوکم" نہیں ہے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ مصدر "عون" سے جو طلب اعانت ہے۔ یہ اعانت یعنی مدد ہر کسی سے طلب کی جاسکتی ہے' اور ہر کوئی طلب اعانت کرسکتا ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم خود خدا نے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ :-

"تعاونوا علی البر والتقوٰی

اس تعاون اور لفظ عون سے استعانت کو اس لفظ کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا جو (م د د) کے مادہ سے "یمددکم" اور "امددناکم" وغیرہ مشتقات کے ساتھ آیا ہے۔

اور اسی طرح نصرت (مدد) سے جو لفظ استنصار یعنی طلب نصرت (مدد چاہنا) آیا ہے اس کو بھی اس لفظ کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا جو (م د د) کے مادہ سے (یمددکم) اور امددناکم) وغیرہ مشتقات کے ساتھ آیا ہے۔ کیونکہ نصرت وہ مدد ہے جس کا خداوند تعالٰی نے تمام ارواح بنی آدم سے عالم ارواح میں ہی عہد لے لیا تھا کہ وہ اس رسول پر جو

سب سے آخر میں آئے گا ضرور ضرور ایمان بھی لائیں اور اسکی نصرت بھی کریں' وہ آیت اس طرح ہے :-

"ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ" (آل عمران:81)

یعنی سب سے آخر میں تمہارے پاس ایک رسول آئے گا جو اس کی تصدیق کرے گا جو پہلے انبیاء کا لایا ہوا تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی نصرت بھی کرنا۔

یہ آیت تمام اولاد آدم پر اس آخری رسول پر ایمان لانے کے بعد اس کی نصرت کرنے کو واجب قرار دیتی ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ" (الصف: 14)

یعنی اے ایمان لانے والو' تم اللہ کے انصار بن جاؤ' جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حوارین سے کہا تھا' کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرے انصار بنیں۔ تو حواریوں نے یوں جواب دیا' کہ ہم اللہ کے انصار ہیں۔

اس آیت میں خدا تمام اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ تم اللہ کے انصار بن جاؤ۔ تم اللہ کی نصرت کرنے والے بن جاؤ۔ اب اللہ کی نصرت کیسے ہو تو فرمایا۔ اسی طرح سے جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ میرے انصار کون بنتا ہے۔ تو حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے انصار ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہادیوں کی نصرت کرنا خدا کی نصرت کرنا ہے۔ پس پیغمبر کے بعد ان کے حقیقی جانشینوں یعنی آئمہ ھدیٰ کی نصرت کرنا' بھی تمام اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور آج امام زمانہ کی نصرت کرنا اللہ کی نصرت کرنا ہے۔ اور آج ہمیں اللہ کا انصار بننے کے لئے امام زمانہ کی نصرت کرنی چاہئے' اور اسی لئے ہم امام زمانہ کی زیارت میں پڑھتے ہیں۔

"واجعلنا من اعوانہ وانصارہ"

بار الہا! ہمیں امام زمانہ کے اعوان و انصار میں قرار دے۔ بہرحال وہ مدد جو نصرت کا ہم معنی ہے' وہ تمام مومنین پر فرض اور واجب ہے' کہ وہ خدا کی نصرت کریں۔ اس

کے دین کی نصرت کریں۔ اس کے پیغمبروں کی نصرت کریں۔ اس کے بھیجے ہوئے تمام ہادیان دین کی نصرت کریں، اور اللہ کے انصار بن جائیں۔ یہ نصرت (مدد) وہ ہے جو خدا نے تمام اہل ایمان سے طلب کی ہے۔ اور اکثر اہل ایمان خدا کے انصار میں۔ خدا کے دین کے انصار میں۔ خدا کے رسول کے انصار میں۔ امیرالمومنینؑ کے انصار میں، حسنؑ مجتبیٰؑ کے انصار میں، اور حسین الشہید کربلا کے انصار میں، اپنا نام لکھوا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے لہذا یہ (مدد) جو نصرت کے لفظ کا اردو ترجمہ اور نصرت کا ہم معنی ہے صرف حضرت علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ مدد جو نصرت کے لفظ کا اردو ترجمہ ہے وہ ہے جو تمام اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ خود حضرت امیرالمومنین کی نصرت کریں۔

کیونکہ جس طرح حضرت علیؑ کی اطاعت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی نصرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت خود خدا کی نصرت ہے۔ اور خدا نے خود یہ حکم دیا ہے کہ :۔

"یا ایہا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ"

اے اہل ایمان تم اللہ کے انصار بن جاؤ۔

اور اللہ کے انصار سے مراد پیغمبر اکرمؐ کے انصار بننا ہے، اور پیغمبر اکرمؐ کے بعد ان کے حقیقی جانشینوں کی نصرت کر کے ان کے انصار بننا ہے، پس خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں تمام اہل ایمان کو خدا کی نصرت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے دین کی نصرت کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے پیغمبرؐ کی نصرت کرنے کا حکم دیا ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے روز غدیر حضرت علی کے لئے جو دعا کی تھی اس میں بھی یہی فرمایا تھا کہ :۔

"اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ"

یا اللہ جو علی کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اس کو دشمن رکھ اور جو علی کی نصرت کرے تو اس کی نصرت کر۔ اور جو علی کی نصرت چھوڑ دے تو بھی اس کی نصرت نہ کر۔

انصار مدینہ جب تک پیغمبر کی نصرت کرتے رہے عزت و وقار کے مالک بنے رہے لیکن پیغمبر کے بعد جب انہوں نے پیغمبر کے حقیقی جانشینوں کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا تو ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ پھر کبھی وہ عزت و وقار حاصل نہ ہوا، جو پیغمبر اکرمؐ کی نصرت کرنے کی وجہ سے انہیں حاصل ہوا تھا۔

یہی حال ہمارے ملک میں شیعہ قوم کا ہے، کہ وہ خدا کی نصرت کرنے، پیغمبر اکرم کی نصرت کرنے، حضرت علی کی نصرت کرنے تمام آئمہ کی نصرت کرنے، اور آج قائم آل محمدؐ کی نصرت کرنے، کی بجائے خود یہ چاہتے ہیں کہ وہ آ کر ان کی نصرت کریں، اور ان کی سادگی کا عالم یہ ہے کہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے پیرو دلیل تو "نصرت" سے "استنصار" کی دیتے ہیں یا مصدر "عون" سے استعان کی دیتے ہیں اور پھر دھوکہ سے یہ کہتے ہیں کہ اس سے "استمداد" جو "م د د" کے مادہ سے ہے ثابت ہو گئی، اور وہ ان کے فریب میں آ کر حضرت علی سے وہ مدد مانگتے ہیں جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

کہتے ہیں کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے جنگ احد میں حضرت علی سے مدد طلب کی تھی۔ لیکن یہ ایک فریب ہے اور دھوکہ ہے پیغمبر نے (م د د) کے مادہ سے جو مدد ہے وہ طلب نہیں کی تھی، بلکہ نصر، ینصر سے جو نصرت ہے وہ طلب کی تھی جیسا کہ وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان پیش کر کے کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ:۔

"یا علی مرا ازیں جمع نگا ہدار و حق خلمت و نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است"

یعنی اے علی مجھے اس گروہ سے بچاؤ، اور حق خدمت و نصرت بجالاؤ کہ یہ نصرت کا وقت ہے۔

یا مصدر عون سے جو مدد ہے وہ طلب کی تھی جیسا کہ نادعلیا کے دوسرے مصرع میں بیان ہوا ہے کہ:۔

"تجدہ عونا لک فی النوائب"

تم اسے اس مشکل وقت میں اپنا معاون پاؤ گے تو یہ مدد یا نصرت والی مدد ہے یا عون والی مدد ہے۔ اور یہ وہی نصرت و خدمت تھی، جو 67 انصار مدینہ انجام دیتے ہوئے شہید

ہو گئے۔ اور یہ وہی خدمت و نصرت ہے' جس کا خدا ہر مومن سے تقاضا کرتا ہے۔ اور یہی خدمت و نصرت پیغمبر اکرم نے حضرت علی سے طلب کی تھی' جو دوسرے اہل ایمان کی طرح حضرت علی پر بھی فرض اور واجب تھی' اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس فرض کو باحسن وجوہ سرانجام دیا۔ یہ نصرت والی "مدد" قرآن کریم کے اس لفظ کا ہم معنی نہیں ہے جو "م د د" کے مادہ سے یمددکم و "یمدکم" و "نمدکم" و "امددناکم" کے الفاظ کے ساتھ مشتق ہوا ہے۔

پس جنگ احد میں "نصرت" سے "استنصار" ثابت ہے یا مصدر "عون" سے استعان ثابت ہے "م دد" کے مادہ والی "استمداد" ثابت نہیں ہے۔ اور قرآن کریم کی زبان سے سابق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ "م د د" کے مادہ سے یمدکم و امددناکم وغیرہ کے مشتقات خدا کی طرف سے ایک ہزار فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنے۔ تین ہزار فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنے۔ پانچ ہزار فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنے رزق دینے اولاد عطا کرنے۔ باغات اور کھیتاں اگانے' چشمے اور نہریں جاری کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ پس پیغمبر نے جنگ احد میں حضرت علی سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کے لئے بھیجنے۔ پیغمبر کو رزق دینے اولاد عطا کرنے یا پیغمبر کے لئے باغات اگانے' چشمے اور نہریں جاری کرنے اور بارش برسانے کے لئے مدد کی درخواست نہیں کی تھی۔ لہٰذا فریب خوردگان مذہب شیعیہ' گمراہ شعراء کا یہ کہنا کہ خود خدا نے کہا یا علی مدد اور پیغمبر نے کہا یا علی مدد۔ غلط اور باطل ہے۔ یہ گمراہ شعراء شیخی مبلغین کے فریب میں آ گئے ہیں یا پھر انہیں "نصرت" اور "عون" اور "م د د" کے مادہ سے مدد کے معنی کا فرق معلوم نہیں ہے۔ اگرچہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ حضرات مبلغین شیعیہ کے دھوکے میں آ گئے ہیں۔ کیونکہ شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب شرح زیارت میں یہ لکھا ہے کہ "فلا یوجد شیئاً ولا یمد بما لہا وبما بہ لمن دونہ الا بواسطھم" (شرح زیارت ص 188)

اور مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں یہ لکھا ہے کہ جس طرح خدا نے پیغمبرؐ اور آئمہ علیہم السلام کو شریعت کے احکام پہنچانے کا کام سپرد فرمایا تھا اس طرح خدا نے انہیں تکوین کے تمام امور خلق و رزق۔ احیاء و اماتت اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے کا کام سپرد فرمایا ہے اور ولایت تکوینی سے ان

کی مراد یہی ہے۔

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 133)

پس شیعی مبلغین کے پاکستان کے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام میں "یا علی مدد" کہنے کو رواج دینے کا مقصد صرف یہ ہے' کہ چونکہ ان کے نزدیک حضرت علی رزق دیتے ہیں اور وہی اولاد دیتے ہیں' لہذا اگر کسی کو رزق اور اولاد وغیرہ کی خواہش ہو تو وہ حضرت علی سے مانگے' اور رزق دینے اور اولاد عطا کرنے کے لئے چونکہ خدا نے کہیں بھی نصرت یا عون کا لفظ استعمال نہیں کیا' بلکہ (م د د) مادہ والی مدد کا لفظ استعمال کیا ہے' لہذا انہوں نے اسی معنی میں "یا علی مدد" کے لفظ کو استعمال کرنے کا رواج دیا ہے۔ چنانچہ بعض بے خبر' کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام' مبلغین شیعیہ کے فریب میں آکر یہی سمجھنے لگ گئے ہیں کہ حضرت علی ہی رزق دیتے ہیں اور حضرت علی ہی اولاد عطا کرتے ہیں اور تمام تکوینی امور وہی انجام دیتے ہیں اور خدا نے یہ کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں۔ لہذا وہ بھی "یا علی مدد" اسی معنی میں کہتے ہیں۔ اور ہم نے خود فریب خوردہ مذہب شیعیہ ذاکرین اور واعظین سے اس مطلب کو اپنے کانوں سے سنا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ فیصل آباد کے ایک پروفیسر صاحب جن کا نام محسن رضا نقوی تھا چنیوٹ مجلس پڑھنے کے لئے بلائے گئے۔ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اور میں نے خوب غور سے ان کی مجلس سنی۔ انہوں نے بیٹھتے ہی فرمایا کہ آج میں "یا علی مدد" کو ثابت کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے جس طرح سے ثابت کیا وہ یہ ہے کہ' اس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً:۔ شکر یعنی چینی کا تمام سٹاک گورنر کے پاس ہوتا ہے' اور گورنر اپنے صوبے کے تمام تحصیلداروں کو کوٹہ دے کر اسے یہ اختیار دے دیتا ہے' کہ وہ ضرورت مندوں کو چینی مہیا کریں۔ اب آپ کو محرم میں حضرت عباسؑ کی نیاز دینے کے لئے چینی کی ضرورت ہوئی۔ تو آپ نے گورنر صاحب کے نام درخواست لکھی کہ جناب گورنر صاحب مجھے حضرت عباسؑ کی نیاز کے لئے دس سیر چینی کی ضرورت ہے (یہ مجلس ان ایام میں پڑھی گئی تھی جن دنوں چینی راشن سے ملتی تھی) آپ یہ درخواست لے کر گورنر کے پاس جاتے ہیں اور ان کی خدمت میں وہ درخواست پیش کرتے ہیں۔ تو گورنر آپ سے کہے گا' میرے پاس کیا لینے آئے ہو' میرے پاس کیا رکھا ہے؟ جاؤ اپنے علاقے کے

تحصیلدار کے پاس جاؤ۔ تمہارے علاقے میں چینی کی تقسیم کا کام تمہارے علاقے کے تحصیلدار کے سپرد ہے۔ اسی طرح سب کام خدا نے حضرت علی کو سپرد کر دیئے ہیں پس سب مل کر کہو "یا علی مدد" اور پھر خوب "یا علی مدد" کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ اور واعظ محترم بھی بڑے خوش ہوئے کہ میں نے "یا علی مدد" ثابت کر دیا ہے۔ اور تمام سامعین سے "یا علی مدد" منوا لیا ہے۔ مجلس کے اختتام پر میں نے بانی مجلس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ بھائی وقار مہدی آپ کا تفویض کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ کہنے لگے تفویض مسلمہ طور پر شرک ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ تو بتلایئے کہ یہ گورنر اور تحصیلدار کی مثال دے کر محسن رضا نقوی صاحب نے جو "یا علی مدد" ثابت کیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے حسب عادت غور کرنے کے انداز میں اپنی گردن جھکالی' اور پھر بھائی سبطین صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ ارے سبطین یہ تو واقعا وہ تفویض کا عقیدہ بیان کر گیئے۔ جب وہ ملیں تو مجھے یاد دلانا۔ میں ان سے کہوں گا کہ میاں یہ تم کیا پڑھ گیئے ہو۔

بہرحال مجھے معلوم نہیں ہے کہ پھر انہوں نے ان سے کچھ پوچھا یا نہیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ منبروں پر "یا علی مدد" ثابت کرنے والے اسی عقیدہ تفویض سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں' کہ خدا نے اپنے سب کام حضرت علی کے سپرد کر دیئے ہیں' لہٰذا جس طرح چینی کے حصول کے لئے گورنر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ چینی کے حصول کے لئے تحصیلدار صاحب کی خدمت میں ہی درخواست دینی چاہیئے۔ اسی طرح خدا سے بھی کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ سب اختیارات خدا نے حضرت علیؑ کو سپرد کر دیئے ہیں' لہٰذا جو کچھ مانگنا ہو' وہ حضرت علی سے ہی مانگنا چاہیئے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بت پرست جو اپنی حاجات طلب کرتے تھے یا دعائیں مانگتے تھے وہ پتھر یا لکڑی یا دھات کے بنے ہوئے بتوں سے اپنی حاجات طلب نہیں کرتے تھے بلکہ وہ بت انہوں نے اپنے بزرگوں کے نام پر بنائے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے ان نیک بزرگوں کو خدا نے ان امور کی تدبیر سپرد کر دی ہے' لہٰذا اب جو کچھ کرتے ہیں ان کے یہ بزرگ ہی کرتے ہیں' لہٰذا جو کچھ مانگنا ہے انہیں سے مانگو۔

پاک و ہند کے مسلمانوں کو پاک و ہند کی بت پرستی سے سرزمین عرب کی بت پرستی کی بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ پاک و ہند کے باشندوں کی اکثریت ہندو ہے اور سارے ہندو کرشن جی کی مورتی کی پرستش کرتے ہیں اس مورتی کے آگے بیٹھ کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں' اور اس بات کو ہر صاحب علم جانتا ہے کہ وہ پتھر یا دھات یا لکڑی وغیرہ سے بنی ہوئی اس مورتی سے اپنی حاجتیں طلب نہیں کرتے' اور نہ ہی اس مورتی سے طلب اولاد اور طلب رزق کی دعائیں کرتے ہیں' بلکہ حقیقتاً وہ طلب حاجات' طلب اولاد یا طلب رزق کی دعائیں کرشن جی سے کرتے ہیں' جن کی طرف منسوب ان کا یہ دعویٰ بھگوت گیتا میں اس طرح سے لکھا ہے:۔

"بے وقوف اور جاہل لوگ مجھے انسان ہی سمجھتے ہیں وہ میری قدرتوں سے ناواقف ہیں۔ ان کو یہ شناخت نہیں کہ تمام مخلوقات اور کائنات کا ایشور میں ہی ہوں۔" (بھگوت گیتا)

مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کرشن جی نے یہ کہا تھا یا نہیں کہا تھا لیکن مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ہندو جو کرشن جی سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں' وہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کرشن جی کو خود ایشور یعنی خالق کائنات سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کرشن جی ہی یہ سب کچھ دے سکتے ہیں۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پروفیسر قمرالزمان صاحب کی کتاب "راز قدرت" شائع کردہ "قیام پبلی کیشن" سے دو اقتباسات اپنے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کریں وہ "پیغمبر کا اصل معجزہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

یوں تو ہر مذہب نے منجی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن دعویٰ اس وقت مقبول ہو سکتا ہے' جب کہ مناسب طریق کار بھی ساتھ ہو۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب نے جو اپنے رہبروں کی صورتیں پیش کی ہیں' ان سے ہرگز اس امر کا اطمینان نہیں ہوتا' کہ وہ منجی بننے کے اہل ہیں۔ نصاریٰ عیسیٰ کو منجی بتاتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ توحید و تثلیت میں اس قدر بحث کرتے ہیں کہ غیر جانبدار انسان صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ان کے نزدیک خدا' روح القدس' عیسیٰ قدیم ہیں۔ اس سے خدا اور عیسیٰ کی شخصیت صاف نہیں ہوتی۔ یہودی عزیز کو منجی مانتے ہیں لیکن نصاریٰ کی طرح ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ بدھ والے

گوتم بدھ کے علاوہ کسی بزرگ ہستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ جو کچھ تھے گوتم بدھ تھے۔ یہاں تک کہ خدا بھی کوئی چیز نہیں۔ ہندو سری کرشن جی کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن سری کرشن جی کا حسب ذیل دعویٰ جو ارجن سے کورو پانڈووں کی لڑائی میں کیا تھا ان کی پوزیشن کی بجائے گھٹاتا ہے۔ "بے وقوف اور جاہل لوگ مجھے انسان ہی سمجھتے ہیں۔ وہ میری قدرتوں سے ناواقف ہیں۔ ان کو یہ شناخت نہیں کہ تمام مخلوقات اور کائنات کا ایشور میں ہی ہوں۔" (بھگوت گیتا)

اس کے بعد "مذاہب عالم کے مقابلہ میں اسلام کی تبلیغ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

ان تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام نے اپنے رہبر کو جس سادگی سے پیش کیا' وہ اس مقولہ سے ظاہر ہے۔

"انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی"

ترجمہ: میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں فرق یہ ہے کہ خدائے واحد میری طرف وحی نازل کرتا ہے۔

نہ یہ کہا کہ میں خدا ہوں۔ یا خدا کا بیٹا ہوں' کائنات عالم کا خالق ہوں' رشی اور درویش میں نے ہی پیدا کیا ہے' جیسا کہ سری کرشن جی کا دعویٰ تھا۔ بلکہ یہ بتایا کہ میں سیدھا سادھا ایک انسان ہوں۔ ہاں مجھ پر وحی ضرور نازل ہوتی ہے۔

دوسرے مذاہب نے اپنے رہبروں کو پبلک پلیٹ فارم پر پیش کرتے وقت اس قدر مبالغہ سے کام لیا کہ اجنبی طالب علم ہدایت عقل کے خلاف' غلو آمیز اصل نہ سمجھنے سے متحیر ہو گیا' اور صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔ لیکن اسلام نے نہ کبھی رسول کو خدا کا بیٹا بتایا۔ نہ خالق کائنات بیان کیا۔ نہ خدا کو اس کی وجہ سے معطل ٹھہرایا۔ ایک طرف توحید کا پوزیشن صاف کیا کہ وہ واحد ہے' قدامت اور علم وغیرہ میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ روح اور مادہ۔ انبیاء و اوصیاء آسمان و زمین سب اس کے پیدا کردہ ہیں۔ دوسری طرف رہبر کامل کی حیثیت واضح کی: "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل"

ترجمہ: محمد بحیثیت ایک رسول کے ہیں ایسے پہلے بھی رسول گذرے ہیں۔

اسلام کا اپنے پیغمبر کے متعلق وہ اجنبی دعویٰ نہیں جو دیگر مذاہب نے عیسیٰ' گوتم

بدھ، سری کرشن جی کے متعلق کیا ہے۔

مجھے اس امر کا یقین نہیں آتا کہ ان رہنمایان ملت نے اپنے متعلق عقل کے خلاف ایسے دعوے کئے ہوں۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ معتقدین نے اصل پر حاشیے چڑھا کر اپنے رہبروں کی صحیح صورت ہیبت ناک لباس میں پیش کی ہو، کیونکہ جوش اعتقاد میں اکثر ایسی غلطی ہوتی ہے۔

اسلام اور اس کے معتقدین نے جوش میں بھی ایسے مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ کسی متعصب مسلمان سے بھی یہ نہ سنا ہو گا کہ محمدؐ خدا کے بیٹے ہیں۔ یا سری کرشن جی کی طرح کائنات عالم کے خالق ہیں۔ یا گوتم بدھ کی طرح دنیا کی انتہاء ان پر ہوئی ہے۔

معتقدین کیا کیا مبالغہ نہیں کرتے۔ ہر مذہب نے اپنے رہبر کے متعلق خلاف عقل مبالغوں کو صرف کیا۔ لیکن یہ اسلام کی تعلیم ہے، کہ پیغمبر اسلام کے حلقہ بگوش شان ربوبیت اور حیثیت محمدی کے خلاف کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالتے۔ ہر مسلمان، عام اس سے کہ جاہل ہو یا عالم غریب ہو یا رئیس۔ وحشی ہو یا متمدن، غلام ہو یا آقا چوبیس گھنٹہ کے اندر کم از کم پانچ مرتبہ نمازوں میں اپنے رہبر کامل اور خدائے واحد کی حیثیت کا بالاعلان اظہار کرتا ہے۔

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبده و رسوله"

ترجمہ: میں گواہ ہوں کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور اس کا بھی گواہ ہوں کہ محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔

(راز قدرت باب 12 صفحہ 102 تا 104)

قارئین محترم! غور کریں۔ اور خوب اچھی طرح غور کریں، کہ اسلام کو جس بات پر فخر تھا مذہب شیعیہ نے اسی بات کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ بیشک شیعیان جعفریہ اثنا عشریہ نے اور تمام اہل اسلام نے تو اپنے پیغمبر اور رہبر کی شان میں کوئی غلو نہیں کیا اور وہ حقیقی طور پر پانچ وقت ان کے عبد ہونے اور خدا کا رسول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ مگر مفوضہ نے جو مسلمہ طور پر مشرک ہیں 1241ء سے مستقل طور پر مذہب شیعیہ کی صورت اختیار کر لی اور انہوں نے پیغمبر اکرمؐ اور ان کی پاک آل کا جو حلیہ بگاڑا ہے ایسا

علیہ نہ کرشن جی کو ماننے والوں نے کرشن جی کا بگاڑا ہو گا۔ اور نہ ہی بدھ مت کے ماننے والوں نے گوتم بدھ کا بگاڑا ہو گا۔

چونکہ شیخ احمد احسائی نے اپنے عقیدہ تفویض کو اپنے فلسفہ کے علل اربعہ کے ذریعہ رواج دیا۔ اور پھر شیخی مبلغین شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے منبروں پر شیعہ واعظین کے لباس میں جلوہ گر ہوئے' اور انہوں نے مجالس عزا کا استحصال کر کے اپنے عقیدہ تفویض کو فضائل آل محمد کے عنوان سے بے خبر' کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا ہے' اور وہ بہت سے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کو گمراہ کرنے میں بالکل ابلیس کے نقش قدم پر چلے ہیں۔

خدا نے آدمؑ سے کہا تھا کہ یہ ابلیس تمہارا دشمن ہے ابلیس نے آدم سے فریب دیتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ آئمہ اطہار علیہم السلام نے شیعوں سے کہا کہ تفویض شرک ہے۔ رؤسائے شیخیہ نے شیعوں کو فریب دے کر کہا کہ یہ فضائل آل محمد ہیں۔ خدا نے آدم سے کہا اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ ابلیس نے آدم سے کہا کہ اس درخت کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے۔

آئمہ اطہار نے کہا کہ مفوضہ کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ رؤسائے شیخیہ نے کہا ہم نے تفویض کی نوک پلک سنوار دی ہے اب جو ہماری بیان کردہ اس تفویض کو نہ مانے وہ مقصر ہے۔

مختصر یہ ہے کہ رؤسائے شیخیہ نے شیعیان حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کے بہت سے کم علم۔ بے خبر اور سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے میں ابلیس کو بھی مات دیدی ہے۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاکستان کے بہت سے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام مذہب شیخیہ کے نظریہ تفویض اور غالیانہ عقائد کو ہی صحیح شیعہ عقائد سمجھنے لگ گئے ہیں۔

تعجب اس بات کا ہے کہ موجودہ سربراہ مذہب شیخیہ احقاقیہ مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی کے والد بزرگوار مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق میں ص 391 سے ص 394 تک ان پانچ روایات کو نقل کیا ہے جن میں آئمہ علیہم السلام کے لئے عقیدہ تفویض کی مطلق طور پر نفی کی گئی ہے اور ہم نے ان روایات کے عکس معہ ترجمہ اپنی

کتاب العقائد الحقیہ کے صفحہ نمبر251 سے صفحہ نمبر254 تک پیش کر دیئے ہیں۔ جن کی صحت کے بارے میں روسائے شیعیہ میں سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ لیکن رئیس مذہب شیعیہ احقاقیہ نے مذکورہ صحیح روایات کو تو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور مفوضہ کی گھڑی ہوئی دو روایات سے استدلال کر کے عقیدۂ تفویض کو مستدل کیا وہ دو روایات حسب ذیل ہیں۔

نمبر1: مدینہ المعاجز میں طبری امامی کی دلائل سے ان کی اسناد کے ساتھ جمہور بن الحکم سے روایت کی گئی ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

"میں نے امام زین العابدین حضرت علی ابن الحسین کو دیکھا کہ ان کے پر و بال اگ آئے ہیں۔ اور انہوں نے اڑنا شروع کر دیا اسی ساعت میں نے جعفر بن ابی طالب کو علین میں دیکھا۔ پس میں نے کہا آپ یہاں تک بھی چڑھ کر چلے آتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم ہی نے تو اس کو بنایا ہے۔ پس ہم میں اپنی صنعت کی طرف چڑھنے کی قدرت کیوں نہ ہو گی۔ ہم ہی حملہ عرش و کرسی ہیں۔"

موسیٰ اسکوئی مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ:۔

آپ اس بات پر غور کرو، کہ امام علیہ السلام نے کس طرح دو مرتبہ اپنی طرف صنعت کی نسبت دی ہے۔

اس روایت میں قابل غور بات یہ ہے، کہ امام کے تو پر و بال اگ آئے، اس لئے اڑتے ہوئے علین میں پہنچ گئے۔ لیکن راوی علین میں کیسے پہنچا؟ کیا اس کے بھی پر و بال اگ آئے تھے؟ اور وہ بھی اڑتا ہوا ساتھ ہی پہنچ گیا تھا؟ شیعیہ چونکہ آئمہ اطہار کو انسان نہیں مانتے بلکہ ایک جدا نوع قرار دیتے ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر آن جونسی شکل چاہے اختیار کر لیتے ہیں انسانوں کے پاس وہ انسان بن کر آتے ہیں حیوانوں کے پاس وہ حیوانوں کی شکل میں جاتے ہیں۔ پس انہوں نے مفوضہ کی اس گھڑی ہوئی روایت کو تو قبول کر لیا اور جن روایات میں تفویض کی مطلق نفی کی گئی تھی انہیں ترک کر دیا۔

مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد موسیٰ اسکوئی مفوضہ اور غالیوں کی گھڑی ہوئی ایک اور روایت کو اپنے عقیدہ تفویض کے ثبوت میں گواہی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جو اس طرح ہے۔

اسی طرح عیون المعجزات میں مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ اس نے جابر بن جعفی سے اس نے ابی خالد کابلی سے روایت کی ہے: وہ کہتا ہے کہ ہم نے امام زین العابدین حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے جب آیت قرآنی:۔

"ولقدجعلنا فی السماء بروجًا وزینا ھا للنا ظرین"

"یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں، اور اسے دیکھنے والوں کے لئے زینت دی ہے۔"

کا مطلب پوچھا، تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ایک دن قنبر حضرت علی علیہ السلام کے در دولت پر ان کا حال معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوا تو گھر سے ایک کنیز نکلی جس کا نام فضہ تھا، قنبر نے کہا کہ میں نے اس کنیز (فضہ) سے پوچھا، کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کہاں ہیں۔ اس پر آپ کی کنیز نے کہا، کہ وہ تو بروج میں گئے ہیں۔ قنبر نے کہا کہ میں بروج سے واقف نہیں تھا (کہ وہ کیا ہوتے ہیں) اس لئے قنبر نے پوچھا، کہ وہ بروج میں کیا کر رہے ہیں۔ اس پر اس کنیز نے کہا، کہ وہ بروج اعلیٰ میں گئے ہوئے ہیں۔ وہاں پر رزق تقسیم کر رہے ہیں۔ عمروں کا تعین کر رہے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کر رہے ہیں۔ مار رہے ہیں اور زندہ کر رہے ہیں۔ اور عزت و ذلت بانٹ رہے ہیں۔ قنبر کہتے ہیں کہ میں نے کہا قسم خدا کی میں مولا علی امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو اس کافرہ کی باتوں سے آگاہ کروں گا۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ امیر المومنین ظاہر ہوئے اور میں اس کنیز کی باتوں سے حیران و متعجب تھا کہ مولا نے فرمایا کہ اے قنبر یہ تمہارے اور فضہ کے درمیان کیا باتیں ہو رہی تھیں، قنبر کہتے ہیں، کہ میں نے کہا اے امیر المومنین فضہ نے یہ یہ کچھ کہا ہے۔ میں تو اس کی باتوں سے حیران رہ گیا۔ اس پر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قنبر کیا تم نے اس کی باتوں کو سن کر انکار کر دیا۔ قنبر کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ مولا بڑی سختی کے ساتھ انکار کیا۔ اس پر مولا نے فرمایا۔ اے قنبر میرے نزدیک آؤ۔ پس میں آپ سے قریب ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا۔ یکایک کیا دیکھتا ہوں۔ کہ تمام آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے امیر المومنین کے ہاتھوں میں آ گئے۔ جیسا کہ ایک گیند ہو، یا اخروٹ ہو، اور آپ اس سے جس طرح چاہتے ہیں کھیل رہے ہیں قنبر

کہتے ہیں کہ قسم بخدا میں نے دیکھا کہ خلق کثیر آ رہی ہے اور جا رہی ہے۔ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ خداوند تعالیٰ نے یہ اتنی ساری مخلوق پیدا کی ہوئی ہے پس مولا نے فرمایا کہ اے قنبر میں نے عرض کی ہاں مولا۔ آپ نے فرمایا۔ جو بات ہمارے اول کے لئے ہے۔ وہی بات ہمارے آخر کے لئے ہے۔ اور ہم نے ہی ان آسمانوں کو خلق کیا ہے اور ہم نے ہی اس ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ جو ان تمام آسمانوں میں ہے۔ اور ہم نے ہی وہ تمام مخلوق پیدا کی ہے جو ان آسمانوں کے نیچے ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ سب کا سب میری نظروں سے غائب ہو گیا اور ان میں سے کوئی بھی چیز اب مجھے دکھائی نہیں دیتی تھی اور میں اپنی اسی حالت میں آ گیا۔

اے شیعیان پاکستان ذرا غور کریں، کہ کیا کرشن جی کی طرف منسوب دعویٰ تو خلاف عقل دکھائی دیتا ہے۔ لیکن امیر المومنین کی طرف منسوب مذکورہ دعوے خلاف عقل نہیں ہیں؟ کیا یہ اسلام کے رہبروں کی کوئی اچھی تصویر ہے؟

افسوس کی بات یہ ہے کہ شیخی مبلغین خود کو شیعہ ظاہر کر کے شیعہ واعظین کے بھیس میں مذکورہ نظریات کو شیعہ نظریات کے طور پر منبروں پر بیان کرتے رہے، اور کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے پاکستان کے بہت سے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کے عقائد کو خراب کر چھوڑا ہے۔ اور اب پاکستان کے بہت سے بے خبر، کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام یہ سمجھنے لگ گئے، جیسا کہ شیعہ عقائد یہی ہیں۔ اور یہ آئمہ اطہارؑ کے فضائل کا بیان ہے۔

لیکن اے شیعیان پاکستان ذرا غور کریں کہ اگر ایک غیر جانبدار دانشور سری کرشن جی کی طرف منسوب اس دعوے کو کہ: "میں ہی ساری کائنات کا خالق ہوں" خلاف عقل سمجھے گا تو کیا حضرت علیؑ کی طرف منسوب اس دعوے کو کہ:۔

نمبر2: ہم نے ہی وہ تمام مخلوق پیدا کی ہے جو ان آسمانوں کے درمیان ہے۔

نمبر3: ہم نے ہی وہ تمام مخلوق پیدا کی ہے جو ان آسمانوں کے نیچے ہے۔

خلاف عقل سمجھنے میں کوئی رکاوٹ محسوس کرے گا۔ اور کیا وہ اس بات کو کہ:۔

نمبر1: حضرت علی بروج میں بیٹھ کر رزق تقسیم کرتے ہیں۔

نمبر2: عمروں کا تعین کرتے ہیں۔

نمبر3: مخلوق کو پیدا کرتے ہیں۔

نمبر4: لوگوں کو مارتے ہیں۔

نمبر5: لوگوں کو زندہ کرتے ہیں۔

نمبر6: عزت و ذلت بانٹتے ہیں۔

عقل کے عین مطابق سمجھے گا۔ یا اسے بھی ہر صاحب عقل خلاف عقل ہی سمجھے گا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس روایت میں نہ تو کوئی باذن اللہ کا لفظ ہے' نہ ہی ان اختیارات کے خدا کی طرف سے سپرد کرنے کا کوئی ذکر ہے' کہ استقلالی اور غیر استقلالی کی بحث کی جائے۔ بلکہ واضح طور پر جیسے کہ کرشن جی کی طرف منسوب دعوے میں یہ کہا گیا ہے کہ:۔

"میں ہی ساری کائنات کا خالق ہوں"

اسی طرح حضرت علی کی طرف منسوب اس دعوے میں یہ کہا گیا ہے کہ:۔

ہم ہی نے اس ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اور رزق بھی وہی تقسیم کرتے ہیں۔ اور عمروں کا تعین بھی وہی کرتے ہیں۔ زندگی اور موت کے مالک بھی وہی ہیں۔ اور عزت و ذلت بھی وہی دیتے ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ابی خالد کابلی نے تو آیت "ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزینا ھا للناظرین" کا مطلب پوچھا تھا۔ لیکن راوی کو روایت کے گھڑنے کا بھی سلیقہ نہ آیا۔ کم از کم وہ پہلے یہ بات بھی گھڑ کر بیان کر دیتا کہ امام نے فرمایا کہ: "ولقد جعلنا فی السماء بروجا" کا مطلب یہ ہے۔

امام علیہ السلام سے بروج کے بارے میں سوال پر اس قسم کا جواب یا تو کوئی جاہل دے سکتا ہے۔ یا کوئی افسانہ نگار اس قسم کا افسانہ گھڑ کر اصل جواب سے جان چھڑا سکتا ہے۔ لیکن امام بروج کے بارے میں سوال پوچھنے پر کہ بروج کیا ہوتے ہیں؟ اس قسم کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور ایسی روایات کو تکوینی امور استمداد کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ تکوینی امور میں مدد کے سلسلے میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ:۔

"من کان یرید العاجلہ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلھا مذموماً مدحوراً۔ ومن اراد الاخرۃ وسعٰی لھا سعیھا، وھو مومن فاولٰئک کان سعیھم مشکوراً کلاً نمد ھولاء وھولاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظوراً"

(بنی اسرائیل: 18 تا 20)

ترجمہ: جو کوئی اپنا اجر جلدی لینا چاہتا ہے تو ہم اس کو جلد ہی اسی دنیا میں اس کا اجر دے دیں گے۔ جتنا چاہیں گے اور جس کے لئے چاہیں گے۔ پھر آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہو گا۔ اور وہ اس میں انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ پہنچ جائے گا اور جو کوئی آخرت میں اپنا اجر لینا چاہے گا۔ اور اس کے لئے عملی جدوجہد بھی کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ان کی کوششوں کی قدر کی جائے گی (ہم کسی کو بھی محروم نہیں رکھتے بلکہ) ہر ایک کو (چاہے وہ جلدی سے دنیا میں اجر لینا چاہتا ہو یا آخرت کا طالب ہو) تیرے رب کی بخشش پہنچتی ہے۔ اور تیرے رب کی بخشش (کسی سے) رکتی نہیں ہے۔

تفسیر عمدہ البیان میں مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ۔

"جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے، کہ جو کوئی اپنے اس عمل سے جو خدا تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے، ثواب دنیا کا چاہے اور خدا کی ذات اور آخرت کو نہ چاہے، تو خداوند تعالیٰ اس کو جلدی دے گا، جس قدر کہ چاہے گا دنیا کے مال میں سے اور آخرت میں اس کے واسطے کچھ ثواب نہیں ہے۔ اس واسطے کہ وہ مدد چاہتا ہے اس کے واسطے طاعت خدا سے اور استعمال کرتا ہے اس کو معصیت خدا میں۔ اس واسطے خدا تعالیٰ اس کو عذاب کرے گا۔"

اور اگلی آیت میں اہل ایمان کے لئے آخرت کا اجر بیان کرنے کے بعد "کلا نمد ھولاء" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"ہر ایک کو مدد کرتے ہیں ہم طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی موافق مصلحت اور حکمت کے کہ سب کو روزی دیتے ہیں اس گروہ کو بھی اور اس گروہ کو بھی۔ کہ اپنے فضل و کرم سے سب کو دنیا میں دیتے ہیں ہم۔ بخشش پروردگار تیرے سے۔

اور نہیں ہے بخشش پروردگار تیرے کی منع کی گئی۔ مومن سے اور کافر سے کہ دنیا میں سب کو دیتا ہے۔ لیکن آخرت خاص مومن متقی کے واسطے ہے۔ اور "هولاء" بدل ہے "کلا" سے اور سورہ الملک میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"امن هذا الذی یرزقکم ان امسک رزقه" (الملک :31)

ہم اس کا ترجمہ اور تفسیر بھی عمدۃ البیان سے ہی نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ :۔

آیا کون شخص ہے کہ اشارہ کیا جائے طرف اس کے کہ یہ ہے وہ شخص ہے کہ اپنی عنایت سے روزی دے گا تم کو اگر بند کرے خدا روزی اپنی کو، باران رحمت بند کر کے۔ اور زراعت پر آفتیں نازل کر کے۔ یعنی اگر خدا اپنی روزی کو تم سے بند کرے تو وہ کون ہے سوائے اس کے جو تم کو روزی دیوے۔

تعجب اس بات کا ہے کہ خدا نے تو یہ "م د د" سے مدد کے جتنے مشتقات استعمال کئے ہیں، وہ صرف اپنے لئے استعمال کئے ہیں، لیکن ناصر و انصار اس نے اہل ایمان میں سے ہر ایک کے لئے استعمال کئے۔ عون و اعوان کا لفظ بھی اہل ایمان سے ہر ایک کے لئے استعمال کیا، مگر پھر بھی ان الفاظ کو ایک ہی معنی میں مراد لے لیا حالانکہ ناصر و انصار کے لئے کہا:۔

"یا ایها الذین آمنوا کونوا انصار الله"

اے اہل ایمان تم سب کے سب اللہ کے انصار بن جاؤ۔ اور اپنے پیغمبر کے لئے حکم دیا کہ "ولتنصرنه" تم ضرور ضرور اس آخری رسول کی نصرت کرنا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے یوں کہا کہ :۔

"تعاونوا علی البر والتقوٰی"

تم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو لیکن "م د" کے مادہ سے جتنے مشتقات آئے ہیں وہ اپنے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کئے اور اس لفظ کا استعمال اس نے بارش برسانے، رزق عطا کرنے، اولاد دینے، باغات اگانے، نہریں جاری کرنے، اور ایک ہزار فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنے۔ پھر تین ہزار فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنے اور پھر پانچ ہزار فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور ان مطالب پر مشتمل آیات سابق میں نقل کی جا چکی ہیں۔

لیکن چونکہ شیخ احمد احسائی نے اپنے فلسفہ کے علل اربعہ کی علت فاعلی کے تحت یہ کہا ہے کہ خدا کسی قسم کی مدد کسی کی کر ہی نہیں سکتا' اور نہ ہی کوئی چیز خدا سے کسی قسم کی مدد حاصل کر سکتی ہے۔ "لا یستمد شیئاً" سوائے حضرت علی اور آئمہ اطہار کے ذریعہ حوالہ اس کا سابق میں گذر چکا ہے۔ لہٰذا مبلغین شیخیہ نے ہر کام میں اور ہر مطلب کے لئے "یا علی مدد" کو رواج دیا ہے۔ اور شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو فریب دینے کے لئے وہ دلیل میں وہ آیات و روایات پیش کرتے ہیں' جن میں نصرت کے مادہ سے "استنصار" اور عون کے مادہ سے "استعان" کے مشتقات آئے ہیں' اور بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اس سے "استمداد" ثابت ہے جو "م د د" کے مادہ سے ہے اور اس قسم کی دلیل کو کوئی بے علم۔ بے خبر اور سادہ لوح آدمی ہی قبول کرے گا۔ ورنہ ہر صاحب علم یہ جانتا ہے کہ "استنصار" اور چیز ہے۔ "استعان" اور چیز ہے اور استمداد اور چیز ہے۔

جہاں تک چہاردہ معصومین علیہم السلام کی شفاعت کا تعلق ہے تو وہ اور چیز ہے' اور وہ برحق ہے' اور اس کے لئے دعائے توسل کے الفاظ ہی چہاردہ معصومین میں سے ہر ایک کے لئے صحیح اور درست ہیں۔ جس میں ان حضرات سے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرنے کی التجا کی جاتی ہے۔

لیکن مبلغین شیخیہ کی طرف سے "یا علی مدد" کی ایجاد کا مقصد شفاعت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ مدد ہے جسے خدا نے اپنے سوا اور کسی کے لئے بیان نہیں کیا' اور یہ مدد صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر چونکہ مذہب شیخیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رزق کی تقسیم عمروں کی تعین۔ اولاد دینے اور حیات و موت اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر وہی کرتے ہیں لہٰذا یہ مدد ان ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔

چنانچہ عبدالرسول احقاقی فرزند مرزا حسن الحائری الاحقاقی اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں (جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی جا رہی ہے) فرماتے ہیں کہ :۔

آنان معتقداند که فاعل علیؑ الاطلاق و مدبر بالاستقلال در عالم خلقت و جهان هستی خدای ذوالجلال است' لا موثر فی الوجود الا الله ولی خدای متعال همان طوری که محمد و آل محمد (ص) را واسطه در تشریع

یعنی ایصال علوم واحکام بین خودو مخلوقاتش قرار دادہ است ہم چنیں
ان بزرگوار ان را واسط در تکوین یعنی در ایصال رحمت و فیوضات خود بہ
بندگان معین فرمودہ است۔ (ولایت از دیدگاہ قرآن ص 133)

یعنی ان (شیخیہ احقاقیہ کویت) کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خلقت اور جہان ہستی میں
فاعل علی الاطلاق اور مدبر بالاستقلال تو خداوند ذوالجلال ہی ہے۔ لا موثر فی
الوجود الا اللہ، یعنی موجودات میں کوئی موثر سوائے خدا کے نہیں ہے۔

لیکن خداوند تعالٰی نے جس طرح شریعت کے احکام و علوم پہنچانے کے لئے محمد و
آل محمد کو اپنے اور اپنی مخلوقات کے درمیان واسط قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان بزرگ
ہستیوں کو بندوں تک اپنی رحمت و فیوضات یعنی رزق دینے۔ اولاد عطا کرنے اور تمام
تکوینی امور انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

تمام اہل اسلام اور علی الخصوص تمام شیعیان پاکستان شیخیہ احقاقیہ کے اس عقیدہ میں
غور کریں جسے انہوں نے کھول کر بیان کیا ہے۔ اور واضح الفاظ میں لکھا ہے۔ اور
پاکستان میں ان عقائد کی بڑے زور شور کے ساتھ تبلیغ و نشرو اشاعت ہو رہی ہے۔ وہ
شیعہ واعظین کی صورت میں مجالس عزا کے منبروں پر آتے ہیں اور اپنے اس عقیدہ کو
فضائل آل محمد کے نام سے بیان کرتے ہیں۔ اور شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو مقصر
کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

میں تمام اہل اسلام سے اور تمام شیعیان پاکستان سے اور علی الخصوص ہر دانشور
اور ہر صاحب عقل سے پوچھتا ہوں، کہ خدا کے لئے ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ آپ
شریعت کے احکام و علوم کس سے حاصل کرتے ہیں؟ اور آپ کو شریعت کے احکام و
علوم واقعاً کس سے حاصل کرنے چاہئیں؟ کیا آپ شریعت کے احکام و علوم براہ راست
خدا سے مانگیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ کو یقیناً شریعت کے احکام و علوم محمد و آل محمد
سے ہی حاصل کرنے چاہئیں۔ اور آپ صرف اور صرف ان ہی سے شریعت کے احکام و
علوم حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو یقیناً و حتماً شریعت کے احکام و علوم محمد و آل محمد سے
ہی حاصل کرنا ہوں گے۔ براہ راست خدا سے نہیں۔ اور اگر آپ کا دعوٰی یہ ہو کہ
آپ براہ راست خدا سے شریعت کے احکام و علوم حاصل کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ

ہو گا کہ آپ اپنے اوپر وحی کے نازل ہونے کے مدعی ہیں' یا آپ خود اپنے لئے نبوت و رسالت و امامت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

پس رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کے اس عقیدہ کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح احکام و علوم شریعت تم براہ راست خدا سے طلب نہیں کر سکتے اسی طرح تم رزق یا اولاد وغیرہ بھی خدا سے طلب نہیں کر سکتے۔ جو کچھ مانگنا ہو وہ انہیں سے مانگو۔ جو کچھ طلب کرنا ہے وہ انہیں سے طلب کرو۔ جو دعا کرنی ہے وہ انہیں کے حضور میں پیش کرو کیونکہ جس طرح احکام و علوم شریعت صرف یہی دے سکتے ہیں خدا خود سے تمہیں احکام و علوم شریعت کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ اس طرح سے رزق و اولاد اور اس کے تمام امور تکوینی سے متعلق رحمت و فیوضات بھی وہ خود سے نہیں دے سکتا۔ لہٰذا جو کچھ دینا ہے وہ انہیں نے دینا ہے۔ پس جو کچھ مانگنا ہے وہ انہیں سے مانگو۔

اسلامی عقیدہ کا بیڑہ غرق کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ کہ تعلیمات معصومین علیہم السلام کے مطابق تو خدا کو سب سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ اس کا بندہ اس سے سوال کرے' اس سے طلب حاجات کرے' اور اس کے حضور میں گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں کرے۔ اور شیخیہ احقاقیہ کویت' پاکستان کے بے خبر شیعوں کو گمراہ کر کے' اس بات پر لگا دیں کہ خدا تو کچھ دے ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا کوئی بھی اس سے امداد حاصل نہیں کر سکتا "لا یستمد شیئًا" تمہیں جو کچھ مانگنا ہے وہ انہیں سے مانگو۔

اور ہم نے صرف جہلا سے ہی نہیں بلکہ اچھے بھلے بظاہر صاحب علم شیعوں سے۔ جو مبلغین شیخیہ کے فریب خوردہ ہیں۔ اپنے کانوں سے اکثر سنا ہے کہ مولا علی اولاد دیتے ہیں مولا علی رزق دیتے ہیں وغیرہ' اور اسی مطلب کے لئے وہ ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور فی الحقیقت "یا علی مدد" کہنے کا مطلب ان کا یہی ہے۔

اور یہ بات کہ جس طرح معصومین علیہم السلام کو احکام و علوم شریعت کی تعلیم کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ اسی طرح خلق و رزق اور امور تکوین کے دوسرے تمام کام بھی انہیں کو سپرد کئے گئے ہیں۔ ہم اپنی کتاب "العقائد الحقیہ" کے صفحہ نمبر 243 پر موسیٰ اسکوئی کی کتاب احقاق الحق میں بیان کردہ تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں حدیث نمبر 4 کے

ضمن میں غلط اور باطل ثابت کر چکے ہیں لہٰذا اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

شیعہ احقاقیہ کویت کا یہ باطل عقیدہ شیخی مبلغین کی تبلیغ کے نتیجہ میں، پاکستان کے جاہل شیعوں میں، اتنا رواج پا چکا ہے، کہ وہ بے دھڑک کہتے ہیں کہ مولا علی ہمیں رزق دیتے ہیں۔ مولا علی اولاد دیتے ہیں، مولا علی ساری مخلوق کو رزق تقسیم کرتے ہیں۔

اور میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب میں امسال حج کے موقع پر میدان عرفان میں زوال آفتاب کے بعد حجتہ الاسلام کے حج تمتع کی نیت کر کے، میدان عرفان کے وقوف کے وقت، مستحب اعمال بجا لانے میں مشغول تھا، تو قریب ہی لاہور کے کاروان منہاج الحسین کے خیموں سے مجلس کی آواز آنے لگی، اور ایک ذاکر صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ ارشاد فرمایا: کہ میرا ایمان ہے یہ کہ مولا علی ساری مخلوق کو رزق تقسیم کرتے ہیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

میدان عرفان اور حجتہ الاسلام کے لئے آئے ہوئے حاجیوں کے سامنے یہ بیان؟ اور سب سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کاروان کے رہبر و رہنما وہ تھے جنہوں نے خود شیخیت کے ابطال میں کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ "استعمار، شیخیت کے روپ میں" لیکن ان کے کاروان میں میدان عرفات میں یہ غلط عقیدہ بیان ہوتا رہا اور وہ خاموش رہے۔

بہرحال اب تک کی بحث اس موضوع پر تھی، کہ یہ صرف الفاظ ہی ہیں، جن کے ذریعہ انسان اپنا مطلب دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن ہر زبان میں ایسے الفاظ تو بہت ملتے ہیں جن کے بکثرت معنی ہوتے ہیں۔ لیکن کسی بھی زبان میں کسی ایک مطلب اور ایک ہی معنی کے لئے متعدد یا ایک سے زیادہ الفاظ وضع نہیں کئے جاتے۔ سوائے اس صورت کے کہ ان کے مطلب اور معنی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ اور اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے ہم نے اصطفیٰ، اختیار و اجتبے کے الفاظ کو مثال میں پیش کیا جو عربی کے الفاظ ہیں اور ان تینوں الفاظ کا اردو میں ترجمہ "چننا" ہی کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اپنے سابق بیان میں ان کا باہمی فرق واضح کیا ہے۔

اسی طرح عربی کے الفاظ نمبر1: نصرت سے ناصر و انصار۔ تنصروا و استنصار وغیرہ مشتقات آئے ہیں اور نمبر2: عون سے اعوان و تعاونوا واستعان وغیرہ کے مشتقات آئے

ہیں اور نمبر3: "م د د" کے مادہ سے یمدد کم وامددناکم وغیرہ کے مشتقات آئے ہیں۔ اور ان تینوں الفاظ کا بھی' اردو میں ترجمہ ایک ہی یعنی مدد کرنا کیا جاتا ہے۔ ہم نے ان تینوں الفاظ کے معنی کا باہمی فرق بھی واضح کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس واضح فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اہل باطل اہل ایمان کو کس طرح سے دھوکہ دیتے ہیں۔

اب ہم اس سے آگے ان الفاظ سے متعلق بحث کریں گے جو بکثرت معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور کثیرا لمعنی یا مشترک المعنی کہلاتے ہیں جیسا کہ لفظ "ولی" ہے جس کے لغت کی کتابوں میں 32 کے قریب معنی لکھے ہیں لہٰذا اب ہم اس سے آگے لفظ ولی کے معنی کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

لفظ ولی کے معنی کی تحقیق

خود مرزا عبدالرسول احقاقی' اپنی کتاب "ولایت ازدیدگاہ قرآن" میں (جس کے رد میں یہ کتاب لکھی جا رہی ہے) "تحقیق در معنی ولی" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ :۔

"کلمہ ولی ازالفاظ مشترک است و در لغت و قرآن بہ معانی زیاد از جملہ ہم سوگند' مالک' بندہ' آزاد کنندہ' آزاد شدہ' یاور و مساعد' آقا' امیر' سلطان' رفیق' دوست' وارث و ولی بہ تصرف استعمال شدہ است"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 78)

یعنی لفظ ولی الفاظ مشترک سے ہے اور لغت اور قرآن میں بہت زیادہ معانی میں استعمال ہوا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ہم قسم' مالک' بندہ' آزاد کرنے والا' آزاد شدہ' یاور و مددگار۔ آقا' امیر' سلطان' رفیق' دوست' وارث اور دوسروں پر ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کو تسلیم ہے کہ لفظ ولی کثیرا لمعنی اور مشترک المعنی لفظ ہے۔ ان میں سے مثال کے طور پر جو چند معانی انہوں نے گنوائے ہیں وہ بھی چودہ تک لکھے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ لغت کے علاوہ قرآن کریم میں بھی لفظ ولی بکثرت معنی میں استعمال ہوا ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کے علاوہ دوسروں نے لفظ ولی کے معانی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

علامہ حائری نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل کی جلد 16 میں آیہ مبارکہ :
"افحسب الذین کفروا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء" کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت میں واقع لفظ "اولیاء" کا معنی یوں لکھا ہے۔

اولیاء: جمع ولي باشد' پس ولایت بالفتح ربوبیت باشد' ونیز بمعنی نصرت۔ وبالکسر امارت بودو ہم گفتہ شدہ کہ ہر دو لغت اند بمعنی دولت۔"

یعنی "اولیاء" ولی کی جمع ہے' پس ولایت جو واو کے زبر کے ساتھ ہو' اس کے معنی ربوبیت ہے' اور نصرت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور ولایت جو واو کے زیر کے ساتھ ہے امارت یا امیر کے معنی میں آیا ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولایت خواہ واو کے زبر کے ساتھ ہو یا واو کے زیر کے ساتھ دونوں طرح سے دولت و حکومت کے معنی دیتا ہے۔

اس کے بعد ابن کثیر کی کتاب لغت سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"ھئی بالفتح وبالکسر التولیت والسلطان"

یعنی ولایت میں واو کے اوپر چاہے زبر ہو یا زیر دونوں صورتوں میں اس کے معنی حکومت و سلطنت کے ہی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پس مراد انست کہ آیا می پندارند کافران کہ فرا گرفتن ایشاں بندگان مرا بخدائی نفع خواہند رساند استفہام بمعنی انکار است۔ اتخاذ ایشاں جمع را بہ معبودیت ہیچ نفع نخواہد داشت۔"

یعنی مراد اس سے یہ ہے کہ آیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا میرے بندوں کو خدا مان لینا انہیں کچھ نفع پہنچائے گا' یہاں پر استفہام انکار کے معنی میں ہے' یعنی ان کا ان بندوں کو معبود مان لینا انہیں کوئی نفع نہ پہنچائے گا۔

اس کے بعد "عبادی" کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"مفسرین در عبادی اختلاف کرده اند، بعضی گفته اند مراد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام است، کہ نصاری بولایت یعنی ربوبیت او قائل شده اند، جمع گفته اند، مقصود عزیز علیہ السلام است، کہ یہود بولایت یعنی ربوبیت او قائل گردیدند، و جماعتی گفته است کہ مراد از عبادی ملائکه اند، کہ گروہی بخدائی ایشاں قائل شده اند، بعضی گفته اند، شیاطین مراد اند، لان الناس یوالونهم و یطیعونهم۔ و قولے آں است کہ مقصود از عبادی اصنام اند سما هم عباداً کقوله عباداً امثالکم"

یعنی مفسرین نے عبادی کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد عیسیٰ ابن مریم ہیں کیونکہ نصاریٰ ان کی ولایت یعنی ربوبیت کے قائل ہیں کچھ نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد عزیز علیہ السلام ہیں، کیونکہ یہود ان کی ولایت یعنی ربوبیت کے قائل ہو گئے تھے، بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں عبادی سے مراد ملائکہ ہیں۔ کیونکہ کچھ لوگ ان کے خدا ہونے کے قائل ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ عبادی سے مراد شیاطین ہیں، کیونکہ انسان ان کو رب مان کر ان کی اطاعت و عبادت کیا کرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ عبادی سے مقصود بت ہیں۔ انہیں کو عبادی کہا ہے جیسا کہ اس کا خود کا قول ہے "عباداً امثالکم" وہ تم ہی جیسے بندے ہیں۔

اس تفسیر کی رو سے عبادی سے مراد خواہ عیسیٰ ہوں یا عزیز ہوں یا ملائکہ ہوں یا شیاطین ہوں یا بت ہوں، ہر صورت میں ان کی ولایت کے معنی ربوبیت ہے، ان کو معبود ماننا ہے اور ان کا خدا جاننا ہے۔

عبادی کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ حائری اپنا قول اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ :۔

"اقول از احادیث و اخبار اہل بیت علیہم السلام آنچه بوضاحت و پایه ثبوت می رسد، ایں است، کہ در آیت زیر بحث مراد از ولایت عباد اللہ عبادت ملائکه و مسیح علیہ السلام است، کہ جہال ضال، پرستش ایشاں را دین و ایمان خود قرار دادند، و اعتقاد کردند، کہ آنہا را ایشاں نجات خواہند داد از عذاب خدا۔"

یعنی میں یہ کہتا ہوں کہ احادیث و اخبار اہل البیت علیہم السلام میں جو کچھ وضاحت کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں عباد اللہ کی ولایت سے مراد، ملائکہ اور مسیح علیہ السلام کی عبادت ہے، کہ گمراہ اور جاہل لوگوں نے ان کی پرستش کو اپنا دین و ایمان قرار دے لیا تھا، اور انہوں نے یہ اعتقاد کر لیا تھا کہ وہ ان کو خدا کے عذاب سے نجات دیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ احادیث و اخبار اہل بیت میں اس آیت میں عبادی سے مراد تو ملائکہ اور مسیح علیہ السلام ہیں، اور ولایت سے مراد ربوبیت ہے، یعنی وہ ان کو رب مان کر ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لفظ ولی کی لغت کے معنی میں لغت بحرین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"در بحرین گفته است قوله "هنا لک الولا یۃ" هی با لفتح الربوبیه یعنی یومئذ یتولون الله و یومنون به و یتبرون ما کا نوا یعبلون یعنی در آیت مجیده "هنا لک الولا یۃ" بمعنی ربوبیت است، یعنی در روز قیا مت حق تعالی را بولا یت یعنی ربوبیت گیرند و با وا یما ن آورند، وا ز همه معبودا ن با طله برا ت جویند۔"

یعنی لغت بحرین میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "هنا لک الولا یۃ" میں ولایت واو کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کا معنی یہاں ربوبیت ہے، یعنی "یومئذ یتولون و یومنون به و یتبرون ما کا نوا یعبلون یعنی آیه مجیده هنا لک الولا یۃ" میں ولایت ربوبیت کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے دن وہ حق تعالیٰ کی ولایت یعنی ربوبیت کا اقرار کریں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے اور تمام باطل معبودوں سے برات کا اظہار کریں گے۔

اس کے بعد ابن اثیر جزری کی لغت النہایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں :۔

"و در نها یه ابن اثیر جزری گوید۔ فی اسماء الله تعالی الولی، هوالنا صر و قیل المتولی لا مور العالم والخلا ئق۔ یعنی در اسماء خدا وند متعال است اسم ولی که معنی نا صر با شد و گفته شده است که او

تعالٰی را ولی نامند چه متولی امور تمام عالم و آدم میباشد۔"

یعنی ابن اثیر اپنی لغت کی کتاب "النہایہ" میں کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ناموں میں سے ایک نام "ولی" ہے جس کے معنی مددگار کے ہیں اور چونکہ خداوند تعالٰی تمام عالم اور خلائق کے امور کا متولی ہے اس لئے اسے ولی کہا جاتا ہے۔

بہرحال علامہ حائری "افحسب الذین کفروا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء" کی تفسیر کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بهرحال هر کجا لفظ ولی و مولٰی در حق خدا یتعائی وارد گشته مراد ازاں متولی و مدبر امور خلق بودن و نصرت ایشاں به ثواب و کرامت می باشد بقوله تعالٰی: الم تعلم ان اللّٰه له ملک السموات والارض وما لکم من دون اللّٰه من ولی ولا نصیر" (ب-ا-ع: 8)

"یعنی لفظ ولی اور مولا جہاں کہیں بھی خداوند تعالٰی کے حق میں وارد ہوا ہے، اس سے مراد متولی و مدبر امور خلق ہونا ہے، اور ان کو ثواب و کرامت میں ان کی نصرت کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ: کیا تم نہیں جانتے کہ بلاشک آسمانوں اور زمین کا مالک وہی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی متولی امور اور ناصر و مددگار نہیں۔"

اس کے بعد علامہ حائری نے پارہ نمبر1 رکوع 14 پارہ نمبر3 رکوع 15 پارہ نمبر7 رکوع 11 پارہ نمبر7 رکوع 14 پارہ نمبر13 رکوع 11 پارہ نمبر15 رکوع 16 پارہ نمبر21 رکوع 14 پارہ نمبر25 رکوع 5 سے تقریباً دس آیات ولی بمعنی ربوبیت کی نقل کی ہیں چنانچہ پارہ نمبر21 رکوع 14 کی درج ذیل آیت اس طرح سے پیش کی ہے کہ:۔

"ثم استوی علی العرش ما لکم من دونه من ولی و لا شفیع افلا تتذکرون یدبر الامر من السماء الی الارض (پ21- ع: 14)

یعنی پھر اس کا حکم محکم ہوگیا۔ اس کے سوا تمہارا کوئی ولی یعنی رب اور شفیع نہیں ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ وہی آسمانوں سے لے کر زمین تک کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کے بعد علامہ حائری لکھتے ہیں کہ:۔

در این نفس آیت توضیح رفته است بمعنی ولی۔ اللّٰه بودن چه کانه علت او بیان فرموده است که حق سبحانه و تعالٰی تدبیر می کند امر را، از

آسما ن بسموے زمین' و ہمیں است مراد آیت از ولایت اللہ کہ بربوبیت تعبیر شدہ است' یعنی اس آیت میں اللہ کے ولی ہونے کی وضاحت کی گئی ہے کیونکہ خدا نے اس کی علت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ امور خلائق کی تدبیر کرنے والا ہے۔ آسمان سے زمین کی طرف۔ اس آیت میں اللہ کی ولایت سے مراد یہی ہے اور یہاں لفظ ولی "رب" ہونے کے معنی دیتا ہے۔

علامہ حائری ان تمام آیات کو نقل کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر یوں لکھتے ہیں کہ :-

"پس در ایں ہمہ مقامات کہ لفظ "ولی" برائے ذات مقدسہ مجردہ خود حق تعالیٰ عزوجل اطلاق فرمودہ است مراد ازان تدبیر امور خلائق بودن است بر سبیل اعم پس اخذ ولایت او معتبر باشد باعتراف ربوبیت او۔"

یعنی ان تمام مقامات میں جہاں جہاں لفظ ولی کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس سے مراد امور خلائق کی تدبیر کرنا اور عمومی طور پر امور خلائق کا مدبر ہونا ہے۔ پس اس کی ولایت کو ماننا اس کی ربوبیت کو تسلیم کرنے اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کرنے سے ہی معتبر ہو گا۔

اس مطلب کو خداوند تعالیٰ نے سورہ شوریٰ میں بھی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ام اتخذوا من دونہ اولیاء فاللہ ھو الولی و ھو یحی الموتی و ھو علی کل شئی قدیر" (الشوریٰ: 9)

یعنی کیا انہوں نے خدا کے سوا اور دوسروں کو ولی بنا لیا ہے۔ حالانکہ صرف اللہ ہی وہ ذات ہے جو ولی ہے کیونکہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں ضمیر ھو ضمیر فصل ہے اور ضمیر فصل حصر پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ کے سوا اور کوئی ولی نہیں ہے اور فاللہ کی (ف) تعطیل پر دلالت کرتی ہے اور اس کی علت کو بیان کرتی ہے یعنی چونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا اس کے سوا اور کوئی ولی یعنی رب اور مدبر امور کائنات نہیں ہے۔

اسی مطلب کو خداوند تعالیٰ نے سورہ انعام میں یوں فرمایا ہے کہ :۔

"قل اغیر اللہ اتخذ ولیا ○ فا طر السموات والا رض و ھو یطعم ولا یطعم۔ قل انی امرت ان اکون اول من اسلم ولا تکونن من المشرکین۔ (الانعام : 14)

اے رسول تم یہ کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا ولی مان لوں جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اور وہی سب کو (روزی دیتا ہے اور کھانا) کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں (روزی دیتا اور کھانا) کھلاتا۔ اے رسول تم یہ کہہ دو کہ مجھے تو یہی حکم ہے' کہ میں حکم ماننے والوں اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں میں سب سے پہلا حکم ماننے والا اور اطاعت و فرمانبرداری کرنے والا ہوں اور مجھے یہ حکم ہے کہ تم ہرگز شرک نہ کرنا۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ لفظ "ولی" کثیرالمعنی لفظ ہے۔ جسے اصطلاح میں مشترک المعنی بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ کسی قول میں یا کسی فقرے میں یا کسی خطاب میں' قرآن میں ہو یا حدیث میں' کسی کثیرالمعنی لفظ یا مشترک المعنی لفظ کے صحیح معنی کا تعین کس طرح کیا جانا چاہئے۔ اور یہ بات کیسے معلوم ہو گی کہ اس کثیرالمعنی لفظ کے بہت سے معانی میں سے یہاں پر مخاطب کی مراد کون سا معنی ہے۔

قرآن کریم کی آیات کے صحیح معنی معلوم کرنے کے اصول

پہلا اصول : صحیح معنی معلوم کرنے کے لئے پہلا اصول یہ ہے کہ وہ لغت عرب کے مطابق ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"انا انزلنا قرانا عربیًا لعلکم تعقلون" (یوسف : 2)

یعنی ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ تم سمجھ سکو۔

دوسرا اصول: صحیح معنی معلوم کرنے کے لئے دوسرا اصول یہ ہے کہ قرآن کریم کی دوسری واضح آیات اس معنی کی مخالفت نہ کرتی ہوں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:۔

"افلا یتدبرون القرآن لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلا فا کثیراً" (النساء: 82)

یعنی یہ لوگ قرآن کے معنی میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس میں اختلاف کثیر ہوتا۔ پس صحیح معنی وہی ہو گا جس کی دوسری واضح آیات قرآن مخالف نہ ہوں بلکہ دوسری واضح آیات قرآن اس معنی کی تائید کرتی ہوں کیونکہ ایک حدیث صحیح کے مطابق قرآن کا بعض اس کے بعض کی تفسیر کرنے والا ہے۔

تیسرا اصول: صحیح معنی معلوم کرنے کے لئے تیسرا اصول یہ ہے کہ اس معنی سے جو مطلب حاصل ہو گا وہ مفید بامقصد اور قابل عمل ہو گا۔ اور اس معنی سے آیت کا مطلب بے ہودہ۔ بے فائدہ اور بے مقصد نہ ہو گا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"انہ لقول فصل وما ھو بالھزل" (الطارق: 14-13)

یعنی یہ قرآن بلاشک ایک فیصلہ کن، مفید اور بامقصد کلام ہے۔ اور یہ کوئی بے ہودہ، غیر مفید، بے مقصد یا ذٹل کلام نہیں ہے۔

چوتھا اصول: قرآن کریم کی آیات کے صحیح معنی معلوم کرنے کا چوتھا اصول یہ ہے کہ اس معنی سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت مجروح نہ ہوتی ہو۔ کیونکہ قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت کلام کی وجہ سے ہی معجزہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے اس کی فصاحت و بلاغت کے پیش نظر ہی تمام جن و انس کو اس جیسا کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔

"فاتو بسورۃ من مثلہ" (بقرہ: 23)

یعنی اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن جیسی ایک ہی سورۃ بنا کر پیش کرو۔ جو فصاحت و بلاغت میں اس کی ہم پلہ ہو۔

پس کثیر المعنی لفظ، یا مشترک المعنی لفظ کو فصاحت و بلاغت کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے، سیاق و سباق کلام اور قرینہ قریبہ اور قرینہ بعیدہ کے ذریعہ اس کو مختص بالمعنی کیا جائے گا اور فصاحت و بلاغت کلام کو مدنظر رکھ کر اس کے معنی کئے جائیں گے۔

پانچواں اصول: قرآن کریم کی آیات کا صحیح معنی معلوم کرنے کا پانچواں اصول یہ ہے کہ اس سلسلہ میں معصومین علیہم السلام کی صحیح احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ صحیح احادیث کی شرط اس لئے ہے کیونکہ احادیث میں مداخلت سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا اور خود آئمہ علیہم السلام نے اس بارے میں وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ایک باب ہی "اخذبالسنہ و شواھدالکتاب" کے عنوان سے مخصوص ہے جس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہم اس باب کی چند احادیث تبرکا ھدیہ قارئین کرتے ہیں۔

اخذبالسنہ و شواھدالکتاب

نمبر1: "سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول کل امر ردوا الی کتاب اللہ والسنہ وکل حدیث لا یوافق کتاب اللہ زخرف"۔

فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہر شے رد کردو کتاب اللہ اور سنت کی طرف اور ہر وہ حدیث جو موافق کتاب اللہ نہ ہو دروغ ہے۔

2: "عن ابی عبداللہ علیہ السلام ما لم یوافق الحدیث القرآن فھو زخرف"

فرمایا صادق آل محمد علیہم السلام نے جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ جھوٹ ہے۔

3: "خطب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ایھا الناس ما جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلہ وما جاءکم مخالف کتاب اللہ فلم اقلہ"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہے تو وہ میری ہے اور وہ میں نے بیان کی ہے اور جو حدیث مخالف کتاب خدا ہو تو وہ میری نہیں ہے اور وہ میں نے نہیں کی۔

ان صحیح و مستند احادیث سے ثابت ہوا کہ احادیث کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ خود ان کے نزدیک اگر وہ کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو وہ ان کی بیان کی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ جھوٹ اور غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

نقل احادیث میں صحت و سقم کے پرکھنے کا ایک اور معیار

احادیث کی صحت و سقم کے پرکھنے کے لئے جو معیار پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی جانب سے بیان ہوا ہے۔ وہ سادہ الفاظ میں یہ ہے' کہ جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہے وہ صحیح ہے' اور جو حدیث کتاب خدا کے موافق نہ ہو' وہ جھوٹی ہے۔ غلط ہے اور وہ انہوں نے نہیں کہی۔ یہ معیار سب سے مقدم اور یہ اصول سب سے اول ہے۔

لیکن اس کے علاوہ ایسی روایات بھی ہو سکتی ہیں جن کا تعلق واقعات و اخبار سے ہو۔ تو ایسی روایات کو پرکھنے کے لئے سرکار علامہ مرزا حسین نوری قدس سرہ نے اپنی کتاب لولوء والمرجان میں جو معیار پیش کیا ہے وہ لولوء والمرجان کے ترجمہ جواہر البیان کے ص 181 پر یوں بیان کیا ہے۔

"پس جاننا چاہئے کہ شخص ثقہ اکثر اوقات ایک چیز کو نقل کرتا ہے۔ لیکن دوسرے ثقات اس چیز کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کو نقل کرتا ہے وہ مذہب کے بعض قواعد و اصول کے منافی ہوتی ہے۔"

اس کی مثال میں سرکار علامہ قدس سرہ نے شاذان بن جبرئیل کی ایک روایت نقل کی ہے جو انہوں نے کتاب فضائل میں ولادت امیر المومنین کے واقعہ میں نقل کی ہے جو اس طرح ہے کہ :۔

"جب آپ کی ولادت با سعادت ہوئی تو حوا و مریم علیہما السلام اور ان کے علاوہ دو اور عورتیں حاضر ہوئیں۔ اور انہوں نے آپ کو معطر کیا۔ اور ایک پارچہ لپیٹا۔ پس جناب ابو طالب نے چاہا کہ عرب کی عادت کے مطابق اسی حالت میں ختنہ کریں۔ جس

طرح کہ وہ لوگ بچے کی کم سنی میں ہی ختنہ کرتے ہیں۔ پس ان عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ مولود پاک و پاکیزہ پیدا کیا گیا ہے" اور یہ مولود حرارت آہن صرف ایک ایسے آدمی کے ہاتھ سے چکھے گا جس کو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول اور آسمان و زمین پہاڑوں اور دریاؤں کے ملائکہ دشمن رکھتے ہوں گے۔ اور آتش جہنم اس کی مشتاق ہو گی۔ ابو طالب نے پوچھا وہ کون ہو گا۔ کہا ابن ملجم مرادی۔"

اس کے بعد مرزا حسین نوری نے تقریباً پندرہ روایات ایسی بیان فرمائی ہیں جن میں ایک جنگ میں حضرت امیر المومنین کے بدن مبارک پر 80 زخم تک آئے ہیں۔ اور اس تیر کے نکالنے کی روایت بھی بیان کی ہے جو حالت نماز میں امیر المومنین کے پاؤں سے کھینچا گیا تھا۔ اور اسی طرح مختلف روایات جن میں مختلف موقعوں پر زخموں کے آنے کا بیان ہے۔ بیان کرنے کے بعد ص 189 پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اور اس کے علاوہ اس خبر مذکورہ کے متن میں ایک بہت بڑا عیب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت کا تمام واقعہ اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی اعانت کے لئے ان خواتین معظمہ (حوا و مریم) وغیرہما کا تشریف لانا اور جناب کے تمام کرامات اور ان خواتین کے ساتھ جناب ابو طالب کا گفتگو کا کرنا مولف کتاب فضائل نے ان تمام باتوں کا جناب ابو طالب کے گھر ہونا نقل کیا ہے۔ اور یہ چیز بہت سی ان اخبار علماء اخیار کی نص، اور تمام اعصار میں جو مضامین و خطب اور اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں، جن سے یہ ثابت ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کعبہ معظمہ کے اندر ہوئی ہے، کے مخالف ہے۔ اور کعبہ کے اندر ولادت کا ہونا آنجناب کے خصائص میں سے ہے جو کہ انبیاء و اوصیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس فضیلت و خصوصیت میں آپ کا کوئی شریک ہے۔ اور بعید نہیں کہ یہ چیز ضروریات مذہب امامیہ میں سے ہے، جس کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں۔ اور جب اس روایت کی اصل ہی درست نہ ہوئی تو فرع کے لئے کوئی مقام باقی نہ رہا۔

اصل موضوع کی طرف رجوع

آیات قرآن اور مشترک المعنی الفاظ کے صحیح معنی متعین کرنے کا معیار معلوم کرنے کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ آیہ مجیدہ: "انما ولیکم اللہ...." میں لفظ ولی کا صحیح معنی کیا ہے۔ ہم لفظ ولی کے ان تمام معانی سے صرف نظر کرتے ہوئے جن کو کسی نے بھی اس آیت میں لفظ "ولی" کے لئے مراد نہیں لیا۔ صرف ان ہی معنوں میں غور کریں گے جو مختلف گروہوں نے اس آیت میں واقع لفظ ولی کے لئے مراد لئے ہیں اور وہ صرف تین ہیں۔

نمبر1: یہ کہ ولی کے معنی دوست ہیں۔

نمبر2: یہ کہ ولی کے معنی حاکم و فرمانروا ہیں۔

نمبر3: یہ کہ ولی کے معنی ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ہے جو تمام اختیارات ربوبی کا حامل ہے۔

اہل سنت اس آیت میں واقع لفظ ولی کا معنی دوست لیتے ہیں۔

شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ اس آیت میں واقع لفظ کا معنی مومنین کا حاکم و فرمانروا لیتے ہیں۔

اور مذہب شیخیہ کی دونوں شاخیں یعنی شیخیہ رکنیہ کرمان اور شیخیہ احقاقیہ کویت اس کے معنی و مراد، ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ لیتے ہیں جو ربوبیت کے تمام اختیارات کا حامل ہے۔ اور یہ دونوں شاخیں یہ عقیدہ شیخ احمد احسائی کی پیروی میں اختیار کرتی ہیں چونکہ اس نے شرح زیارت کے ص 214 پر یوں لکھا ہے کہ:-

"ھو شان الولایۃ فانہ مقام ربوبیہ"

(حضرت علی کا وہ مقام) وہ شان ولایت ہے، کیونکہ بلاشک وہ مقام ربوبیت ہے۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب تبصرۃ المھموم ص 84 تا 87 کا مطالعہ کریں۔

خداوند تعالیٰ کی ربوبیت کا بیان

خداوند تعالیٰ نے خلق و رزق' احیاء و اماتت' تدبیر امور اور ساری کائنات کا ادارہ کرنے کو اپنی ربوبیت سے متعلق قرار دیا ہے۔ چند آیات قرآن بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

نمبر1 : "قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار' ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون ذالکم اللہ ربکم الحق" (یونس:81)

ترجمہ :- اے میرے حبیب ان سے کہو کہ (بتلاؤ) آسمان سے اور زمین سے رزق کون دیتا ہے۔ اور کون ہے وہ جو سماعت اور بصارت کا مالک ہے۔ اور کون ہے وہ جو مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔ اور کون ہے وہ جو ساری کائنات کا تدبیر کرنے والا ہے پس وہ (کافر بھی) ضرور یہی جواب دیں گے کہ وہ تو اللہ ہی ہے۔ پس تم ان سے کہہ دو کہ پھر تم اللہ کا خوف کیوں نہیں کرتے۔ یہی اللہ تو تمہارا برحق رب ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ خدا کفار تک کے لئے اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ اگر کفار سے بھی یہ پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین سے تمہیں رزق کیوں دیتا ہے اور مذکورہ امور تکوینی کون ادارہ کرتا ہے تو وہ کافر بھی یہ جواب دیں گے کہ وہ تو اللہ ہی کرتا ہے۔ لیکن شیعہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کام علی کرتے ہیں۔

نمبر2: ایک دوسری آیت میں سورہ مومن میں ارشاد ہوتا ہے "اللہ الذی جعل لکم الارض قراراً والسماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقکم من الطیبت' ذالکم اللہ ربکم فتبرک اللہ رب العالمین" (المومن: 64)

ترجمہ :- اللہ ہی ہے وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو جائے قرار بنایا۔ اور آسمان کو چھت' اور تمہاری صورت گری کی' اور کتنی اچھی تمہاری صورت گری کی' اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ پس برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سارے دنیا جہاں کے لوگوں کا رب ہے۔

نمبر3: اور سورہ فاطر کی ایک آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے "یولج اللیل فی

النہا ر و یولج النہا ر فی اللیل و سخر الشمس والقمر کل یجری لا جل مسمی' ذا لکم اللہ ربکم" (الفاطر: 13)

ترجمہ :- وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اور سورج اور چاند اسی کے تابع فرمان ہیں ان میں سے ہر ایک مقررہ مدت تک کے لئے رواں دواں ہیں یہ (کام کرنے والا) اللہ ہی تمہارا رب ہے۔

نمبر 4: اور سورہ انعام کی ایک آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ "ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والا رض فی ستۃ ایا م ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہا ر یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات با مرہ الا لہ الخلق والا مر تبا رک اللہ رب اللعالمین۔" (الانعام: 54)

ترجمہ :- بیشک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (یا مراحل) میں خلق فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس کا حکم ان میں جاری ہو گیا (چنانچہ) وہ رات پر دن کو ڈھانپ دیتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے۔ سب اسی کے حکم کے تابع فرمان ہیں۔ خبردار ہو جاؤ کہ خلق کرنا اور حکم چلانا اسی کا کام ہے۔ بڑی برکتوں والا ہے وہ اللہ جو رب ہے سارے دنیا جہان کے لوگوں کا۔

مذکورہ چار آیات ہم نے صرف مثال کے طور پر پیش کی ہیں ورنہ ان کے علاوہ بھی قرآن کریم کی اور بہت سی آیات ایسی ہیں جو مذکورہ امور یعنی خلق و رزق' احیاء و اماتت ساری کائنات کا ادارہ کرنے اور تمام امور کی تدبیر کرنے کو خداوند تعالیٰ کی ربوبیت سے متعلق قرار دیتی ہیں' لیکن شیعہ احقاقیہ کویت ان ہی امور کو جو اس کی ربوبیت سے متعلق ہیں۔ حضرت علی کی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو وہ خود مقام ربوبیت قرار دیتے ہیں جیسا کہ بانی مذہب "شیعہ' شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت میں لکھا ہے کہ :۔

"ھو شا ن الولا یۃ فا نہ مقا م ربوبیۃ" (شرح زیارت ص: 214)

یعنی حضرت علی کی یہ شان' ولایت کی شان ہے کیونکہ بلاشبہ وہ مقام ربوبیت ہے۔

یعنی شیخ احمد احسائی نے ربوبیت کی مذکورہ صفات کو ولایت سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ مذکورہ امور کا تعلق امور تکوین یعنی خلق و رزق احیاء و اماتت اور ساری کائنات

کے ادارہ کرنے سے ہے، لہٰذا شیخیہ احقاقیہ کویت اس کو ولایت تکوینی سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ تعبیر مذہب شیخیہ کی خاص ایجاد ہے جس کا قرآن و حدیث کی کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہے اور اس بدعت کو سب سے پہلے مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی کے والد مرزا موسیٰ الاسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق میں باب نبوت میں اختیار کیا، اور نبوت کو دو قسموں میں تقسیم کیا نبوت تکوینی اور نبوت تشریعی اور پھر وحی کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا وحی تکوینی اور وحی تشریعی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"اعلم وفقک اللہ، ان النبوۃ الوساطۃ والترجمۃ عن اللہ تعالیٰ الی الغیر، وھی قسمان، تکوینیہ و تشریعیہ، فالاولیٰ ھی: الوساطۃ فی المتعلقات الایجاد والاختراع والامکان والاکوان والاعیان والثانیہ ھی: الوساطۃ فی جمیع الاعتقادات والتکالیف القلبیہ والبدنیہ والاحکام العلمیہ والعملیہ، والاخلاق والاداب والسیاسیات ونحوھا، وان شئت قلت ان کان التبلیغ، والاداء عن اللہ فی التشریعات فالوحی تشریعی وان کان التکوینیات فالوحی تکوینی۔"

(احقاق الحق المقالہ السادستہ ص 285)

یعنی معلوم ہونا چاہئے کہ نبوت اللہ کی طرف سے دوسروں کی طرف وساطت کا نام ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک نبوت تکوینی، اور دوسرے نبوت تشریعی۔

پہلی نبوت تکوینی، جو خلق و ایجاد و امکان و اکوان و اعیان کے لئے ہوتی ہے تو وہ ان امور میں خدا کی طرف سے واسطہ ہے اور دوسری نبوت تشریعی جو تمام اعتقادات قلبی و بدنی تکالیف اور علمی و عملی احکام، اخلاق و آداب و سیاست اور اسی قسم کی دوسری تمام چیزوں کے لئے واسطہ ہے۔ جسے میں یوں کہوں گا کہ اگر اللہ کی طرف سے تبلیغ احکام شریعت کے ادا کرنے کی ضرورت ہو تو شریعت کی وحی ہوتی ہے، اور اگر تکوینیات سے متعلق کام ہوں تو تکوینی وحی ہوتی ہے۔

یہ اختراع شیخیہ احقاقیہ کویت کی طرف سے شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے علل اربعہ کی علت فاعلی کو درست کرنے کے لئے ہے لیکن عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کبھی وہ یہ

کہتے ہیں کہ خدا کے کام بغیر اسباب کے جاری نہیں ہوتے، اور یہ سبب اعظم ہیں کبھی کہتے ہیں کہ جب فرشتے یہ کام کرتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتے۔ کبھی قرآن کریم کی آیات کے معنی اپنے عقیدے کے مطابق کر کے ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ثابت کرتے ہیں چنانچہ ان آیات میں سے ایک آیت "انما ولیکم اللّٰہ" ہے جو اس کتاب کی تمہید میں نقل کی گئی ہے۔

لہٰذا آیئے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں فی الحقیقت ولی کے کیا معنی ہیں، یعنی کیا اس سے مراد دوست ہے جو اہل سنت مراد لیتے ہیں یا اس سے مراد اہل ایمان کا حاکم و فرمانروا ہے جو شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ مراد لیتے ہیں۔ یا اس سے مراد ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ہے جو مقام ربوبیت ہے اور جسے شیخیہ احقاقیہ کویت مراد لیتے ہیں۔

آیہ مجیدہ انما ولیکم کا سیاق و سباق

چونکہ لفظ ولی کثیر المعنی اور مشترک المعنی لفظ ہے لہٰذا اس کا صحیح معنی معلوم کرنے کے لئے سیاق و سباق کلام اور قرینہ قریبہ اور قرینہ بعیدہ کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ بنابریں ہم سب سے پہلے آیہ مجید "انما ولیکم اللہ...." سے پہلی آیت اور آیہ مجید "انما ولیکم اللہ..." سے بعد والی آیت کو اس کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں اور یہ سورۂ مائدہ میں آیت نمبر 54-55-56 ہیں جو اس طرح ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا، من یرتد منکم عن دینہ، فسوف یاتی اللہ بقوم، یحبھم و یحبونہ، اذلۃ علی المومنین، اعزۃ علی الکافرین، یجاھدون فی سبیل اللہ، و لا یخافون لومۃ لائم، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، واللہ واسع علیم 54

انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلواۃ و یوتون الزکواۃ و ھم راکعون۔ 55

و من یتول اللہ و رسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ 56

اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا۔ یہ آخری فریضہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) پر نازل فرمایا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ خود مرزا عبدالرسول احقاقی کی نقل کے مطابق، امام جعفر صادق علیہ السلام نے تو یہ فرمایا تھا کہ "امیرالمومنین را بہ ولایت مسلمانان برگزید۔"

یعنی امیر المومنین کو مسلمانوں کا (ولی) حاکم و فرمانروا بنایا۔ لیکن مرزا عبدالرسول احقاقی خود اپنی طرف سے یہ کہتے ہیں کہ "ولایت کلیہ و مطلقہ مولا امیر المومنین علی بن ابی طالب (ع) را بہ امر الہی یہ جمیع مسلمین ابلاغ فرمود۔"

(ولایت ازدیدگاہ قرآن ص 54)

یعنی پیغمبرؐ نے مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالب (ع) کی ولایت کلیہ و مطلقہ کی خدا کے حکم سے تمام مسلمانوں کے سامنے تبلیغ فرمائی۔

ولایت مسلمانان کہاں، اور ولایت کلیہ و مطلقہ کہاں بہرحال مرزا عبدالرسول احقاقی کے انحرافی معنی سے قطع نظر مذکورہ بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ مذکورہ آیت غدیر خم میں مسلمانوں پر ولایت علی کے اعلان کے بعد نازل ہوئی اور بالاتفاق روز غدیر 18 ذوالحجہ 10ھ تھا۔

اور شیعہ علماء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ پیغمبر اکرم (ص) نے 28 صفر 11ھ کو وفات پائی۔ اور اہل سنت نے یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک مختلف تاریخیں لکھی ہیں۔ لیکن اہل سنت کے اکثر علماء کا بھی 12 ربیع الاول 11ھ پر اتفاق ہے۔ اس طرح پیغمبر اکرم (ص) اعلان غدیر کے بعد شیعہ علماء کے اتفاق کے مطابق صرف 70 دن اور زندہ رہے، اور اہل سنت کے اتفاق کے مطابق زیادہ سے زیادہ 83 دن زندہ رہے۔ جب کہ 8ھ میں فتح مکہ اور جنگ حنین کے بعد تقریباً تمام جزیرہ نمائے عرب میں اسلام پھیل چکا تھا اور یہود و نصاریٰ جزیہ قبول کر کے حکومت اسلامی کو تسلیم کر چکے تھے۔

پس اس سورہ کے نزول کے وقت تمام جزیرہ نمائے عرب تقریباً اسلام میں داخل ہو چکا تھا اور انتہائی جنوب میں یمن تک کے لوگ بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔

مذکورہ آیت کے مخاطب کون ہیں؟

سورہ مائدہ کی آیت نمبر 54 یا ایھا الذین آمنوا سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بات میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 54-55-56 کے مخاطب جزیرہ نمائے عرب کے بسنے والے وہ تمام لوگ ہیں جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ لہٰذا ان آیات میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ جزیرہ نمائے عرب کے ان تمام باشندوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے جو مسلمان ہو چکے تھے اور دائرہ ایمان و اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کفار و مشرکین ان آیات کے مخاطب نہیں ہیں۔

مذکورہ آیات میں ایک پیش گوئی کی گئی ہے

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 54 یا ایھا الذین آمنوا .... کہ کر جزیرہ نمائے عرب کے ان تمام باشندوں کو جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہی ہے کہ :-

یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم....

یعنی اے ایمان لانے والو جو آج 10ھ کے آخر تک ایمان لا چکے ہو تم میں جو بھی کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہو گا) اللہ آگے چل کر ایک اور قوم کو لے آئے گا (جو اس دین کو اختیار کرے گی)

قرآن کریم کی یہ آیت دراصل ایک پیش گوئی ہے کہ آگے چل کر ایک قوم من حیث القوم اس دین میں داخل ہو گی اور مخاطب قوم اس دین سے نکل جائے گی۔ کون سا دین جس کی تکمیل کا اعلان کیا گیا اور جسے اس نے یا ایھا الذین آمنوا کے بعد "عن دینہ" یعنی اس قوم کا دین کہا ہے "دینہ" کی (ہا) کی ضمیر کا مرجع یا ایھا الذین آمنوا ہے۔

ایک اور آیت میں بھی خداوند تعالیٰ نے اسی مضمون کو دہرایا ہے۔ چنانچہ سورۂ محمد

کی آخری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم (محمد: 38)

اور اگر تم روگردان ہو جاؤ گے تو خدا تمہارے بدلے اور قوم کو لے آئے گا۔ اور وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ آپ نے حضرت سلمان فارسی ؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اس کی قوم"

اور فرمایا خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔ تفسیر عثمانی ص 662 اور صحیح بخاری میں بھی سورہ جمعہ کی آیت۔

قوله: و آخرین منهم لما یلعقوا بهم

کی تفسیر میں یوں لکھا ہے۔

"عن ابی هریره رضی الله عنه قال کنا جلوسا عند النبی صلی الله علیه وسلم فانزلت علیه سورة الجمعه: "و آخرین منهم لما یلحقوا بهم" قال قلت منهم یا رسول الله۔ فلم یراجع حتی سال ثلاثا و فینا سلمان الفارسی وضع رسول الله صلی الله علیه وسلم یده علیٰ سلمان ثم قال لو کان ایمان عند الشریا لناله رجال او رجل من هولاء۔

(صحیح بخاری باب 836 حدیث 2005)

یعنی ابوھریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میں نے تین بار پوچھا اور ہم میں سلمان فارسی بھی موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان پر رکھا۔ پھر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے قریب ہوتا تو بھی اس کے کچھ لوگ یا فرمایا ان میں سے کوئی شخص اسے پالیتا۔ مذکورہ احادیث اہل سنت کی تفسیر عثمانی اور اہل

سنت کی حدیث کی کتاب صحیح بخاری سے نقل کی گئی ہیں۔

اہل تشیع کی تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں بھی اس قوم کے بارے میں یہی مضمون بیان ہوا ہے چنانچہ سورۂ محمد کی اس آخری آیت نمبر 38 "یستبدل قومًا غیرکم" کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح ہے۔

تفسیر صافی میں ہے۔ دوسرے لوگوں کو تمہارے قائم مقام کر دے گا تفسیر قمی میں ہے اور اوروں کو اس امر میں داخل کر دے گا اور تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے گروہ عرب اگر تم روگردان ہو جاؤ گے تو خدا تعالیٰ تمہارے بدلے اور لوگوں کو لے آئے گا یعنی مفتوحہ قوموں میں سے۔ اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ اللہ مفتوحہ قوموں میں سے ان سے بہتر ان کے بدلے میں لے آیا۔

اور تفسیر مجمع البیان میں ہی یہ بھی روایت ہے کہ جناب رسول خدا کے اصحاب میں سے بعض نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اس وقت سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے تھے حضرت نے اپنا دست مبارک سلمانؓ کی ران پر مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ اور اسی کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا میں بھی ہو گا تو فارس سے کچھ لوگ اس کو اتار لائیں گے۔

پس آیہ مجیدہ "من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم...." میں ایک قوم کے من حیث القوم دین سے نکل جانے کی پیش گوئی ہے' اور آگے چل کر ایک اور قوم کے من حیث القوم اس دین میں داخل ہونے کی پیش گوئی ہے۔

لیکن یہ مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ آیہ مجیدہ "من یرتد منکم عن دینہ" میں دینہ یعنی اس کا دین کا مطلب نہ سمجھیں۔ اور اسی طرح آیہ تکمیل دین "الیوم اکملت لکم دینکم" میں "دینکم" یعنی تمہارا دین کا مطلب نہ سمجھ لیں۔ پس اس مطلب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ دین کسے کہتے ہیں۔

لغت میں دین کا معنیٰ و مفہوم

راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں کہ :۔

"الدین" کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں اور بطور استعارہ دین بمعنی شریعت بھی آتا ہے اور دین ملت کی طرح ہے۔ لیکن شریعت کی طاعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے اسے دین کہا جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی دین انہیں دونوں معنوں میں آیا ہے ایک "اطاعت" اور دوسرے "جزا" چند آیات جن میں دین جزا کے معنی میں آیا ہے بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

نمبر1: مالک یوم الدین (الحمد:3)

وہ (خدا) روز جزا کا مالک ہے۔

نمبر2: وقالوا یا ویلنا ھذا یوم الدین (والصفت:21)

وہ کہیں گے ہائے خرابی ہماری یہ تو جزا کا دن ہے۔

نمبر3: یسئلون ایان یوم الدین (الذاریات:12)

وہ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جزا کا دن کب آئے گا۔

مذکورہ آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات قرآن کریم میں آئی ہیں جن میں "دین" کا لفظ جزا کے معنی دیتا ہے۔

ان آیات کو نقل کرنے کے بعد اب ہم ان آیات کو نقل کرتے ہیں جن میں دین اطاعت کے معنی دیتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

نمبر1: قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصا لہ الدین وامرت ان اکون اول المسلمین (الزمر:11-12)

اے میرے حبیب ان سے کہہ دو کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں پورے خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں۔ کیونکہ اطاعت تو بس اسی کے لئے سزاوار ہے۔ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں میں سب سے پہلا اطاعت گذار اور فرمانبردار ہوں۔

نمبر2: ولہ ما فی السموات والا رض ولہ الدین وا صبا افغیر اللہ تتقون (النحل: 52)

یعنی زمینوں اور آسمانوں کا مالک وہی ہے۔ اور اسی کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری کرو گے۔

نمبر3: کذا لک کدنا لیوسف ما کا ن لیا خذ اخا ہ فی دین الملک الا ا ن یشا ء اللہ (یوسف: 76)

ہم نے اس طرح یوسف کو ایک تدبیر بتا دی ورنہ بادشاہ مصر کے دین (قانون حکومت) کے مطابق وہ اپنے بھائی کر ہرگز (مصر میں روک کر) نہیں رکھ سکتا تھا مگر جو کچھ خدا چاہئے۔

چونکہ دین اطاعت کے معنی دیتا ہے۔ اور قانون ملکی بھی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور قانون شریعت کو بھی اسی لئے دین کہا جاتا ہے کیونکہ قانون شریعت بھی اطاعت ہی کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا جس کی اطاعت کی جائے وہ اسی کا دین کہلاتا ہے اسی لئے مذکورہ آیت میں "دین الملک" بادشاہ کا دین کہا گیا ہے۔

جس کی اطاعت اسی کا دین

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کی اطاعت کرتا ہے وہ اسی کے دین پر کہلاتا ہے مثلاً:۔

نمبر1: سورۂ کافرون میں ارشاد ہوتا ہے۔

لکم دینکم ولی دین (الکافرون: 6)

تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین

نمبر2: ورا یت النا س یدخلون فی دین اللہ افوا جًا (النصر: 2)

(اور فتح مکہ کے دن) تم نے دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

نمبر3: ھو الذی ا رسل رسولہ با لھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و

لو کرہ المشرکون (الصف: 9)

وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے۔

نمبر 4: و من یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین (آل عمران: 85)

اور جو کوئی اسلام کے علاوہ اور کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارے میں رہے گا۔

نمبر 5: و من احسن دینًا ممن اسلم وجھہ للہ و ھو محسن وا تبع ملۃ ابراھیم حنیفا (النساء: 125)

اور اس سے اچھا دین اور کس کا ہو گا جس نے سراسر اطاعت خداوندی میں اپنا سر تسلیم خم کر دیا ہو' اور وہ نیکوکار ہو اور ایک طرف ہو کر ملت ابراہیم کا پیرو بن گیا ہو۔

نمبر 6: الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم وا خشونی (المائدہ: 3)

آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں اب تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔

نمبر 7: الیوم اکملت لکم دینکم وا تممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا (المائدہ: 3)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کیا۔

نمبر 8: قل اننی ھدانی ربی الٰی صراط مستقیم دینا قیما ملت ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین (الانعام: 161)

اے پیغمبر تم کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے جو سیدھا اور مستحکم دین ہے ہر طرف سے رخ موڑنے والے ابراہیم کی ملت' اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

نمبر 9: و لا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا

(البقرہ: 217)

اے ایمان والو۔ یہ کافر تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پلٹا دیں۔

نمبر 10: افغیر دین اللہ یبغون و لہ اسلم من فی السموات و الارض طوعا و کرھا و الیہ یرجعون (آل عمران: 83)

وہ اللہ کے دین کے سوا اور کس دین کے طلبگار ہیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً اسی کا مطیع ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں، جو ہم نے مثال کے طور پر پیش کی ہیں اور ان کے علاوہ اور دوسری بہت سی آیات میں مختلف ضمیروں کے ساتھ مضاف ہو کر دین کا لفظ آیا ہے مثلاً:۔

نمبر 1: "دینکم" تمہارا دین

نمبر 2: "دین الملک" بادشاہ کا دین

نمبر 3: "دینہ" اس کا دین

نمبر 4: "دینی" میرا دین

نمبر 5: "ولی دین" میرے لئے میرا دین

نمبر 6: "دینا قیما" محکم دین

نمبر 7: "دین الحق" سچا دین

نمبر 8: "احسن دینا" از روئے دین سب سے اچھا

نمبر 9: "دین اللہ" اللہ کا دین

نمبر 10: "غیر الاسلام دینا" اسلام کے سوا اور کوئی دوسرا دین

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ دین ایک نہیں ہے بلکہ جو شخص جس کی اطاعت کرے وہ اس کے دین پر ہے۔ اگر اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ کے دین پر ہے۔ اور اگر اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت کرتا ہے، تو وہ اس کے دین پر ہے۔ اسی لئے اس نے کہا افغیر دین اللہ یبغون۔ کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں یا

اللہ کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس نے اپنی اطاعت کو کہیں "دین اللّٰہ" یعنی اللہ کا دین کہا کہیں "احسن دینا" از روئے دین سب سے اچھا کہا۔

کہیں "دینا قیما" محکم دین کہا۔

کہیں "دین الحق" سچا دین کہا۔ اور کہیں "ان الدین عند اللّٰہ الاسلام" کہا۔ یعنی بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

لغت میں دین کے معنی بھی اطاعت کے ہیں اور اسلام کے معنی بھی اطاعت کے ہیں۔ لیکن دین تو کسی کی بھی اطاعت کی جائے وہ اس کا دین ہے۔ اگر طاغوت کی اطاعت کی جائے تو وہ اس کا دین ہے اگر بادشاہ کی اطاعت کی جائے تو وہ "دین الملک" یعنی بادشاہ کا دین ہے۔ لیکن اسلام اور اس کے تمام مشتقات صرف اور صرف اللہ کی اطاعت کے معنی دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں اس کو مختلف الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

لغت اور قرآن میں اسلام کے معنی

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں اسلام کے معنی یوں تحریر فرماتے ہیں :-

"الاسلام" اس کے اصل معنی سلم (صلح) میں داخل ہونے کے ہیں اور صلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین باہم ایک دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچنے سے بے خوف ہو جائیں۔ شرعاً اسلام کی دو قسمیں ہیں۔ کوئی انسان محض زبان سے اسلام کا اقرار کرے دل سے معتقد ہو یا نہ ہو۔ اس سے انسان کا جان و مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے مگر اس کا درجہ ایمان سے کم ہے۔ اور آیت "قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولاکن قولوا اسلمنا" (14-49) یعنی دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو اسلام لائے ہیں۔ اسلمنا سے یہی معنی مراد ہیں۔

دوسرا درجہ اسلام کا وہ ہے جو ایمان سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ دلی اعتقاد بھی ہو اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا کرے مزید

بر آں یہ کہ ہر طرح سے قضا و قدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، جیسا کہ آیت "اذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین" (2-131)

جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں، میں حضرت ابراہیم کے متعلق مذکور ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سامنے ہر طرح سے سر تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔

ایک اور آیت میں آیا ہے "یحکم بہا النبیون الذین اسلموا" (5-44)

اسی توریت کے مطابق انبیاء جو خدا کے فرمانبردار تھے حکم دیتے رہے ہیں۔

راغب اصفہانی کی مذکورہ مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اس بارے میں قابل غور ہیں مثلاً ایک آیت میں آیا ہے۔

"قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراہیم واسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔" (آل عمران: 84)

اے پیغمبر تم ان سے کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اس پر اور جو کچھ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و اسباط (اولاد یعقوب) پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملا ہے اس سب پر ایمان لائے ہیں ہم ان تمام انبیاء اور رسولوں میں (بحیثیت نبی و رسول ہونے کے) کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ ہی) کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہیں۔

اور سورہ بقرہ کی ایک آیت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے "قولوا آمنا باللہ و ما انزل الینا و ما انزل الیٰ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" (البقرہ: 136)

اے مسلمانو! تم یہ کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا ہے

اس پر اور جو کچھ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و اسباط (یعنی اولاد یعقوب) کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا اور جو جو کچھ دوسرے تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہے ہم اس سب پر ایمان لائے ہیں۔ ہم ان انبیاء اور رسولوں میں سے (بحیثیت نبی و رسول ہونے کے) کسی میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہیں۔

مذکورہ دونوں آیات میں جہاں مسلمون کے معنی واضح کئے گئے ہیں وہاں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ تمام رسولوں کا وظیفہ ایک ہی تھا اور ان میں بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے کوئی فرق نہیں تھا۔

بہرحال سورہ بقرہ ہی کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک" (البقرہ: 128)

ابراہیم نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (باپ بیٹے یعنی ابراہیم و اسمٰعیل) کو اپنا فرمانبردار اور اطاعت شعار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی ذریت میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار اور اطاعت شعار بنائے رکھنا۔

غرض قرآن کریم میں "الاسلام" کے جتنے بھی مشتقات مثلاً "اسلم"۔ "اسلم"۔ "مسلمین"۔ "مسلمین" اور "اسلموا" وغیرہ آئے ہیں ان کا مطلب و معنی و مفہوم و مراد خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہے۔

اور دین میں' کہ اس کے معنی بھی اطاعت کے ہیں' اور "الاسلام" میں کہ اس کے معنی بھی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں' یہی فرق ہے' کہ دین تو جس کی بھی اطاعت کی جائے دین ہے لیکن اسلام صرف خداوند تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کی اطاعت کے سوا اور کسی کی بھی اطاعت کا نام اسلام نہیں ہے' یعنی کسی کی بھی اطاعت کا نام دین تو ہے' لیکن وہ اسلام نہیں ہے۔

پس یہاں تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ خداوند تعالیٰ کی اطاعت کا نام اسلام ہے۔

اللہ کی اطاعت کس طرح ہو گی

اب غور طلب بات یہ ہے کہ انسان دکھائی نہ دینے والے خدا کی اطاعت کیسے کرے۔ تو قرآن کریم ہمیں بتلاتا ہے کہ اس دکھائی نہ دینے والے خدا نے عالم ارواح میں ہی تمام ارواح بنی آدم کو یہ بتلا دیا تھا کہ انہوں نے خدا کی اطاعت کس طرح کرنی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"یا بنی آدم اما یا تینکم رسل منکم یقصون علیکم آیا تی فمن ا تقی وا صلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (الاعراف: 35)

اے آدم کی اولاد تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں گے جو میری آیات تم سے بیان کریں گے اور میرے احکام تم تک پہنچائیں گے۔ پس جو کوئی (میری معصیت سے) ڈرتا رہے گا (اور میرا اور میرے رسولوں کا اطاعت شعار اور فرمانبردار رہے گا) اور نیک اعمال بجالائے گا تو اسے نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہو گا۔

* پس رسولوں کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے' جسے خداوند تعالیٰ نے سورہ النساء میں واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

"من یطع الرسول فقدا طا ع ا للہ" (النساء: 80)

جس نے رسول کی اطاعت کی وہ خدا ہی کی اطاعت ہے۔

چنانچہ خداوند تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے ان میں سے ہر ایک کی اطاعت کو اس نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور اس مطلب کو بھی اس نے سورہ النساء میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"وما ا رسلنا من رسول الا لیطا ع با ذن ا للہ" (النساء: 64)

یعنی ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی خدا کے حکم سے اطاعت کی جائے۔

اور اسی لئے خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ جہاں بھی اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔ اور قرآن کریم میں ایک بھی آیت

ایسی نہیں ہے، جس میں اہل ایمان کو صرف اور صرف خدا کی اطاعت کا حکم دیا ہو، مثلاً :-

نمبر1: سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین۔" (آل عمران: 32)

اے رسول کہہ دو کہ تم اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو بلاشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

نمبر2: سورہ آل عمران میں ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون۔" (آل عمران: 132)

اور اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نمبر3: اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔" (المائدہ: 92)

یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اس کی مخالفت اور نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ میرے رسول کے ذمہ تو میرے احکام کا تم تک پہنچا دینا ہے۔

نمبر4: اور سورہ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے۔

"واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین الانفال" (الانفال: 1)

یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

نمبر5: اور سورہ الانفال میں ہی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون" (الانفال: 20)

یعنی اے ایمان لانے والو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو جب کہ تم اس کا حکم سن رہے ہو۔

نمبر6: اور سورہ محمد کی ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔

(محمد: 33)

یعنی اے ایمان لانے والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

نمبر 7: اور سورہ الحجرات کی ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئًا ان اللہ غفور رحیم۔

(الحجرات: 14)

یعنی اگر تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نمبر 8: اور سورہ النور کی ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔

(النور: 54)

یعنی اے میرے حبیب تم سب ایمان لانے والوں سے یہ کہہ دو کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو (نقصان تمہارا ہی ہے کیونکہ) یقیناً اس کے ذمہ تو وہی ہے جو بوجھ اس نے اٹھایا ہے (اور وہ تمہیں میرا حکم سنا دیتا ہے) اور تمہارے ذمہ وہی ہے جس کا بوجھ تم نے اٹھایا ہے (اور وہ اطاعت ہے) پس اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مذکورہ آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں ایک بھی آیت ایسی نہیں ہے جس میں صرف اکیلے اللہ کی اطاعت کرنے کے لئے کہا گیا ہو۔ البتہ چونکہ خدا نے یہ فرمایا ہے کہ رسول کی اطاعت خود اللہ ہی کی اطاعت ہے لہٰذا قرآن کریم میں کئی آیات ایسی آئی ہیں جن میں صرف اکیلے رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے چنانچہ ایک تو یہی آیت ہے جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "ان تطیعوہ تھتدوا"

یعنی اگر تم اس کی یعنی رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں کہا کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ دوسرے اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ خدا کسی انسان کی اطاعت کا حکم بلا وجہ نہیں دیتا' چونکہ رسول کی اطاعت میں انسان کی ہدایت مطلوب ہے' لہٰذا خدا نے تمام انسانوں کو رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

اور اس آیت میں "فانما علیہ ما حمل" کہہ کر اس ذمہ داری کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے جو رسول کے ذمہ ہے اور "انما" کے حصر کے ذریعہ یہ بھی بتا دیا کہ رسول کا وظیفہ۔ رسول کا فریضہ اور رسول کی ذمہ داری جس کا بوجھ رسول نے اٹھایا ہے وہ صرف میرے احکام کا لوگوں تک پہنچا دیتا ہے زبردستی منوانا نہیں ہے۔ "وما علی الرسول الا البلاغ المبین" اور "علیکم ما حملتم" کے ذریعہ یہ بتا دیا' کہ انسانوں نے جو بوجھ اٹھایا ہے' وہ حریت و آزادی کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار سے رسولوں کی اطاعت کرنے کا بوجھ ہے۔ اور یہ بوجھ انسان نے اس لئے اٹھایا ہے تا کہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا۔ "ان تطیعوہ تھتدو" اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اور اسی طرح ایک جگہ سورہ الانفال کی آیت نمبر20 میں صرف اکیلے رسول سے روگردانی کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

"ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون" (الانفال:20)

یعنی تم اس (رسول) سے روگردانی نہ کرنا جبکہ تم اس کا حکم سن رہے ہو۔

اور اسی طرح سورۃ النور کی ایک آیت میں بھی اکیلے رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے اور اس کے ساتھ خدا کی اطاعت کا حکم نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:۔

"واقیموا الصلواۃ و آتوا الزکواۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون" (النور :56)

یعنی (اے ایمان والو تم) نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں بھی اکیلے رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور اس کے ساتھ خدا کی

اطاعت کا حکم بیان نہیں ہوا۔

کیونکہ اسی نے سورہ النساء کی آیت نمبر 80 میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ رسول کی اطاعت خدا ہی کی اطاعت اور رسول کا ہر حکم خدا کا حکم ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ہر جگہ "اطیعوا اللہ والرسول" میں "واو" تفسیری ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور چونکہ اللہ کی اطاعت اس کے رسول کی اطاعت ہے لہٰذا اللہ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور صرف اللہ کی اطاعت کا نام "الاسلام" ہے اور یہی اللہ کا دین ہے۔ لہٰذا ظاہری اعتبار سے رسول کی اطاعت کا نام "الاسلام" ہے۔ اور رسول کی اطاعت ہی وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنا دین کہا ہے۔ اور یہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کا دین ہے۔ اسی لئے کبھی اہل ایمان کی طرف مضاف کر کے اسے "دینہ" (یعنی اس کا دین کہا) اور کبھی خود اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے ان کی طرف مضاف کر کے "دینکم" (یعنی اہل ایمان تمہارا دین) کہا۔

اس دین میں کیا کمی تھی

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ دین کامل کیسے ہوا؟ اور اگر یہ اب کامل ہوا ہے تو اس میں کمی کیا تھی؟

یہ بات ذرا سا غور کرنے سے سمجھ میں آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ پیغمبر اپنے آخر زمانے میں اپنی موت کی خبر دے چکے تھے اور خود خداوند تعالیٰ نے بھی بالفاظ واضح پیغمبر کی موت کی قرآن میں بایں الفاظ اطلاع دیدی تھی کہ :۔

"انک میت وانھم میتون" (الزمر:30)

یعنی اے رسول یقیناً بلاشک تم نے بھی ضرور مرنا ہے اور وہ (کافر) بھی یقیناً موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ کفار یہ بات اچھی طرح سے سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک بھی اصل دین اور اصل اسلام پیغمبر کی اطاعت کا نام تھا' لہٰذا وہ بہت خوش تھے'

اور وہ اس امید میں تھے، اور یہ آس لگائے بیٹھے تھے، کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد یہ دین ختم ہو جائے گا۔ چونکہ دین اور اسلام پیغمبر ہی کی اطاعت کا نام ہے، لہٰذا پیغمبر کے مرنے کے بعد نہ یہ دین رہے گا نہ اسلام باقی رہے گا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خدا کا یہ وعدہ ہے کہ ایک دن یہ دین تمام دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے کہ:

"ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" (التوبہ: 33)

یعنی وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا اور آپ خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" (الاحزاب: 40)

یعنی آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

اور بہت سی احادیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "لا نبی بعدی" میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور یقیناً ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب قیامت تک آپ ہی کی نبوت چلے گی اور آپ ہی کی اطاعت کی جائے گی اور آپ کا ہر حکم مانا جائے گا۔

آنحضرت کی رحلت کے بعد آپ کی اطاعت کیسے ہو گی؟

اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب آپ کا رحلت فرما جانا مقدر ہو چکا ہے تو آپ کی رحلت کے بعد آپ کی اطاعت کیسے ہو گی؟ اور آپ کا وہ حکم جو خدا کا حکم سمجھا جاتا تھا وہ آپ اپنی رحلت کے بعد کیسے دیں گے؟ حتماً و یقیناً آنحضرت کی یہ اطاعت صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے، کہ جس طرح خدا کی اطاعت کے لئے ظاہر میں پیغمبر

سامنے موجود تھے' اور ان کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت قرار دیا تھا' اسی طرح پیغمبر کے پردے میں چلے جانے کے بعد' کوئی ایسی ہستی موجود ہو' جو زندہ و موجود ہو' اور اس کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت سمجھی جائے' پس دین میں یہ کمی تھی' کہ ابھی تک اس ہستی کا اعلان نہیں ہوا تھا' جس کی اطاعت مثل پیغمبر کی اطاعت کے ہو' اور جس کی نافرمانی مثل پیغمبر کی نافرمانی کے ہو' کیونکہ اب خدا کی اطاعت ظاہری طور پر صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ پیغمبر کے بعد ان کے جانشین' اور نائب کے طور پر' کسی ایسی ہستی کا تقرر ہو جائے جس کی اطاعت رسول کی اطاعت ہو' اور جس کی نافرمانی رسول کی نافرمانی ہو' اسی طرح جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے' اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے' لہٰذا پہلے تو پیغمبر نے مختلف اوقات میں اور مختلف موقعوں پر اس ہستی کا تعارف کرایا جس کی اطاعت مثل پیغمبر کی اطاعت کے ہوگی اور جس کی نافرمانی مثل پیغمبر کی نافرمانی کے ہوگی۔ چنانچہ تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ جس ہستی کا تعارف پیغمبر نے اس حیثیت سے کرایا کہ اس کی اطاعت میری اطاعت ہے اور جس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے وہ حضرت علی ابن ابی طالب کی ذات گرامی ہے۔ جب کہ بہت سے علماء و محدثین اہل سنت نے بھی اس مضمون پر مشتمل احادیث کو بیان کیا ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

نمبر1: "عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی علیہ و آلہ وسلم لعلی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصا اللہ و من اطاعک فقد اطاعنی و من عصاک فقد عصانی"

(مستدرک حاکم الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص 131- 128)

(محب الدین طبری ریاض النظرہ الجزء الثانی الباب الرابع فصل السادس ص 167)

(کنزل العمال جزء 6 ص 156 حدیث 259)

ترجمہ: حضرت ابی ذر سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی ابن طالب علیہ السلام سے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی' اس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور (اے علی)

جس نے تیری اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے تیری نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

نمبر2: ایک اور حدیث میں حضرت ابی ذر سے ہی روایت ہے کہ :-

"عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصیٰ اللہ و من اطاع علیا فقد اطاعنی و من عصاہ فقد عصانی" (ارجح المطالب ص 512)

ترجمہ : حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

نمبر3: ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے۔

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ قد فرض علیکم طاعتی و نہاکم عن معصیتی و فرض علیکم طاعۃ علی بعدی و نہاکم عن معیصتہ و ھو وصی و وارثی و ھو منی و انا منہ حبہ ایمان و بغضہ کفر محبہ محبی و مبغضہ مبغضی و ھو مولیٰ من انا مولاہ، و انا مولیٰ کل مسلم و مسلمۃ و انا و ھوا ابوا ھذہ الا مۃ"

(ینابیع المودۃ جزء الاول باب 41 ص 143)
(محب الدین طبری ریاض النظرہ جزء 2 باب 4)
(فصل 6 ص 172 ارجح المطالب باب 4)
(ص 595 بحوالہ البلاغ المبین ص 357)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یقیناً بلا شک خدا نے تمہارے اوپر میری اطاعت کو فرض کر دیا ہے اور میری نافرمانی کرنے سے تمہیں منع کیا ہے اور میرے بعد علی کی اطاعت کو تمہارے اوپر فرض قرار دیا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے تمہیں منع کر دیا ہے اور وہ میرا وصی ہے، اور میرا وارث ہے، وہ مجھ سے ہے، اور میں اس سے ہوں، اس کی محبت ایمان ہے، اور اس سے بغض رکھنا کفر ہے، اس کا محب میرا

محب ہے، اس سے بغض رکھنے والا مجھ سے بغض رکھنے والا ہے، اور وہ آقا و مولیٰ و حاکم ہے ان سب کا، جن کا میں آقا و مولیٰ و حاکم ہوں، اور میں ہر مسلمان مرد، اور ہر مسلمان عورت کا مولا و آقا و حاکم ہوں۔ اور میں اور وہ (علیؑ) دونوں اس امت کے باپ ہیں۔ یعنی جیسا کہ میرا احترام بمنزلہ باپ کے فرض ہے ایسا ہی احترام علی کا بمزلہ باپ کے فرض ہے۔

ان تمام احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح بن دیکھے خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ذریعہ ہوتی ہے اسی طرح پیغمبر کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے اور امت کی نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد پیغمبر کی اطاعت علی کی اطاعت کے ذریعہ ہو گی۔ اور اس طرح علیؑ اور ان کے جانشینوں کے ذریعہ پیغمبر اکرم کی اطاعت کا بندوبست کر دیا گیا ہے اور اسی کو خدا نے دین کی تکمیل کہا ہے۔

آیہ تکمیل دین پر غور

آیئے اب آیہ تکمیل دین اور اس سے پہلی آیت پر غور کریں جو کہ آیہ تکمیل دین کا سیاق و سباق پیش کرتی ہے، خداوند تعالیٰ سورہ مائدہ میں آیہ تکمیل دین سے پہلی آیت میں ارشاد فرماتا ہے :۔

"الیوم یئس کفروا من دینکم فلا تخشوھم وا خشونی" (المائدہ:3)

یعنی آج کے دن کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے ہیں پس تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔

مذکورہ آیت میں واقع لفظ "یئس" خاص طور پر قابل غور ہے۔ کافر ناامید ہو گئے۔ کافر مایوس ہو گئے۔ ان کی آس ٹوٹ گئی۔ ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ کس چیز سے ناامید ہوئے؟ "من دینکم" تمہارے دین سے اہل ایمان کے دین سے، مسلمانوں کے دین سے۔ وہ دین جس میں خدا کی طرف سے پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جاتی تھی اور پیغمبر کی نافرمانی خدا کی نافرمانی سمجھی جاتی تھی۔ یہی اصل دین تھا۔

پیغمبر کی رحلت کی خبر سن کر وہ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ پیغمبر کی وفات کے بعد کوئی ایسا نہ ہو گا جس کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جائے' اور جس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی سمجھی جائے' لہٰذا پیغمبر کی وفات کے ساتھ ہی یہ دین ختم ہو جائے گا' کیونکہ وہ ہستی ہی موجود نہ رہے گی' جس کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جاتی ہے۔

پس اس دین کی بقاء کے لئے' یعنی اسلام کی بقا کے لئے ضروری تھا' کہ پیغمبر کی جگہ کسی ایسی ہستی کو لا کر' اس دین کی اور اسلام کی تکمیل کی جائے' جس کی اطاعت مثل پیغمبر کی اطاعت کے خدا کی اطاعت ہو' اور اس جس کی نافرمانی مثل پیغمبر کی نافرمانی کے خدا کی نافرمانی ہو۔ لہٰذا آیہ تکمیل دین میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ :-

"الیوم اکملت لکم دینکم وا تممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الا سلا م دینًا" (المائدہ:3)

یعنی آج (غدیر خم) کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ (اور پیغمبر کے اٹھ جانے کے بعد تمہارے لئے اس کی اطاعت کا بندوبست کر دیا ہے' جس کی اطاعت میری اطاعت ہو گی' اور جس کی نافرمانی میری نافرمانی ہو گی) اور تمہارے اوپر اپنی (ہدایت کی) نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے لئے اسلام کو (یعنی صرف اپنی اطاعت کئے جانے کو) دین کے طور پر پسند کیا ہے' کہ اب میری طرف سے اس کی اطاعت میری اطاعت ہو گی' جسے پیغمبر نے آج کے دن مسلمانوں کا مولا' اور اہل ایمان کا ولی بنایا ہے' اور یہی بات تھی وہ جس نے کافروں کو مایوس کیا اور دین اسلام کی طرف سے ناامید کر دیا' کہ اب یہ مٹنے والا نہیں ہے' وہ تو یہ سمجھتے تھے' کہ پیغمبر کی وفات کے بعد' اور پیغمبر کے پردہ میں چلے جانے کے بعد' یہ دین ختم ہو جائے گا نہ وہ ہستی باقی رہے گی' جس کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جاتی ہے' نہ یہ دین جو پیغمبر کی اطاعت کے ذریعہ خدا کی اطاعت کے طور پر اسلام کہلاتا ہے' باقی رہے گا۔ لیکن اب اس ہستی کا اعلان ہو گیا ہے' جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو گی' اور جس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہو گی۔

بالفاظ دیگر آج کے دن خدا و رسول کی اطاعت کے ساتھ' ایک اور تیسری اطاعت کا اعلان ہوا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ وا طیعوا الرسول وا ولی الا مر منکم"

(النساء: 59)

اے ایمان لانے والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم ہی میں سے ہیں۔ اور اسی چیز کو آیہ مجیدہ :۔ "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا ...." (المائدہ: 55) میں بیان کیا گیا ہے۔

یعنی اب تک اللہ کی اطاعت اس کے رسول کے ذریعہ سے ہوتی تھی، رسول کے وفات پا جانے کے بعد، خدا کی یہی اطاعت اہل ایمان نے "اولی الا مر منکم" اور "ولیکم" کے ذریعہ کرنی ہے، آیہ مجیدہ: "انما ولیکم اللہ" میں دو حصر ہیں۔ ایک انما کا حصر ہے اور دوسرے ولیکم میں ضمیر "کم" کا حصر ہے یعنی انما کے حصر کے ذریعہ یہ بتایا کہ صرف اللہ اور اس کا رسول اور حالت رکوع میں زکواۃ دینے والا ہی تمہارا ولی ہے کوئی اور نہیں ہے۔

اور "ولیکم" میں ضمیر "کم" یعنی تمہارا کے ذریعہ "یا ایھا الذین آمنوا" سے خطاب کر کے یہ بتلایا کہ یہ صرف تمہارا ولی ہے نہ کہ دوسروں کا۔

کیونکہ یہاں پر "انما" کا حصر ولی کے معنی دوست نہیں کرنے دیتا، لہٰذا مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں پہلے حصر کو تو بڑے زور شور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ قائل تفویض ہیں، اور معصومین علیہم السلام کے لئے تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا وہ اس آیت میں واقع لفظ "ولیکم" کا ترجمہ اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کرنے کے لئے "ولیکم" میں ضمیر "کم" سے صرف نظر کر گئے ہیں، جو "یا ایھا الذین آمنوا" کی طرف راجع ہے، اور "ولیکم" میں ضمیر "کم" سے صرف نظر کر کے، انہوں نے اس سے ولایت تکوینی، اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ مراد لی ہے، جو مقام ربوبیت ہے، اور اس طرح وہ ولایت جس کا پیغمبر نے اپنے بعد کے لئے اہل ایمان کے لئے اعلان کیا تھا، اسے وہ "ما سوی اللہ علی کل شئی" "من مبدءا لوجود الٰی آخر مراتب شہود" اور "من الدرۃ الٰی الذرۃ" کے لئے قرار دیتے ہیں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی اور انما کا حصر

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں لکھتے ہیں۔

"بعضی بر آنند کہ کلمۂ ولی در آیہ "انما ولیکم اللہ..." بہ معنی رفیق و دوست است ولے ایں تعبیر اشتباہ و بر خلاف مدلول آیہ مبارکہ و اخبار و احادیث می باشد"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 79)

یعنی بعض یہ کہتے ہیں کہ آیہ (انما ولیکم اللہ...) میں لفظ ولی رفیق اور دوست کے معنی میں ہے۔ لیکن یہ تعبیر غلط ہے اور آیہ مبارکہ جس معنی پر دلالت کرتی ہے اس کے اور اخبار و احادیث کے خلاف ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"کلمۂ حصر انما ثابت می نماید کہ منظور خدا از معنائی ولی در ایں آیہ معنائی مہمتر از معنائی دوست و رفیق است، اگرچہ دوست بودن خود حائز اہمیت است، ولے موردی ندارد، کہ خدا دوستی و محبت را در خدا و پیغمبر و علی نسبت بہ مومنین منحصر نماید، در صورتی کہ بہ نص آیہ شریفہ "انما المومنون اخوۃ" ہمہ مومنین برادر و دوست یکدیگر ندو محبت ہمہ افراد مومنین بر ہمہ لازم و واجب است؟ ایں دوستی در خدا و پیغمبر و علی انحصار ندارد"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 79)

ترجمہ: "انما" کا کلمہ حصر ثابت کرتا ہے، کہ اس آیہ میں خدا کی ولی سے مراد دوست و رفیق کے معنی سے زیادہ اہم معنی ہیں، اگرچہ دوست ہونا بھی خود ایک اہمیت کا حامل ہے، لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، کہ خدا مومنین کے لئے دوستی و محبت کو خدا و پیغمبر و علی میں منحصر کر دے، جب کہ آیہ شریفہ "انما المومنون اخوۃ" کی نص سے تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی اور دوست ہیں، اور تمام مومنین کی محبت و دوستی تمام مومنین پر لازم و واجب ہے اور اس دوستی کا خدا و پیغمبر و علی میں انحصار نہیں

ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے اس مقام پر دوست کے معنی نہ ہونے کے لئے انما کے حصر کی جو دلیل پیش کی ہے وہ بالکل درست ہے اور مومنین کا ایک دوسرے کا دوست ہونے کے لئے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔ بلکہ اس آیت کے علاوہ قرآن کریم میں اور بھی بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں واضح الفاظ کے ساتھ مومنین کو مومنین کا دوست کہا گیا ہے۔ لہٰذا "واقعا انما" کا کلمہ حصریہ تقاضا کرتا ہے کہ دوستی و محبت کا مومنین کے لئے خدا و رسول و علی میں حصر نہ ہو، بلکہ دوسرے مومنین بھی ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں لہٰذا اس بات کے اثبات کے لئے تو ہمیں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنے عقیدہ تفویض کی وجہ سے اس آیہ مجیدہ میں "انما" کے حصر پر تو غور کیا۔ لیکن "ولیکم" میں جو ضمیر "کم" ہے اس کے حصر میں غور نہیں کیا، جو خطا "یا ایھا الذین آمنوا" کی طرف راجع ہے، یعنی اس آیہ مجیدہ میں خدا و رسول اور علی کے ولی ہونے کا صرف مومنین کے لئے حصر کہا گیا ہے یعنی ان کو صرف مومنین کا ولی قرار دیا گیا، دوسرے غیر مومن لوگوں کا ولی نہیں کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آیہ مجیدہ:

"یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"

میں اللہ و رسول و اولی الامر کی اطاعت صرف مومنین پر فرض کی گئی ہے۔ اور کافروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ کافروں کو پہلے ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح "انما ولیکم اللہ..." میں خدا و رسول و علی کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا گیا ہے دوسرے کافروں کا نہیں۔ کافر جب ایمان لے آئیں گے تب وہ ان کے ولی ہوں گے۔ اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ جسے وہ ولایت تکوینی کہتے ہیں جو مقام ربوبیت ہے تو اس کا تعلق تمام مخلوقات سے ہوتا ہے نہ کہ صرف اہل ایمان سے۔ اور چونکہ ولایت تکوینی ان کے نزدیک مقام ربوبیت ہے لہٰذا اسی لئے وہ اسے "ما سوٰی اللہ علی کل شئی" اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" اور "من الدرہ الٰی الذرۃ" کے لئے کہتے ہیں۔

ولایت تکوینی کے ثبوت میں مرزا عبدالرسول احقاقی کی پیش کردہ آیات

مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں ص 79-80 پر جو آیات و احادیث ولایت تکوینی کے ثبوت میں پیش کی ہیں ان کا تعلق بھی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے نہیں ہے' بلکہ وہ بھی صرف مومنین پر پیغمبر اور علی کی ولایت یعنی حاکم و فرمانروا ہونے کو ثابت کرتی ہیں مومنین کے غیر پر یعنی کافروں پر نہیں۔

چنانچہ ولایت از دیدگاہ قرآن کے ص 79 پر سب سے پہلی آیت جو انہوں نے لکھی ہے وہ یہ ہے۔

نمبر1: آیہ کریمہ :"النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم" (سورہ احزاب آیہ : 5)

"یعنی پیغمبر بر مومنان از خود آنان اولٰی وسزاوارتر است"

ترجمہ : یعنی پیغمبر مومنین پر خود ان سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔

یہ آیت تو واضح الفاظ میں پیغمبر کے مومنین پر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھنے کو بیان کرتی ہے۔ یہ آیت مومنین کے علاوہ دوسرے لوگوں یعنی کافروں پر کسی قسم کے اختیار کو بیان نہیں کرتی۔ جب کافر ایمان لے آئیں گے تب اس آیت کا ان پر اطلاق ہو گا۔ لہٰذا اس آیت کا ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور سورہ نساء کی درج ذیل آیت ایک طرح سے مذکورہ آیت کی تفسیر ہے۔

"فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجلوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما"

(النساء : 65)

یعنی قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھ کو ہی حاکم و منصف نہ مانیں پھر وہ تیرے حکم اور فیصلہ کے آگے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اطاعت کریں تیری اس طرح سے جس طرح سے اطاعت

کرنے کا حق ہے۔

پھر مرزا عبدالرسول احقاقی مذکورہ آیت کی تائید میں تفسیر صافی اور اصول کافی سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جو ان کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

"از رسول اکرم شنیدم که فرمود من بر مومنین از خود شان اولی ترم بعد از من برادرم علی بن ابی طالب بر مومنین از نفسهائے شان اولی تر است پس از شهادت علی فرزندش حسن بر مومنین از نفسها یشان اولی تر است و بعد ازو فرزندم حسین بر مومنین از نفسهائے شان اولی تر است.... تا آخر حدیث که رسول اکرم (ص) فرد فرد آئمه اطهار علیهم السلام را تا امام دوازدهم نام برده و ولیت آنان را، بر مومنین از نفسها یشان تصریح فرموده است"

(ولایت از دیدگاه قرآن ص: 80)

راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اکرم (ص) سے میں سنا کہ آپ نے فرمایا میں مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں۔ میرے بعد میرا بھائی علی ابن ابی طالب مومنین پر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

علیؑ کی شہادت کے بعد ان کا فرزند حسنؑ مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں اس کے بعد میرا فرزند حسینؑ مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھتا ہے.... آخر حدیث تک رسول اکرم (ص) نے آئمہ علیہم السلام میں سے بارہویں امام تک ہر ایک کا نام بنام ذکر کیا اور مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے زیادہ ان کے اختیار کی تصریح فرمائی۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے مذکورہ آیت اور یہ حدیث اپنی مزعومہ ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حالانکہ مذکورہ آیت اور یہ حدیث سراسر ان کے دعوے کے خلاف ہے، اس میں تو پیغمبر اکرم نے خود کو اور حضرت علی سے لے کر بارہویں امام تک ہر امام کو مومنین کے اوپر ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھنے والا کہا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ مومنین کے اوپر خود ان کے نفسوں سے زیادہ اختیار رکھنے کے جملے کی تکرار کی ہے، اور اس فقرے کو بار بار دہرایا ہے، اس میں تو ان

لوگوں کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے اور حالت کفر و شرک میں ہیں دوسری انواع مخلوقات کا تو ذکر ہی کیا لہٰذا "علٰی ما سوٰی اللہ" بلا استثناء شئی" اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" اور "من الذرۃ الی الذرۃ" کے لئے کہنا قطعی طور پر غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

مذکورہ آیت کے علاوہ حسب ذیل آیت بھی "النبی اولی بالمومنین" کی ایک کھلی ہوئی اور واضح تفسیر ہے جو اس طرح ہے:

"وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً"

(الاحزاب: 36)

نہ تو کسی مومن مرد کے لئے یہ بات موزوں ہے، اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لئے یہ بات مناسب ہے، کہ جب خدا اور اس کے رسول نے ایک بات کر دی، تو پھر انہیں اپنے اس معاملہ میں کچھ بھی اختیار ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑے گا۔

یہ آیت بھی "النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم" کی بہترین تفسیر ہے جو یہ کہتی ہے کہ مومنین کے کسی معاملہ میں جب پیغمبر کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر مومنین کو اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رہتا اور "النبی اولی بالمومنین من انفسھم" کا مطلب یہی ہے، جو خود قرآن کریم کی دوسری آیات اور خود اس حدیث سے ثابت ہے۔ جسے مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں نقل کیا ہے، لہٰذا مذکورہ آیت اور ان کی بیان کردہ حدیث کا ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا غلط استدلال

مرزا عبدالرسول احقاقی نے آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ" سے ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ ثابت کرنے کے لئے جتنی آیات و احادیث پیش کی ہیں، جو

اوپر نقل کر دی گئی ہیں، ان میں سب میں بالفاظ واضح پیغمبر کے بعد صرف مومنین کے لئے علیؑ کا ولی ہونا بیان ہوا ہے اور کفار و مشرکین کے لئے کسی بھی آیت یا حدیث میں ان کو ولی ماننے یا ان کو ولی قرار دینے کا ذکر نہیں ہے، اور مومنین کے لئے ولی قرار دینے، اور پیغمبر کے بعد کا بار بار ذکر کرنے سے، واضح طور پر ثابت ہے، کہ یہ پیغمبر کے بعد مومنین کے اوپر ان کے والی و حاکم و فرمانروا کا اعلان ہے، نہ کہ ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الہیہ کا اعلان۔ جو "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" ہو۔

قرآن کریم میں کفار و مشرکین سے تو ہر جگہ پہلے اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور ایمان لانے کے بعد ان پر اہل ایمان کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔

اب مرزا عبدالرسول احقاقی کا غلط استدلال ملاحظہ ہو ولایت از دیدگاہ قرآن میں لکھتے ہیں۔

"با ذکر دلائل فوق و صدھا براہین دیگر ثابت می شود کہ مقصود خدا در آیہ "انما ولیکم اللہ..." از کلمہ ولی، عبارت از اولیٰ بہ تصرف می باشد و خدای متعال با ذکر کلمہ انما کہ از ادوات حصر است این اولیت را نسبت بہ کائنات در ذات مقدس خود و پیغمبر محبوب و امیر المومنین علی ابن ابی طالب و اولاد طاھرش منحصر و محدود می فرماید و کسی را جز آں بزرگواران حق اولیت و تصرف در امور تشریعی و تکوینی خلائق نیست۔ و چوں این اولیت و تصرف بہ نص آیہ "انما ولیکم اللہ.." و آیہ "النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم" و سائر براھین و دلائل بر مومنین کہ اشرف مخلوقات اند ثابت شد بر سائر انحاء وجود و مراتب خلقت بہ طریق اولٰی ثابت می گردد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص:82)

ترجمہ: مذکورہ دلائل اور سینکڑوں دوسری دلیلوں کے بیان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہ "انما ولیکم اللہ.." میں کلمہ ولی سے خدا کی مراد ان کا اولیٰ بہ تصرف

ہونا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے لفظ "انما" کے ذکر کے ساتھ جو کلمات حصر میں سے ہے' اس اولیت کو تمام کائنات کے لئے اپنی ذات مقدس اور اپنے محبوب پیغمبر اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور ان کی اولاد میں منحصر اور محدود فرما دیا ہے' اور ان کے علاوہ اور کسی کو بھی امور تشریعی اور ساری مخلوقات کے امور تکوینی میں تصرف و اولیت کا حق نہیں ہے' اور چونکہ یہ اولیت اور تصرف "انما ولیکم اللہ.." کی آیت کی نص کے ذریعہ اور آیہ "النبی اولی بالمومنین" کے اوپر' کہ جو اشرف مخلوقات ہیں' ثابت ہو گیا ہے تو تمام انحاء وجود اور مراتب خلقت پر بہ طریق اولیٰ ثابت ہو جاتا ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی اور ان کے تمام ہم عقیدہ لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ اس آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ.." اور آیہ مجیدہ "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم" میں بھی اولیٰ بہ تصرف ہونا صرف مومنین کے اوپر بیان کیا گیا ہے لہٰذا آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ.." میں "ولیکم" کی ضمیر متصل "کم" کا خیال رکھے بغیر اور آیہ مجیدہ "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم" میں "بالمومنین من انفسھم" کی مطلق پروا کئے بغیر تمام کائنات کے لئے معنی و مراد لینا سراسر دھاندلی' قطعی غلط اور بالکل باطل اور بے ہودہ استدلال ہے۔ کیونکہ ان آیات کی بہترین تفسیر خود قرآن نے سورہ نساء کی آیت نمبر 65 اور سورہ احزاب کی آیت نمبر 36 میں پیش کی ہے جسے ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ خود قرآن کریم کی بیان کردہ تفسیر کے مقابلہ میں مرزا عبدالرسول احقاقی کا بیان کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہاں ان آیات کے مطابق اور بلاشک و شبہ کلمہ حصر "انما" کے مطابق اور "النبی اولی بالمومنین من انفسھم" کے مطابق حضرت علی اور ان کی پاک اولاد' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد' مومنین کے اوپر' اولیٰ بہ تصرف ہیں' اور وہی ان کے اوپر حکومت و فرمانروائی کا حق رکھتے ہیں' اور چونکہ ان آیات میں صرف مومنین کے اوپر پیغمبر کے بعد یہ حق بیان ہوا ہے' اور کفار و مشرکین کو بھی اس آیت میں محکوم نہیں کیا گیا ہے' لہٰذا ساری کائنات کے امور تکوینی کا بیان قطعی غلط اور باطل استدلال ہے' اور ان آیات مجیدہ کو اپنے عقیدہ تفویض پر زبردستی چپکانے کی بے

ہودہ کوشش ہے۔

اور مرزا عبدالرسول احقاقی کا یہ کہنا کہ:۔

"چونکہ یہ اولیت اور تصرف۔ "انما ولیکم اللہ..." کی آیت کی نص کے ذریعہ اور آیہ "النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم" کے ذریعہ اور دوسری تمام دلائل ویراہین کے ذریعہ مومنین کے اوپر کہ جو اشرف مخلوقات ہیں ثابت ہو گیا تو تمام انحاء وجود اور مراتب خلقت پر بہ طریق اولٰی ثابت ہو جاتا ہے۔"

قطعی غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور یہ کہنا اس لئے غلط ہے کیونکہ مذکورہ دونوں آیتیں، صرف مومنین کے اوپر ان کو حاکم و فرمانروا ثابت کرتی ہیں، جیسا کہ خود انہوں نے بھی اپنے اس بیان میں تسلیم کیا ہے، کہ یہ مومنین کے اوپر جو اشرف مخلوقات ہیں ثابت ہوا ہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے کہ چونکہ مومنین کے اوپر کہ جو اشرف المخلوقات ہیں ثابت ہو گیا تو تمام انحاء وجود یعنی موجودات کی تمام اقسام اور مراتب خلقت یعنی جمادات و نباتات و حیوانات و انسان و جن و فرشتے اور ہر قسم کی مخلوق پر نہ صرف تشریعی طور پر بلکہ تکوینی طور سے بھی یہ طریق اولٰی ثابت ہو جاتا ہے۔

انہوں نے صرف مومنین کو اشرف مخلوقات قرار دیا ہے حالانکہ قرآن کی سند کی رو سے انسان اشرف المخلوقات ہے چاہے مومن ہو یا کافر، اس نوع اشرف المخلوقات میں سے کافروں کے لئے بھی، اس آیت میں ولی ہونا بیان نہیں ہوا، جو بہرحال خلقت کے اعتبار سے انسان ہونے کی بنا پر مخلوقات میں اشرف ہے۔ اور جب اس آیت میں کافروں کے لئے ولی ہونا بیان نہیں ہوا۔ اور اس آیت میں کافروں کا انہیں ولی قرار نہیں دیا گیا، تو دوسری انحاء وجود اور مراتب خلقت سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں بن سکتا، ان آیات میں بھی اور ان کے مثل دوسری تمام آیات میں بھی صرف اہل ایمان پر پیغمبر کے بعد حضرت علی ابن ابی طالب اور ان کی پاک اولاد کی اطاعت کو فرض کرنے کا حکم بیان ہوا ہے، جیسا کہ اصول کافی کے آٹھویں باب میں، جس کا عنوان ہی یہ ہے "فرض اطاعت آئمہ علیہما لسلام" بیان ہوا ہے۔

اس عنوان کے تحت بہت سی احادیث بیان ہوئی ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان پر آئمہ طاہرین کی اطاعت فرض ہے۔ ہم بطور نمونہ صرف دو احادیث یہاں

پر نقل کرتے ہیں۔

نمبر1: "قال ذکرت لا بی عبدا للہ علیہ السلا م قولنا فی الا وصیاء ان طا عتہم مفروضہ' قال فقال نعم' ہم النین قال اللہ تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول وا ولی الا مر منکم وہم النین قال اللہ عزوجل انما ولیکم اللہ ورسولہ وا لنین آمنوا"

(اصول کافی باب 8 ص 214)

ترجمہ: راوی کہتا ہے میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے ذکر کیا اپنے اس خیال کا کہ اوصیاء کی اطاعت فرض ہے۔ حضرت نے فرمایا ہاں وہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور ان کی جو تم میں اولی الامر ہیں۔ اور وہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔

اس حدیث میں امام علیہ السلام نے واضح الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ آیہ مجیدہ "یا ایھا النین آمنوا اطیعوا اللہ..." اور آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." کا مطلب و مفہوم و مراد ایک ہی ہے اور وہ مومنین پر پیغمبر کے بعد اوصیاء پیغمبر کی اطاعت کا فرض ہونا ہے۔

نمبر2: "عن ابی بصیر عن ابی جعفر قال کنت عندہ جا لسا فقال لہ رجل حدثنی عن ولا یۃ علی' من اللہ ا من رسولہ فغضب ثم قال و یحک کا ن رسول اللہ اخوف اللہ من ان یقول ما لم یا مرہ بہ اللہ' بل افترضہ کما افترض اللہ الصلواۃ وا لزکواۃ وا لصوم وا لحج"

ترجمہ: ابو بصیر کہتے ہیں امام بصیر محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا آپ ولایت علی کے متعلق بیان کریں یا یہ حکم اللہ کی طرف سے تھا یا رسول اللہ کی طرف سے تھا؟ یہ سن کر حضرت غصہ ہوئے' فرمایا رسول اللہ بہت زیادہ خوف کرنے والے تھے اس سے کہ خلاف حکم خدا کوئی حکم دیں۔ بلکہ خدا نے اس امر ولایت کو بھی اسی طرح فرض قرار دیا ہے جس طرح نماز' زکواۃ' روزہ اور حج کو۔

اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں' پہلی بات یہ ہے کہ کافروں

میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبر نے یہ وحی و نبوت و رسالت کا دعویٰ بنی ہاشم کی حکومت قائم کرنے کے لئے کیا ہے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو یہ خیال ان کے دل سے مسلمان ہونے کے بعد بھی نہ نکلا۔

اب جو پیغمبر نے اپنے بعد علی کی ولایت کا اعلان کیا تو ان کے دل میں وہی بات کھٹکی کہ "یہ سب کچھ بنی ہاشم کی سلطنت قائم کرنے کے لئے تھا لہٰذا اس شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ پوچھ ہی لیا کہ :-

"حدثنی عن ولا یۃعلی من اللہا من رسولہ"

یعنی آپ ولایت علی کے بارے میں بیان کریں آیا یہ حکم اللہ کی طرف سے تھا یا رسول اللہ کی طرف سے تھا۔

اس پر امام علیہ السلام کو غصہ آگیا اور فرمایا: رسول اللہ بہت زیادہ خوف کرنے والے تھے اس سے کہ خلاف حکم خدا کوئی حکم دیں۔

اس حدیث کا لب و لہجہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہاں پر ولایت سے مراد حاکم و فرمانروا ہے اور پیغمبر نے یہ اپنے بعد کے لئے سلطنت اسلامی کے حاکم و فرمانروا کا اعلان کیا تھا اور تمام مومنین پر ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں پر ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا کوئی مسئلہ اور کوئی بات ہی نہیں ہے۔

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ کی اطاعت مومنین پر اسی طرح فرض ہوئی تھی جس طرح نماز و زکواۃ و روزہ و حج مومنین پر فرض کئے گئے تھے۔ یہ نماز و زکواۃ و روزہ و حج کافروں پر فرض نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ انسان ہونے کی بنا پر اشرف المخلوقات تھے اور جس طرح کافروں پر نماز و زکواۃ و روزہ و حج فرض نہیں ہوئے تھے اسی طرح ان پر یہ ولایت علی بھی فرض نہیں ہوئی تھی کافروں سے مطالبہ صرف ایمان لانے کا ہوتا تھا، اور جو ایمان لے آتا تھا اس پر اہل ایمان کے تمام احکام نافذ ہو جاتے تھے۔

پس جب کافروں پر جو انسان ہونے کی حیثیت سے اشرف المخلوقات ہی تھے یہ ولایت فرض نہیں ہوئی تھی، تو تمام انحاء وجود اور مراتب خلقت، یعنی جمادات مثلاً اینٹیں و پتھر اور نباتات مثلاً گھاس اور سبزیاں اور حیوانات مثلاً گدھے اور گھوڑے اور

کتوں اور سوروں پر ان امور کا فرض ہونا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا' لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کو گمراہ کرنے کے لئے ہر آیت کا مطلب اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کرتے ہیں اور غلط طور پر اپنے نظریہ پر چپکانے کی کوشش کرتے ہیں۔

علماء شیعہ حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کی مستند کتابوں کے علاوہ پیغمبر کی یہ احادیث' جن میں علیؑ کے ولی ہونے کا بیان ہے' اہل سنت کے بزرگ علماء و مفسرین و محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں' اور خود مرزا عبدالرسول احقاقی نے بھی' اپنے مطلب کے ثبوت میں' اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں ایک حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے۔

"وابونعیم اصفحانی در کتاب حلیہ الاولیاء جلد ششم ص 294 و دہ ھا از بزرگان علمائے اہل تسنن روایت می کنند کہ رسول اکرمؐ دربارہ حضرت علی ابن ابی طالب می فرمود ان علیا ولیکم بعدی' یعنی علی بعد از من ولی شما است"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص:81)

ترجمہ: ابو نعیم اصفحانی اپنی کتاب حلیہ الاولیاء جلد 6 ص 294 پر' اور اہل سنت میں سے اور دسیوں بزرگ علماء روایت کرتے ہیں' کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت علی ابن ابی طالب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے' "ان علیا ولیکم بعدی" یعنی علی میرے بعد تمہارا ولی ہے۔

اس حدیث کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے۔ پیغمبرؐ اپنے اصحاب سے بالخصوص اور تمام اہل ایمان سے بالعموم فرما رہے تھے' یعنی جس طرح میں اب تمہارا ولی' یعنی حاکم و فرمانروا اور تم پر اولی بالتصرف ہوں' اور میری اطاعت تم پر فرض ہے' اسی طرح میرے بعد تمام اہل ایمان کا ولی و حاکم و فرمانروا و اولی بالتصرف علیؑ ہے' اور میرے بعد اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔

اس حدیث میں "بعدی" میرے بعد کا لفظ جہاں ولی کا معنی دوست نہیں کرنے دیتا وہاں تمام انحاء وجود اور تمام مراتب خلقت تو رہے ایک طرف کافر انسانوں کے لئے بھی

صلوق آنے سے مانع ہے۔

ہم بھی ایک حدیث اہل سنت کی کتابوں سے البلاغ المبین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان علیا منی و انا من علی و ھو ولی کل مومن من بعدی"

(مسند ابی داؤد ص 111 حدیث 829)

(مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص :331)

(مستدرک الحاکم الجزء الثالث ص : 110)

(بمطابق نقل البلاغ المبین جلد 1' ص : 316)

ترجمہ : فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ بیشک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں' اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔

اس حدیث میں دو باتیں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ ایک "ولی کل مومن" یعنی وہ ہر مومن کے ولی ہیں' اور دوسرے "من بعدی" یعنی میرے بعد ہے۔ اب نہیں ہے۔ اس وقت میں مومنین کا حاکم و فرمانروا اور اولیٰ بالتصرف ہوں' اور اس وقت میری حاکم و فرمانروا کی حیثیت سے اطاعت فرض ہے' اس وقت علیؑ کی اطاعت بحیثیت حاکم و فرمانروا واجب نہیں ہے' اس وقت دوسرے مومنین کی طرح وہ بھی میرا ہی مطیع و تابع فرمان ہے' البتہ وہ میرے بعد تمہارا حاکم و فرمانروا ہو گا۔ لہٰذا اس کی اطاعت میرے بعد تم پر واجب ہو گی۔ اس میں بھی تمام انحاء وجود اور تمام مراتب مخلوقات یا ساری کائنات کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا شیخیہ احقاقیہ کویت کا ان آیات و احادیث سے یہ مراد لینا کہ ان سے "ما سویٰ اللہ بلا استیثنا شئی" اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشھود" اور "من الدرۃ الی الذرہ" ان کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ ثابت ہوتی ہے' قطعی غلط خیال باطل اور اپنے عقیدہ تفویض پر زبردستی چپکانے کی بات ہے۔

آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ" کے سیاق و سباق کے مطابق معنی

ہم اوراق سابق میں اس آیہ مجیدہ کا سیاق و سباق لکھ کر آئے ہیں۔ یہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر55 ہے۔ اس سے پہلی آیت نمبر54 یوں شروع ہوتی ہے۔ "یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ" یعنی اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا اس آیت میں خطاب ان تمام مسلمانوں سے ہے جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ اور جیسا کہ ہم سابق اوراق میں بیان کر آئے ہیں یہ آیہ مجیدہ سورہ مائدہ کی آیت ہے اور یہ سورہ سب سے آخری سورہ ہے' جو 10ھ میں نازل ہوئی' جب کہ تمام جزیرہ نمائے عرب مسلمان ہو چکا تھا' اور اسلام عرب کے انتہاء جنوب میں یمن تک پہنچ چکا تھا' لہٰذا خدا ان سب سے خطاب کر کے کہہ رہا ہے' کہ تم میں سے جو کوئی مرتد ہو جائے گا تو خدا کیا کرے گا؟ وہ اس سے آگے بیان کیا کہ وہ ایک اور قوم کو لے آئے گا' جو اس دین میں داخل ہو گی۔

"من یرتد منکم" میں "منکم" کی ضمیر متصل بھی "یا ایھا الذین آمنوا" کی طرف راجع ہے' اور "عن دینہ" میں دینہ کی "ہا" کی ضمیر بھی "یا ایھا الذین آمنوا" کی طرف ہی راجع ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری تھا' کہ وہ دین ہے کیا؟ پس اس سے اگلی آیت میں یہی بتایا ہے' کہ وہ تمہارا دین اللہ کی اطاعت کرنا ہے' اور اللہ کی اطاعت تم صرف اسی صورت میں کر سکتے ہو' کہ اس کے رسول کی اطاعت کرو' اور رسول کے لئے چونکہ اس دنیا سے رخصت ہو جانا مقدر ہو چکا ہے' لہٰذا رسول کے بعد تم رسول کی اطاعت جو فی الحقیقت میری اطاعت ہے صرف اسی طرح کر سکتے ہو' کہ تم پیغمبر کے بعد اسکی اطاعت کرو جس نے حالت رکوع میں زکواۃ دی ہے' کیونکہ پیغمبر کے بعد وہی مومنین کا ولی و حاکم و فرمانروا ہے۔

کفار یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد یہ دین ختم ہو جائے گا۔ یعنی وہ ہستی باقی نہ رہے گی جس کی اطاعت بمنزلہ خدا کی اطاعت کے ہے۔ خدا نے روز غدیر علیؑ کے ولی ہونے کا اعلان کرا کے کافروں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور علیؑ کو ولی یعنی

پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کا حاکم و فرمانروا بنا کر دین کی تکمیل کر دی' اور چونکہ ان احادیث کی روشنی میں جو سابق میں نقل ہو چکی ہیں' پیغمبرؐ کی حدیث پاک کے مطابق علی کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت ہے' اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے' اور خدا کی اطاعت ہی دین اسلام ہے' لہٰذا ارشاد فرمایا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا" (المائدہ:3)

یعنی میں نے آج تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا' کہ اب پیغمبر کے بعد خدا کی اطاعت کے لئے' اس کا اپنا وہ نمائندہ موجود رہے گا' جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو گی' اور پیغمبر کے بعد کے لئے ہادیوں کا اعلان کر کے' تم پر اپنی نعمت پوری کر دی' کہ اس سے اطاعت کا منشاء پورا ہو' جو "ان تطیعوہ تھتدوا" ہے' یعنی اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور "و رضیت لکم الاسلام دینًا" کہہ کر یہ بتایا کہ میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا ہے' یعنی پیغمبر کے بعد تم نے صرف میری اطاعت کرنی ہے کہ وہی اصل اسلام ہے اور وہی اے ایمان لانے والو تمہارا دین ہے بالفاظ دیگر پیغمبر کے بعد آنے والے ہادیوں کی اطاعت کرنا' پیغمبر کی اطاعت کرنا ہے' اور پیغمبر کی اطاعت کرنا' میری اطاعت کرنا ہے' اور میری اطاعت کرنا دین اسلام ہے' جو میں نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔

اب آیہ مجیدہ "یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ" کا مطلب صاف اور واضح ہو گیا' کہ اے ایمان لانے والو اگر تم پیغمبر کے بعد علی کو اپنا ولی ماننے اور اس کی حاکم و فرمانروا کی حیثیت سے اطاعت کرنے سے پھر جاؤ گے تو خدا آگے چل کر ایک اور قوم کو لے آئے گا جو پیغمبر کے بعد علی کو ہی اپنا ولی مانے گی' اور اس کی ہی حاکم و فرمانروا کی حیثیت سے اطاعت کرے گی' اور چونکہ وہ قوم میرے مقرر کردہ ہادی کو اپنا رہبر و رہنما و امام مانے گی' اور پیغمبر کے بعد اس کو اپنا ولی و حاکم و فرمانروا تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت کو فرض جانے گی' لہٰذا خدا اس قوم سے محبت کرے گا' اور وہ قوم بھی خدا سے محبت کرے گی' وہ مومنوں کے ساتھ نرم دل ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت گیر ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروانہ کریں گے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ خداوند تعالیٰ نے یہاں "یجا ھلون" کہا ہے، وہ جہاد کریں گے، "یقا تلون" نہیں فرمایا کہ وہ قتال کریں گے۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں ہر قسم کی جدوجہد کو شامل ہے اور اسی لئے فرمایا کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔ اگر اس سے مراد قتال ہوتا تو پھریوں کہتا کہ وہ نیزہ و شمشیر اور تیر و تفنگ سے نہ ڈریں گے۔ بلکہ فرمایا کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے یعنی یہ بات ہو کر رہے گی۔ اور اس کے بعد فرمایا "واللہ واسع علیم" اور خدا صاحب وسعت و علم ہے۔ یعنی خدا کو یہ علم ہے کہ موجودہ قوم علیؑ کو ولی ماننے سے پھر جائے گی اور ایک اور قوم ہو گی جو بعد میں داخل اسلام ہو گی، اور وہ پیغمبر کے بعد علیؑ کو، اور ان کی پاک اولاد کو ہی اپنا ولی و حاکم و فرمانروا مانے گی۔ اور یہ بات سب کے مشاہدے میں ہے۔ اور اس بات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قوم عرب پیغمبر کے بعد ہرگز ہرگز توحید و رسالت کے عقیدہ سے نہیں پھری، اور نہ ہی انہوں نے پھر دوبارہ بت پرستی اختیار کی، لہٰذا وہ ارتداد توحید و رسالت کے انکار، یا بت پرستی کی طرف مائل ہونے کا ارتداد نہیں تھا، بلکہ پیغمبر کے بعد علی کو ولی و حاکم و فرمانروا ماننے سے روگردانی کا ارتداد تھا، اور یہ بات بھی سب کے مشاہدے میں ہے کہ پیغمبر کے عین بعد، قوم عرب نے علیؑ کو اپنا ولی و حاکم و فرمانروا نہیں مانا، اور ان کو اپنا حاکم و فرمانروا ماننے سے روگردانی کے لئے لفظ ولی کے معنی دوست کئے تاکہ پیغمبر کی حدیث کا انکار بھی نہ ہو اور علی کو حکمران ماننے سے انکار کا جواز بھی نکل آئے۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." کا سیاق و سباق یہ ہے کہ کہ اس سے پہلی آیت نمبر 54 میں مسلمانوں کو ان کے دین سے پھر جانے کی خبر دی، اور ایک اور قوم کے دین میں داخل ہونے سے مطلع کیا ہے اور پھر وہ دین بتلایا جس سے انہوں نے پھرنا ہے، اور اسے اگلی آیت میں واضح کیا کہ وہ دین "انما ولیکم اللہ..." میں بیان کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ :۔

"ومن یتول اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون (المائدہ:

(56

یعنی جو شخص اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان مومنوں کو اپنا ولی و حاکم و فرمانروا مانے گی (یہی تو خدا کا گروہ ہے) اور خدا کا یہ گروہ غالب آ کر رہے گا۔

سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت نمبر56 میں لفظ یتول اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ اہل ایمان کا کام ہے کہ وہ حالت رکوع میں اس زکواۃ دینے والے کو اپنا ولی و حاکم و فرمانروا مانیں۔ لیکن یہاں بھی بہت سے مترجمین نے "یتول" کے معنی دوست بنانا لکھا ہے حالانکہ سیاق و سباق کلام یہ کہتا ہے، کہ یہ علی کو اپنا ولی و حاکم و فرمانروا ماننے کی تاکید کے لئے آیا ہے، اور اس معنی پر پیغمبر اکرم کی متعدد احادیث گواہ ہیں۔ ہم نمونہ کے طور پر ان میں سے چند احادیث ہدیہ قارئین کرتے ہیں، جنہیں علماء و محدثین اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

1: "من ارا دان یحیی حیا تی و یموت میتتی و یسکن جنۃا لخلدا لتی و عدنی ربی فلیتول علی ابن ابی طالب فانہ لن یخرجکم من ھدی و لن یدخلکم فی ضلالہ"

(مستدرک حاکم جلد 2 ص 128)

(کنز العمال جلد 6 ص 155)

(منتخب کنزل العمال برحاشیہ احمد جلد 5 ص 34)

(بمطابق نقل ترجمہ دین حق 40 ص 189)

ترجمہ: (زید ابن ارقم سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا) جو شخص میرا جینا چاہتا ہو اور میری موت مرنا چاہتا ہو اور جنت خلد میں رہنا چاہتا ہو جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، تو وہ علی کو اپنا حاکم بنائے، کیونکہ وہ ہدایت سے تمہیں باہر نہ کریں گے اور نہ گمراہی میں تمہیں لے جائیں گے۔

پیغمبر کی اس حدیث شریف میں علی کو اپنا ولی ماننے اور انہیں اپنا حاکم و فرمانروا تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کی علت بھی بیان کی گئی ہے۔ جو وہی ہے جو خدا نے پیغمبر کو اپنا حاکم ماننے اور ان کی اطاعت کرنے کی قرآن میں بیان فرمائی ہے کہ:۔

"وا ن تطیعوہ تھتدوا" یعنی اگر تم اس (پیغمبر) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ پس اطاعت کا اصل مفاد ہدایت ہے۔ اور اس سے یہ بات ثابت ہے کہ خدا

سوائے ہادیوں کے اور کسی کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا۔ اور کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کا مطیع نہیں بناتا۔

نمبر2: ایک اور حدیث میں پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اوصی من آمن بی و صدقنی بولایۃ علی ابن ابی طالب فمن تولاہ فقد تولانی و من تولانی فقد تولی اللہ و من احبہ فقد احبنی و من احبنی فقد احب اللہ و من ابغضہ فقد ابغضنی و من ابغضنی فقد ابغض اللہ عزوجل"

(کنز العمال جلد 6 ص 154)

(بمطابق نقل ترجمہ دین حق ص 189)

ترجمہ: (فرمایا پیغمبر اکرمؐ نے کہ) میں وصیت کرتا ہوں، ہر اس شخص کو جو مجھ پر ایمان لایا ہے، اور میری تصدیق کی ہے، کہ وہ علی کے تابع فرمان رہے، اور ان کو اپنا ولی و حاکم مانے، پس جس نے علی کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جس نے علی کی محبت رکھی اور اسے دوست بنایا اس نے مجھ سے محبت کی اور مجھے دوست بنایا، اور جس نے مجھ سے محبت کی اور مجھے دوست رکھا اس نے خدا سے محبت رکھی اور خدا کو دوست بنایا اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے خدا سے بغض رکھا۔

پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث شریف میں "ولایت" اور تولاہ کے بعد احبہ کا لفظ جو محبت اور دوستی کے معنی میں ہے اس بات کا شاہد ہے کہ اس سے پہلا لفظ بولایت علی اور تولاہ، دوست کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ حاکم و فرمانروا ماننے اور تابع فرمان ہونے، اور اطاعت کرنے کے معنی میں ہے۔ اور تولاہ کے لفظ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ ولایت وہ ہے جسے خود اہل ایمان نے قبول کرنا ہے، ماننا ہے، اور تسلیم کرنا ہے۔ اگر مسلمان یہ ولایت قبول نہ کریں، تو یہ ان کے پاس نہ رہے گی، جیسا کہ خود حضرت علی نے نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں اس کے چھین لئے جانے کو بیان فرمایا ہے، جو "الآن اذ رجع الحق" کے الفاظ سے ظاہر ہے، جب کہ ولایت تکوینی ایسی چیز نہیں ہے جو چھینی جا سکے۔

تعجب اس بات کا ہے کہ مرزا عبدالرسول احقاقی آیہ مجیدہ "انا عرضنا الامانۃ" میں امانت سے مقام ولایت، مراد لیتے ہیں۔ اور "حملھا الانسان" کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "پس انسان (بہ نا حق) آن را در گردن گرفتہ وانسان بسیار ستمگار و نادان است" (ولایت از دیدگاہ قرآن ص 91)

یعنی انسان نے ناحق اس پر قبضہ کر لیا اور انسان بہت ہی ستم گار و ظالم اور جاہل و نادان ہے۔

ہم یہاں اس پر یہ بحث نہیں کریں گے، کہ یہاں امانت سے کیا مراد ہے، ہم نے اس پر اپنی کتاب "خلافت قرآن کی نظر میں" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، لیکن چونکہ مرزا عبدالرسول احقاقی، اس امانت سے مراد، ولایت کلیہ لیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ:

"و ولایت کلیہ معصومین را بر تمام عوالم حتی جمادات ثابت می نماید" (ولایت از دیدگاہ قرآن ص 91)

(یعنی یہ آیت) معصومین (ع) کی ولایت کلیہ کو تمام عوالم یعنی عالم ملائکہ عالم انسان و عالم جن و عالم حیوان و عالم نبات حتی کہ عالم جمادات تک پر ثابت کرتی ہے۔ لہٰذا اس پر یہاں بھی غور کی ضرورت ہے۔ مرزا عبدالرسول حقاقی اور تمام قارئین محترم غور کریں، کہ کیا یہ ولایت تھی وہ جو کسی انسان نے علی سے چھینی تھی؟ جو تمام عوالم حتی جمادات تک ہو۔ کیا وہ انسان اس ولایت تکوینی کو یا اس ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کو جسے وہ علی ما سوی اللہ بلا استثناء شئی کہتے ہیں اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" قرار دیتے ہیں، چھین سکتا ہے؟ اور کیا واقعا ان کے نزدیک اس انسان نے ان کی یہ مزعومہ ولایت تکوینی چھینی تھی؟ یا مسلمانوں کی زعامت و سربراہی اور صرف حکومت و فرمانروائی پر قبضہ کیا تھا، بریں عقل و دانش بباید گریست۔

نمبر 3: ایک اور حدیث پیغمبر جو ولایت کو بمعنی حکومت و فرمانروائی بیان کرتی ہے پیش خدمت ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"من سرہ ان یحیی حیاتی و یموت مماتی و یسکن جنت عدن غرسھا

ربی فلیتول علیا من بعدی ولیوال ولیه و لیقتد با ہل بیتی من بعدی فا نهم عترتی خلقوا من طینتی و رزقوا فهمی و علمی فویل للمکنبیں بفضلهم من امتی القا طعین فیهم صلتی"

(کنزل العمال جلد 6 ص 217)

(منتخب کنزل العمال برحاشیہ مسند احمد بن جنبل جلد 5 ص 94 وغیرہ)

(بمطابق نقل اردو ترجمہ دین حق ص 40)

ترجمہ : (طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام رافعی نے اپنے مسند میں بسلسلہ اسناد ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا)

"وہ شخص جسے یہ پسند ہو کہ میرا جینا جیئے، اور میری موت مرے، اور باغ عدن میں ساکن ہو، جسے میرے رب نے لگایا ہے، تو وہ علی کو میرے بعد اپنا حاکم و فرمانروا مانے، اور اس کے جانشین کو بھی اپنا حاکم تسلیم کرے، اور میرے بعد میرے اہل بیت کی اقتدا اور پیروی کرے، کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں، اور انہیں میرا فہم اور میرا علم عطا ہوا ہے، ہلاکت ہے اس کے لئے جو ان کے فضل کو جھٹلائے، اور ان کو مجھ سے جو قرابت ہے اس کا خیال نہ کرے۔

اس حدیث میں فلیتول علیا من بعدی کتنا واضح ہے کہ علی کو میرے بعد اپنا حاکم تسلیم کرے۔ کیونکہ "من بعدی" کہنے کے بعد نہ تو فلیتول کا معنی دوست بن سکتا ہے کیونکہ علی کی دوستی تو پیغمبرؐ کے زمانہ حیات میں بھی مومن ہونے کی پہچان تھی، اور نہ ہی "من بعدی" کے الفاظ اس ولایت کو وہ ولایت تکوینی قرار دے سکتی ہے، جو شیخیہ احقاقیہ کویت کے نزدیک "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" کے لئے ہو۔

اور پھر یہ فرما کر کہ "ولیوال ولیه ولیقتد با ہل بینی من بعدی" یعنی میرے بعد اس کے جانشین اور میرے اہل بیت کی پیروی کرے۔ یعنی علی کی پاک اولاد میں ہونے والے آئمہ (ع) کی پیروی اور اطاعت کی بھی تاکید کر دی۔

نمبر4: ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"من احب ان یحیی حیا تی و یموت میتتی و یدخل الجنته التی

وعلنی ربی و ھی جنۃ الخلد فلیتول علیا و ذریتہ من بعدہ فا نھم لن یخرجوکم من با ب ھدی و لن یدخلوکم با ب ضلا لۃ"

(کنزا لعمال جلد 6 ص 155)

(منتخب کنزا لعمال برحاسیہ مسند احمد جلد 5 ص 32)

(مطابق نقل ترجمہ دین حق ص 40'190)

ترجمہ : مطہر بارودی' ابن جریر' ابن شاہین اور ابن مندہ' ابی اسحق کے واسطے سے زیاد بن مطیرف سے روایت کرتے ہیں زیاد کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ :

"جو شخص یہ چاہتا ہو' کہ میرا جینا جئے' اور میری موت مرے' اور اس جنت میں داخل ہو' جس کا وعدہ مجھ سے میرے پروردگار نے کیا ہے' یعنی جنت الخلد' وہ علی کو' اور علی کے بعد ان کی اولاد کو' حاکم و فرمانروا مانے' اور علی اور علی کے بعد ان کی ذریت کی اطاعت و فرمانبرداری کرے' کیونکہ وہ تمہیں ہرگز ہرگز ہدایت کے دروازے سے باہر نہ نکلنے دیں گے' اور نہ ہی ہرگز ہرگز تمہیں گمراہی کے دروازے میں داخل کریں گے۔"

پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث انتہائی طور پر واضح ہے' جس میں فلیتول کا معنی کھول کر اور اجاگر کر کے بیان کیا گیا ہے' اور اس میں پیغمبر نے نہ صرف حضرت علیؑ کو حاکم و فرمانروا ماننے' اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا ہے' بلکہ حضرت علی کے بعد ان کی ذریت کو بھی حاکم و فرمانروا ماننے' اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم بھی ساتھ ہی دے دیا ہے' اور ساتھ ہی ساتھ انہیں حاکم و فرمانروا ماننے' اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی علت بھی بیان کر دی' جو وہی ہے' جو خدا نے پیغمبر کی اطاعت کرنے کے لئے بتائی تھی کہ : "وان تطیعوہ تھتدوا" یعنی اگر تم پیغمبر کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ پیغمبرؐ بھی اپنے بعد علیؑ کو اور علیؑ کے بعد ان کی ذریت کو حاکم و فرمانروا ماننے' اور ان کی اطاعت و پیروی کی یہی علت بیان کر رہے ہیں' کہ وہ تمہیں ہرگز ہرگز ہدایت سے باہر نہ ہونے دیں گے اور ہرگز ہرگز تمہیں گمراہ نہ ہونے دیں گے' اور یہی ولایت تھی وہ' جسے پیغمبر کے بعد مسلمانوں نے تسلیم نہ کیا' اور دوسروں کو اپنا حاکم و فرمانروا بنا لیا' اور پیغمبر کے بعد اسی ولایت کو خدا نے مسلمانوں کا

دین کہا تھا، ور اسی دین سے یعنی علی کی ولایت سے پھر جانے کی اطلاع دی تھی، اور یہ بات ہو گئی، ورنہ علی ہرگز چوتھے نمبر پر یہ نہ کہتے کہ "الآن اذرجع الحق الٰی اصلہ" آج حق اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا ہے۔ یہ حق علیؑ کے پاس نہ رہا تھا، یہ ولایت دوسروں کے پاس چلی گئی تھی، اور ولایت تکوینی ایسی چیز نہیں ہے، جسے کوئی چھین سکے، یا شیخیوں کے کہنے سے مانی جاسکے، اگر وہ کسی کے پاس خداداد ہے، تو وہ چھن نہیں سکتی، اور اگر نہیں ہے، تو کسی کے ماننے سے مل نہیں سکتی۔

پس بالفاظ واضح ثابت ہو گیا کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں ولی سے مراد، علیؑ کا پیغمبر اکرمؐ کے بعد مسلمانوں کا حاکم و فرمانروا ہونا ہے، کیونکہ جس طرح "انما" کے حصر سے یہاں دوست مراد نہیں ہو سکتے، اسی طرح "ولیکم" کے ضمیر متصل "کم" کی وجہ سے، ولایت مطلقہ و کلیہ الٰہیہ "تمام کائنات و عوالم" پر، اور جمیع انحاء وجود اور تمام مراتب خلقت پر، اور "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" پر، اور "من الدرۃ الٰی الذرۃ" کے لئے بھی مراد نہیں ہو سکتے بلکہ یہ دلیل "ولیکم" صرف مومنین ہی کے ولی و حاکم و فرمانروا مراد ہو سکتے ہیں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا ایک اور غلط استدلال

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں ان لوگوں کو، جو مذکورہ آیہ مجیدہ میں واقع لفظ ولی کے معنی مسلمانوں کا حاکم اور پیغمبر کے بعد مومنین کا فرمانروا مراد لیتے ہیں، قواعد علمیہ سے بے بہرہ، قرآن کریم کو بصیرت اور تدبیر کے ساتھ تلاوت نہ کرنے والے، قرآن کو مغرضانہ پڑھنے والے اور اشتباہات اور خطاھائے بزرگ میں گرفتار، اور کچھ معصوم جوانوں کو اصول مذہبی میں لغزش، اور بے عقیدگی سے دوچار کرنے والے بتا کریوں رقم طراز ہیں۔

"آنہا می گویند چوں خدا ولایت پیغمبر را بر مومنین اثبات کردہ معنی اش ایں است کہ رسول اکرم (ص) برسائر موجودات ولایت ندارد۔

این بے خبران نمی دانند که ثابت شدن ولایت مطلقه حضرات معصومین (ع) بر بشر کہ اشرف مخلوقات است با ولایت آن بزرگواران بر سائر انحاء خلقت کہ در درجات نازلتر قرار دارند هیچ منافاتی ندارد"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 124)

ترجمہ: وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا نے پیغمبر کی ولایت کو مومنین پر اثبات کیا ہے' تو اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم کی تمام موجودات پر ولایت نہیں ہے۔ یہ بے خبر نہیں جانتے کہ حضرات معصومین (ع) کی ولایت مطلقہ کے بشر کے اوپر کہ جو اشرف مخلوقات ہے ثابت ہو جانے سے مخلوق کی تمام انواع و اقسام پر' جو بشر سے درجہ میں بہت پست واقع ہوئے ہیں' ان کی ولایت کے ثابت ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے بے خبر تو اوروں کو بتلایا ہے حالانکہ خود ان کی بے خبری کا عالم یہ ہے کہ "ان بے خبروں" کی دلیل تو یہ تھی کہ خدا نے پیغمبر کے بعد پیغمبر کی ولایت کو اس آیت میں صرف مومنین پر ثابت کیا ہے' اور یہی "یا ایها الذین آمنوا" کا تقاضا ہے۔ لیکن عبدالرسول احقاقی نے یہ سمجھ لیا ہے جیسا کہ ساری نوع بشر مومن ہے' حالانکہ نوع بشر میں مومنوں کے علاوہ کافر بھی ہیں' بلکہ کافر مومنوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اور کافروں کے لئے اس آیہ مجیدہ میں ولی ماننے یعنی حاکم و فرمانروا تسلیم کرنے کا حکم نہیں ہے۔

پھر مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

"بلکہ خود بخود بہ طریق اولی ثابت می گرد' و بازهم نمی دانند کہ اگر استدلال آنان صحیح باشد عین همیں ایراد بر خدائے ذوالجلال کہ مسلما ولایت کلیہ بر جمیع عوالم دارد' وارد می شود۔ زیرا نظیر همان آیہ کہ مستمسک آنان بر نفی ولایت معصومین بر عوالم خلقت است دربارئہ خدا نیز نازل شدہ است' در انجا کہ خدای ذوالجلال می فرماید: "اللہ ولی الذین آمنوا ....." (سورہ بقرہ آیہ 257) یعنی خدا ولی مومنان است۔ پس بنا بہ استدلال آنان چوں خدا در این آیہ ولایت خود را بر مومنان اثبات فرمودہ لازم می آید العیاذا باللہ بر سائر موجودات ولایتی نداشتہ باشد۔

حال این آقایان که ادعای فهم قرآن را دارند، جواب نقضی خود را از قرآن دریافت دارند، و متوجه شوند که در موقع اشکال تراشی بغض اهل بیت عصمت (ع) خیال دیدگان بی فروغشان را کور کرده که حتی آیه "الله ولی الذین آمنوا ....." را که جواب برایرادشان و از آیات بسیار مشهور قرآن است۔ و هر پیرزنی آن را از حفظ دارد و در ضمن آیت الکرسی روزی چندمرتبه آن را می خوانند۔ فراموش کرده اند۔

(ولایت از دیدگاه قرآن ص: 123-124)

ترجمہ : بلکہ (بشر کے اوپر ان کی ولایت مطلقہ ثابت ہو جانے سے) ان کی ولایت مطلقہ خود بخود بطریق اولیٰ ثابت ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اگر ان کا استدلال صحیح بھی ہو، تو پھر بالکل یہی اعتراض خدای ذوالجلال پر۔ جو مسلما تمام عوالم (یعنی عالم جمادات۔ عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم انسان عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ) پر ولایت کلیہ رکھتا ہے۔ وارد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بالکل اسی آیت کے مانند، جس سے انہوں نے تمام عوالم خلقت پر ولایت معصومین کی نفی کے لئے تمسک کیا ہے، خدا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس میں خدای ذوالجلال کا ارشاد یہ ہے کہ "الله ولی الذین آمنوا ......" (سورہ بقرہ آیہ 257) یعنی خدا مومنین کا ولی ہے۔ پس ان کے استدلال کی بنا پر چونکہ خدا نے اس آیت میں اپنی ولایت کو مومنین کے اوپر ثابت فرمایا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ (العیاذا باللہ) اس کی تمام موجودات پر ولایت نہ ہو۔

اب یہ لوگ جو قرآن فہمی کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے نقضی جواب کو قران ہی سے معلوم کرلیں، اور اس بات پر غور کریں، کہ اعتراض کرتے وقت بغض اہل بیت عصمت نے ان کی بے بصیرت آنکھوں کو ایسا اندھا کیا ہے، کہ وہ آیہ "الله ولی الذین آمنوا ......" کو بھی بھول گئے جو ان کے اعتراض کا جواب ہے۔ اور قرآن کی مشہور آیات میں سے ہے۔ اور بوڑھی عورتیں تک اس کو یاد کئے ہوتے ہیں اور آیت الکرسی کے ضمن میں اسے دن میں کئی بار پڑھتی ہیں بھلا دیا ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنے اس بیان میں بڑے جوش میں ہیں، چنانچہ انہوں نے "انما ولیکم الله...." میں ولیکم سے مراد، پیغمبر کے بعد اہل ایمان کا ولی و حاکم و

فرمانروا ماننے والے شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ پر بغض اہل بیت کا غلط اور نامناسب و ناروا الزام عائد کر کے، ان کو بے بصیرت اور اندھا کہا ہے۔ ذرا وہ خود غور کریں کہ اپنے عقیدہ تفویض کو غلط طور پر ثابت کرنے کے لئے اندھا کون ہوا ہے۔ اور فی الحقیقت بے بصیرت کون ہے؟ کیونکہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں خطاب مومنین سے ہے اور پیغمبر کے وقت تمام نوع بشر ایمان نہیں لائی تھی اور نہ ابھی تک تمام نوع بشر ایمان لائی ہے۔ بلکہ کافر اب بھی اہل ایمان سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ لہذا نوع بشر سے استدلال کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح خدا نے کافروں کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم نماز پڑھا کرو، یا روزے رکھا کرو، یا حج کیا کرو، اسی طرح انہیں یہ بھی حکم نہیں دیا کہ تم میرے رسول کو اور اس کے بعد ان کی عترت کو اپنا ولی و حاکم مانو۔

یہ صرف مومنین تھے، جس کو خدا نے نماز و روزہ و حج و زکواۃ وغیرہ کی طرح، پیغمبر کو اپنا حاکم و فرمانروا تسلیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ خدا نے یہ حکم کافروں کو نہیں دیا تھا۔ کافروں سے مطالبہ صرف ایمان لانے کا کیا جاتا تھا۔ جب وہ ایمان لے آئیں تو پھر وہ بھی اہل ایمان کے احکام میں شامل ہو جائیں۔

پس نوع بشر میں سے کافروں پر بھی حکم ولایت کا اطلاق نہیں ہوتا، تو اس سے نازل تر مخلوقات کے لئے استدلال کرنا قطعی غلط اور باطل ہے اور یہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا مکرو فریب اور دھوکہ ہے تاکہ وہ کسی طرح اپنے عقیدہ تفویض کو درست کر سکیں۔

پھر ان کا یہ کہنا کہ اگر ان کا استدلال صحیح ہو، تو یہی اعتراض خدای ذوالجلال پر بھی وارد ہوتا ہے، جو مسلما جمیع عوالم پر ولایت کلیہ رکھتا ہے، تو ان کا یہ کہنا بھی قطعی طور غلط اور باطل ہے اور ان کے دماغ سے آؤٹ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بالکل اسی آیت کے مانند جس سے انہوں نے عوالم خلقت پر ولایت معصومین کی نفی سے استدلال کیا ہے، خدا کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہے اور اس کے لئے انہوں نے آیہ مجیدہ "اللہ ولی الذین آمنوا....." کو مثال میں پیش کیا ہے۔ جسے آیت الکرسی کے ساتھ ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ اور اس آیت کو مثال میں پیش کر کے، وہ بڑے متکبرانہ انداز میں، ولی کا معنی مومنین کا حاکم و فرمانروا سمجھنے والوں کو، بے فروغ آنکھوں والا،

بغض اہل بیت رکھنے والا' اور اندھا بتلا کر کہتے ہیں' کہ ان کے استدلال کی بنا پر تو چونکہ اس آیت میں خدا نے صرف مومنین پر اپنی ولایت کو ثابت کیا ہے' لہٰذا اس سے لازم آتا ہے کہ "العیاذاً باللہ" خدا بھی تمام موجودات پر ولایت نہ رکھتا ہو۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے خیانت مجرمانہ کے ساتھ قرآن کی آیت پر چھری پھیر کر' اور قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے "لا تقربوا الصلواۃ" کی طرح اپنا مطلب نکالنے کے لئے' مذکورہ آیت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پیش کیا ہے۔ کیونکہ یہ آیت جسے مرزا عبدالرسول احقاقی نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے وہ "اللہ ولی الذین آمنوا ...." پر ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ پوری آیت اس طرح ہے۔

"اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاعوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون"

یعنی اللہ تو صرف مومنوں کا ولی ہے' وہ انہیں گمراہی کی اندھیریوں سے نکال کر' ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے' اور کافروں کے ولی طاغوت ہیں' وہ انہیں نور ہدایت سے نکال کر کفرو شرک اور گمراہیوں کی اندھیریوں میں لے جاتے ہیں' وہ سب جہنمی ہیں' اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اے مرزا عبدالرسول احقاقی' وہ تمام خطابات جو تم نے ان لوگوں کو دیئے ہیں' جو "انما ولیکم اللہ....." کی آیت میں "ولیکم" کے معنی پیغمبر کے بعد مومنین کا ولی و حاکم و فرمانروا مراد لیتے ہیں' ان سب کے مستحق اور حقدار خود آپ ہیں' اور دراصل تمہیں' اور تمام شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کو اپنے تفویض کے عقیدہ کے ثابت کرنے کے جنون نے اندھا کر دیا ہے۔

کیونکہ اس آیت میں بھی' جسے تم نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے' خدا نے تو یہ کہا ہے کہ میں تو صرف مومنین کا ولی ہوں' اور میں انہیں کفرو شرک اور گمراہیوں کی اندھیریوں سے نکال کر' نور ہدایت کی طرف لاتا ہوں' لیکن میں کافروں کا ولی نہیں ہوں' کافروں کے ولی طاغوت ہیں' کافروں کے ولی شیطان ہیں وہ انہیں نور ہدایت سے نکال کر شرک و کفراور گمراہیوں کی اندھیریوں میں پہنچاتے ہیں۔

اے احقاقی، اب تم خود ہی فیصلہ کرو، کہ تم نے شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو، جو
"انما ولیکم اللہ..." میں "ولیکم" کے معنی پیغمبر کے بعد مومنین کا ولی و حاکم
و فرمانروا مراد لیتے ہیں، بے فروغ آنکھوں والا کہا تھا۔ اور انہیں تم نے اندھا بتایا تھا
اب تم خود ہی دیکھو کہ کس کی آنکھیں بے فروغ نکلیں، اور کون اندھا ثابت ہوا۔
کیونکہ اس آیت میں تو جسے تم نے مثال میں پیش کیا ہے، خدا خود کہتا ہے کہ میں کافروں
کا ولی نہیں ہوں، کافروں کے ولی طاغوت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ولایت جس کا اس
آیت میں ذکر ہے، وہ بھی صرف مومنین کے لئے ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا ولایت کلیہ کے لئے ایک عجیب استدلال

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں ولایت کلیہ مطلقہ کے
لئے ایک عجیب استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"و ثانیا اگر بگویند کہ ولایت خدای متعال بر سموات و ارض با
دلائل دیگر بہ ثبوت رسیدہ است قبول می کنیم، و صحیح است۔
اما این را ہم باید بدانند کہ خدای متعال ولایت رسول اکرم (ص) و
ائمہ طاہرین را نیز بر تمام کائنات یعنی عالمیان و جہانیان در آیات
قرآن اثبات فرمودہ است و در این زمینہ آیات زیادی داریم از آن جملہ می
فرماید۔

و ما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین (سورہ انبیاء آیہ : 107)
یعنی اے رسول ما تورا نفرستادیم مگر این کہ برائے جہانیان
رحمت باشی، در اینجا می بینم کہ خدای متعال رحمت بودن رسول اکرم
(ص) را نہ تنہا بر مومنین بلکہ بر تمام عالمیان اعلام می فرماید۔ و این
رحمت خود از درجات ولایت، بلکہ نفس ولایت کلیہ مطلقہ است۔ و چہ
دلیل بہتر ازین کہ خدای متعال در قرآن کریم ہمان ولایتی را کہ برائے

خودا ثبات فرموده عینا برائے رسول اکرم و آئمه طاہرین نیزا ثبات کرده و گفته است:

"انما ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا ...."

که در این آیه خدا همان ولایتی را که برائے خود اثبات می فرماید، عینا برائے محمد و آل محمد (ص) نیز اثبات می کند، و مطابق قواعد ادبیات عرب، واو عطف حکم ما قبل خودرا عینا به ما بعد نقل می کند، و چوں ولایت خدای ذوالجلال بر تمام مخلوقات ولایت عامه مطلقه است همچنین ولایت رسول اکرم (ص) و آئمه طاہرین (ع) بر همان منوال و اسلوب بر همه جهانیان و ولایت عامه مطلقه است، منتها این ولایت در خدای متعال بالذات و بالاصاله است و در حضرات معصومین (ع) بالتبع و باذن و تعین خدا است"

(ولایت از دیدگاہ قرآن ص: 126-125)

ترجمہ: اور دوسرے اگر وہ یہ کہیں کہ خداوند تعالیٰ کی آسمانوں اور زمین پر ولایت دوسری دلیلوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے تو ہم یہ بات قبول کرتے ہیں، اور یہ بات صحیح ہے۔

لیکن انہیں چاہیئے کہ وہ اس بات کو جان لیں کہ خدائے تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین کی ولایت کو بھی، تمام کائنات، یعنی عالمیان اور جہانیان پر، قرآن کی آیات میں اثبات فرمایا ہے، اور اس بارے میں بہت سی آیات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (سورہ الانبیاء آیہ: 107) یعنی اے رسول ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تم جہان والوں پر رحمت ہو۔

اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) کے رحمت ہونے کو، نہ صرف مومنین پر، بلکہ تمام عالمین کے لئے بیان فرمایا ہے، اور یہ رحمت تو درجات ولایت، بلکہ نفس ولایت کلیہ مطلقہ ہے، اور اس سے بہتر اور کیا دلیل ہو گی کہ خداوند تعالیٰ نے اسی ولایت کو، جس کا خود اپنے لئے اثبات فرمایا ہے عیناً رسول اکرم

(ص) اور آئمہ طاہرین کے لئے بھی اثبات کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

"انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا ....."

کہ اس آیت میں خدا نے اسی ولایت کا، جس کا خود اپنے لئے اثبات فرمایا ہے۔ عینا محمد و آل محمد (ص) کے لئے بھی اثبات کیا ہے، اور یہ ادبیات عرب کے قواعد کے مطابق واو عطف، اپنے سے ماقبل کے حکم کو، عینا اپنے سے بعد کے لئے منتقل کرتا ہے، اور چونکہ خدای ذوالجلال کی ولایت تمام مخلوقات پر ولایت عامہ و مطلقہ ہے، اسی طرح ولایت رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین (ع)، اسی طرز پر، اسی طریقہ سے، اور اسی روش پر، تمام جہان والوں پر، ولایت عامہ مطلقہ ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ولایت خداوند تعالیٰ میں بالذات اور بالا صالہ ہے، اور حضرات معصومین (ع) میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے اور اس کے مقرر کرنے پر ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنے مذکورہ بیان میں کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہیں کہ خداوند تعالیٰ کی آسمانوں اور زمین پر ولایت دوسری دلیلوں کے ذریعہ ثابت ہے، تو ہم یہ بات قبول کرتے ہیں اور صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین (ع) کی ولایت کو بھی، قرآن کریم کی دوسری آیات میں، عالمین پر، جو ان کے نزدیک ساری کائنات کے معنی میں ہے، ثابت فرمایا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آیہ مجیدہ: "انما ولیکم اللہ..." اور آیہ مجیدہ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم..." کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا کہ واقعا ان آیات سے مراد، مومنین کا ولی و حاکم و فرمانروا ہونا ہے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ جس طرح دوسری آیات قرآن میں خدا کی ولایت کلیہ، ساری کائنات پر ثابت ہے، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین کی ولایت کلیہ کو بھی قرآن کریم کی دوسری آیات میں ساری کائنات پر ثابت فرمایا ہے۔ تو اب ہم ان کے اس استدلال پہ غور کرتے ہیں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں دو آیات پیش کی ہیں ان میں سے پہلی آیت یہ ہے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء: 107)

یعنی اے رسول ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تم جہان والوں پر رحمت ہو۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے اس آیت کے دو الفاظ سے استدلال کیا ہے ایک لفظ رحمت اور دوسرے عالمین۔

رحمت کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم (ص) کے رحمت ہونے کو نہ صرف مومنین پر بلکہ تمام عالمین کے لئے بیان فرمایا ہے اور یہ رحمت خود درجات ولایت بلکہ نفس ولایت کلیہ مطلقہ ہے۔

اور دوسرے لفظ عالمین سے انہوں نے تمام عوالم خلقت اور ساری کائنات مراد لی ہے۔

لہٰذا اب ہم نے اس سے آگے اس امر میں غور کرنا ہے کہ کیا رحمت سے مراد واقعاً نفس ولایت کلیہ مطلقہ ہے یا یہاں پر رحمت سے مراد کچھ اور ہے۔ اور اسی طرح اس امر میں غور کرنا ہے کہ عالمین سے مراد کیا ہے۔

اور دوسری آیت جو انہوں نے پھر سے دوبارہ دلیل کے طور پر پیش کی ہے وہ وہی "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا" (المائدہ: 55) ہے۔

چنانچہ وہ یہ آیت پیش کر کے ایک اور نکتہ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے بہتر اور کیا دلیل ہو گی کہ خداوند تعالیٰ نے اسی ولایت کو، جس کا خود اپنے لئے اثبات فرمایا ہے، عیناً رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین کے لئے بھی اثبات کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ادبیات عرب کے قواعد کے مطابق واو عطف اپنے سے ماقبل کے حکم کو عیناً اپنے سے بعد کے لئے منتقل کرتا ہے۔ اور چونکہ خدای ذوالجلال کی ولایت تمام مخلوقات پر عامہ و مطلقہ ہے، اسی طرح ولایت رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین (ع) اسی طرز پر، اسی طریقہ سے، اور اسی روش سے، تمام جہانیاں پر ولایت عامہ مطلقہ ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے خود اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں "تحقیق در معنی ولی" کے عنوان کے تحت تقریباً 14 معنی لکھے ہیں، پس یہ لفظ ولی کثیر المعنی لفظ ہے، اور کثیر المعنی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لئے اسے مختص بالمعنی کرنا ضروری ہے، یعنی کم از کم احقاقی صاحب کے بیان کردہ 14 معانی میں سے یہاں پر کون سا معنی مراد ہے۔ اور اس کے لئے سیاق و سباق کلام اور قرینہ قریبہ اور قرینہ بعیدہ کا خیال کرنا ضروری

ہوتا ہے۔ پس سب سے پہلے اس مقام پر استعمال ہونے والے لفظ ولی کے معنی کا تعین کرنا ضروری ہے' جب اس مقام پر استعمال ہونے والے لفظ ولی کے معنی کا تعین ہو جائے گا تو پھر یہ کہا جاسکے گا' کہ خدا نے جس معنی میں یہاں اپنے لئے لفظ ولی کا استعمال کیا ہے' اسی معنی میں محمد و آل محمد (ص) کے لئے استعمال کیا ہے' اور پھر قواعد عرب کے مطابق واو عطف کے ماقبل کا حکم مابعد پر لگایا جائے گا۔

اگرچہ ہم اس آیت کے بارے میں سابق میں۔ جہاں احقاقی صاحب نے اس کو ولایت مطلقہ کلیہ الہٰیہ کے لئے دلیل بنایا تھا۔ کافی بحث کر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس مقام پر پھر دوبارہ اس آیہ مجیدہ میں استعمال ہونے والے لفظ "ولی" کے لئے ایک اور نکتہ کے ذریعہ ولایت عامہ کی دلیل دی ہے۔ لہٰذا ہم بھی پھر دوبارہ آگے چل کر مذکورہ آیت کے سیاق و سباق کے مطابق ان کے اس نکتہ کا رد بھی پیش کریں گے۔

لیکن چونکہ انہوں نے پہلے دلیل کے طور پر ثبوت میں آیہ مجیدہ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" کو پیش کیا ہے۔ لہٰذا ہم بھی پہلے اسی آیت پر بحث کرتے ہیں اور اس بارے میں غور کرتے ہیں کہ کیا یہاں پہ رحمت سے مراد واقعاً ولایت مطلقہ کلیہ الہٰیہ ہے یا یہاں پر رحمت سے مراد کچھ اور ہے۔

رحمت سے کیا مراد ہے

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں آیہ مجیدہ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" (یعنی اے رسول ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین پر رحمت بنا کر) میں واقع لفظ رحمۃ کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ:-

"وایں رحمت خود از درجات ولایت' بلکہ نفس ولایت کلیہ و مطلقہ است"

یعنی یہ رحمت خود ولایت کے درجات میں سے ہے' بلکہ یہی نفس ولایت کلیہ مطلقہ ہے۔

ہم اس آیہ مجیدہ میں واقع لفظ رحمت کا پہلے لغت سے معنی دریافت کریں گے۔

پھر یہ دیکھیں گے کہ قرآن کی آیات میں لفظ رحمت کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

پھر سیاق و سباق کلام پر نظر ڈالیں گے اور آخر میں یہ دیکھیں گے کہ حدیث معصوم میں خصوصا اس مقام پر لفظ رحمت کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لغت میں رحمت کے معنی

راغب اصفہانی اپنی معروف کتاب "مفردات القرآن" میں لکھتے ہیں "الرحمہ" وہ رقت قلب جو مرحوم (یعنی جس پر رحم کیا جائے) پر احسان کی مقتضی ہو۔ پھر کبھی اس کا استعمال رقت قلب کے معنی میں ہوتا ہے، اور کبھی صرف احسان کے معنی میں، خواہ رقت کی وجہ سے نہ ہو۔

جیسے "رحم اللہ فلاناً....." اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ جب اس کے ساتھ ذات باری تعالیٰ متصف ہو تو اس سے صرف احسان مراد ہو گا، جیسا کہ مروی ہے:

"ان الرحمۃ من اللہ انعام، و افضال، و من الآدمیین رقۃ و تعطف"

کہ اللہ کی طرف سے رحمت اس کے انعام و افضال سے عبارت ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف سے، رقت و شفقت کے معنی میں آتی ہے، اسی معنی میں آنحضرت نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے۔

"انہ لما خلق اللہ الرحم قال لہ انا الرحمٰن و انت الرحم شققت اسمک من اسمی فمن وصلک وصلتہ و من قطعک قطعتہ"

کہ جب اللہ نے رحم پیدا کیا تو اس سے فرمایا: میں رحمٰن ہوں اور تو رحم ہے۔ میں نے تیرے نام کو اپنے نام سے اخذ کیا ہے۔ پس جو تجھے ملائے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) میں بھی اسے ملاؤں گے اور جو تجھے قطع کرلے گا میں اسے پارہ پارہ کر دوں گا۔

اس حدیث میں بھی معنی سابق کی طرف اشارہ ہے، کہ رحمت میں رقت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ پس رقت تو اللہ تعالیٰ نے طبائع مخلوق میں ودیعت کر دی ہے، اور احسان کو اپنے لئے خاص کرلیا ہے۔

تو جس طرح لفظ رحم، رحمت سے مشتق ہے، اسی طرح اس کا وہ معنی، جو لوگوں میں پایا جاتا ہے، وہ بھی اسی معنی سے ماخوذ ہے، جو اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے معنی میں بھی وہی تناسب پایا جاتا ہے جو ان کے لفظوں میں ہے۔

یہ ہیں وہ معنی جو لغت میں رحمت کے لئے بیان ہوئے ہیں۔

قرآن میں لفظ رحمت کا استعمال

قرآن کریم میں رحمت کا لفظ کئی طرح سے استعمال ہوا ہے۔ ہم چند آیات بطور نمونہ یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

نمبر1: امن یھدیکم فی ظلمت البر والبحر و من یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہء اللہ مع اللہ تعالی اللہ عما یشرکون۔ (النحل:63)

آیا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کی اندھیریوں میں تمہاری راہبری کرتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ اور اللہ ہے جن چیزوں کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ کی ذات ان سب سے بری ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے بارش کو رحمت سے تعبیر کیا ہے، اور دعوے کے ساتھ یہ کہا ہے کہ نہ تو خشکی اور سمندر کی اندھیریوں میں اس کے سوا تمہیں کوئی راہ بتلانے والا ہے، اور نہ ہی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجنے والا اس کے سوا کوئی اور ہے، اور پھر وہ اپنے بندوں سے کہتا ہے، کہ اگر تم ان باتوں کی نسبت کسی اور کی طرف دیتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اور دوسرا اللہ مان لیا ہے، (ءالہ مع اللہ) ایسا شرک کرنے والوں سے اس کی ذات بہت بلند و برتر ہے، یہ آیت پیغمبر اکرم، تمام انبیاء اور اولیاء آئمہ معصومین سمیت تمام بنی آدم سے مخاطب ہے۔

نمبر2: "قل اریتم ان جعل اللہ علیکم النھار سرمداً الی یوم القیامتہ من الہ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکتون فیہ افلا تبصرون ○ و من رحمتہ جعل

لکم اللیل والنہار لتسکنوا فیہ و تبتغوا من فضلہ و لعلکم تشکرون۔"
(القصص: 72-73)

ترجمہ: تم یہ کہہ دو کہ کیا تم نے سوچا' کہ اللہ قیامت کے دن تک کے لئے' تم پر برابر دن ہی رکھتا' تو اللہ کے سوا کون ایسا خدا ہے' جو تمہارے لئے رات کو لے آتا؟ جس میں تم آرام کرتے' کیا تم اس میں غور نہیں کرتے' اور اسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بھی بنائی اور دن بھی' تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو' اور (دن میں) تم اس کے فضل کے خواستگار ہو۔ اور تاکہ تم اللہ کا شکر کرو۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے بندوں کو اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اگر وہ قیامت تک دن ہی دن کر دیتا' تو تمہارے لئے آرام و سکون کی صورت نہ بنتی۔ لہٰذا اس نے تمہارے آرام و سکون کے لئے' رات بنائی' اور طلب معاش کے لئے دن بنایا' اور اللہ کا یہ احسان تمام انبیاء و رسل' اولیاء و آئمہ معصومین سمیت تمام اولاد آدم پر ہے۔ اگر اللہ راتیں نہ بناتا تو کوئی بھی آرام و سکون حاصل نہ کر سکتا' خواہ وہ نبی ہو یا رسول یا دوسرے لوگ اللہ کا یہ احسان سب پر یکساں ہے۔

نمبر 3: "ولئن سالتهم من خلق السمٰوت والارض لیقولن اللہ قل افرئیتم ما تدعون من دون اللہ ان ارادنی اللہ بضر ھل ھن کاشفات ضرہ او ارادنی برحمۃ ھل ھن ممسکت رحمتہ قل حسبی اللہ علیہ یتوکل المتوکلون۔"
(الزمر: 38)

ترجمہ: اور اگر تم ان سے یہ دریافت کرو گے کہ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کس نے کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے' تم کہہ دو کہ آیا تمہاری سمجھ میں یہ آتا ہے' کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے' تو جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو' آیا یہ اس کے نقصان کو رفع کر سکیں گے۔ یا وہ مجھ پر رحمت نازل کرنی چاہے' تو آیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گے (چونکہ ایسا نہیں ہے لہٰذا) تم کہہ دو کہ میرے لئے تو اللہ ہی کافی ہے بھروسہ کرنے والے تو اسی پر بھروسہ کیا کرتے ہیں۔

خدا نے اس آیت میں کفار کے ایک عقیدہ کی تصدیق کی ہے کہ اگر ان سے بھی یہ پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہ جواب دیں گے کہ

انہیں تو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شیخیہ احقاقیہ کویت سے یہ دریافت کرے، تو وہ یہ کہیں گے کہ انہیں تو محمد و آل محمد (ص) نے پیدا کیا ہے، اور وہی ساری کائنات کی علت فاعلی ہیں۔

دوسرے خدا اس آیت میں "ضر" کے مقابلے میں، رحمت کو لایا ہے جو "ضر" یعنی نقصان کی ضد کے معنی دیتا ہے، یعنی نفع۔ اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں کہ کر یہ بتلا دیا کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اور صرف خدا ہے۔ اور خدا نے اپنے تمام پیغمبروں سے بھی اس بات کی نفی میں اعلان کرایا ہے، کہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ نہ اپنے لئے اور نہ ہی دوسروں کے لئے۔ چنانچہ نفع و ضر کے بارے میں سورۂ فتح میں فرماتا ہے:

"قل فمن یملک لکم من اللہ شیًا ان اراد بکم ضراً او اراد بکم نفعا، بل کان اللہ بما تعملون خبیراً۔"

(الفتح: 11)

ترجمہ: اے رسول تم یہ کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے بارے میں کوئی نقصان چاہے یا تمہارے حق میں کوئی نفع چاہے، تو اس کے مقابلہ میں کون ہے، جس کا تمہاری خاطر کچھ بھی بس چل سکے، بلکہ اللہ تو جو عمل تم کرتے ہو، اس سے خوب واقف ہے۔

اور سورہ رعد میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قل من رب السموت والارض قل اللہ افا تخذتم من دون اللہ اولیاء لا یملکون لا نفسھم نفعا ولا ضر"

(الرعد: 16)

اے رسول تم کہو کہ آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار کون ہے تم ہی کہہ دو کہ اللہ ہے۔ (پس) تم ان سے کہو کہ کیا تم نے اس کو چھوڑ کر ایسو کو اپنا ولی بنایا ہے جو نہ تو خود اپنے کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی نقصان کا۔

اس آیت میں "رب السموت والارض" کے مقابلہ میں "افا تخذتم من دون اللہ اولیاء" کہا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ یہاں ولی کے معنی رب کے ہیں اسی لئے کسی کو خدا کے سوا ولی ماننے کی مذمت کی ہے۔ دوسرے یہ آیت یہ بتلاتی ہے کہ نفع

و نقصان اللہ کی ربوبیت سے متعلق ہے' اور اس کے سوا اور کوئی بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے۔

امیر المومنین کا ایک خطبہ نہایت ہی بصیرت افروز ہے' جب آپ نے خوارج کے خلاف جنگ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا' تو ایک نجومی نے آپ کو اپنے علم نجوم کی رو سے ناکامی کی پیش گوئی کی' اس پر آپ نے فرمایا:

"اتزعم انک تهدی الی الساعۃ التی من سار فیها صرف عنه السوء' و تخوف من الساعۃ التی من سار فیها حاق به الضر؟ فمن صدق بهذا فقد کذب القرآن' واستغنی عن الاعانۃ باللّٰه' فی نیل المحبوب و دفع المکروه۔ و تبغی فی قولک للعامل بامرک' ان یولیک الحمد دون ربه لانک بزعمک انت هدیته الی الساعۃ التی نال فیها النفع وامن من الضر"

(نہج البلاغہ خطبہ 77 ص: 206)

ترجمہ: کیا تمہارا یہ خیال ہے' کہ تم اس گھڑی کا پتہ دیتے ہو' کہ اگر کوئی اس میں نکلے تو اس کے لئے کوئی برائی نہ ہو گی' اور اس لمحے سے خبردار کرتے ہو' کہ اگر کوئی اس میں نکلے' تو اسے نقصان درپیش ہو گا۔ تو جس نے اسے صحیح سمجھا اس نے قرآن کو جھٹلایا' اور مقصد کے پانے اور مصیبت کے دور کرنے میں اللہ کی مدد سے بے نیاز ہو گیا۔ تم اپنی ان باتوں سے یہ چاہتے ہو' کہ جو تمہارے کئے پر عمل کرے' وہ اللہ کو چھوڑ کر تمہارے گن گائے' اس لئے کہ تم نے اپنے خیال میں اس ساعت کا پتہ دیا کہ جو اس کے لئے فائدہ کا سبب اور نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ بنی۔

بہرحال نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے اور اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے جہاں دوسرے انبیاء سے یہ اعلان کرایا کہ وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں وہاں خداوند تعالیٰ نے خود پیغمبر اکرم (ص) سے بھی یہ اعلان کرایا ہے کہ:

"قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللّٰه" (الاعراف: 188)

اے رسول تم یہ کہہ دو کہ میں خود اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ سوا اس کے جو خدا چاہے۔

مذکورہ تفصیل "ضر" کے مقابلہ میں "رحمہ" کی تشریح کے ضمن میں بیان کی گئی

ہے۔ اب ہم پھر رحمت سے متعلق آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نمبر 4: "وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الیٰ موسیٰ الامر وما کنت من الشاھدین، ولکنا انشانا قرونًا فتطاول علیھم العمر۔ وما کنت ثاویًا فی اہل مدین تتلوا علیھم آیتنا ولکن کنا مرسلین۔ وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون۔" (القصص: 44 تا 46)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جس وقت ہم نے موسیٰ کا معاملہ طے کیا ہے اس وقت تم تو طور کی غربی جانب موجود نہ تھے، اور نہ تم (اس معاملہ کے) معائنہ کرنے والوں میں سے تھے، لیکن ہم نے بہت سے گروہ پیدا کئے، پھر ان کے اوپر ایک زمانہ گذر گیا۔ اور نہ تم اہل مدین میں ہی مقیم تھے کہ ان کے متعلق ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے۔ بلکہ ہم ہی ان میں رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور جس وقت ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تم اس وقت بھی طور کے کسی سمت میں موجود نہ تھے (بلکہ اس علم کا تم کو ملنا تو) تمہارے پروردگار کی طرف سے رحمت ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ڈراؤ جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے، تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ان آیات میں پہلے نمبر پر شیخیہ احقاقیہ کویت کے اس عقیدہ کا رد ہے، کہ محمد و آل محمد (ص) اس دنیائے ظاہر میں آنے سے پہلے بھی شکل بدل بدل کر آتے رہے ہیں۔ اور سابقہ تمام انبیاء کے حالات۔ بچشم خود دیکھتے رہے ہیں اور نہ صرف ہر آن حاضر و ناظر رہے ہیں بلکہ ان کی مدد بھی کرتے رہے ہیں۔ دوسرے ان آیات میں خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس وقت حاضر و ناظر نہ ہونے کے باوجود، اب وحی کے ذریعہ ان حالات و واقعات سے آگاہ کرنے، اور گذرے ہوئے زمانے کے واقعات کا علم عطا کر کے احسان جتایا ہے۔ اور اس احسان کے لئے اس نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ "رحمت" ہے جو لغت میں اسی طرح سے بیان ہوا ہے۔

نمبر 5: اور سورہ قصص ہی کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولقد آتینا موسیٰ الکتب من بعد ما اھلکنا القرون الاولیٰ بصائر للناس وھدی ورحمۃ لعلھم یتذکرون۔" (القصص: 43)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو، بعد اس کے کہ ہم پہلے زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر چکے تھے، ایسی کتاب عطا فرمائی جو لوگوں کے لئے بصیرت تھی، اور ہدایت و رحمتؑ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت میں اس اصول کے مطابق جو مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں ص 126 پر نقل کیا ہے، رحمت کے معنی "ہدایت" بنتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ: "مطابق قواعد عرب واو عطف، حکم ما قبل را عینا بہ ما بعد نقل می کند" یعنی عربی قواعد کے مطابق واو عطف سے پہلے لفظ کا حکم عینا ما بعد کے لفظ پر منتقل ہوتا ہے پس اس آیت میں بھی "ھدی" و "رحمۃ" کے درمیان واو عطف ہے پس اس قاعدے کی رو سے رحمۃ کے معنی ہدایت ہوئے اور پھر "بصائر للناس" اور "ھدی" کے درمیان واو عطف ہے پس ھدی کے معنی قاعدے کے مطابق "بصائر للناس" یعنی لوگوں کے لئے دلیلیں ہوا۔ اور وہ موسیٰ کی کتاب توریت ہے، جو انسانوں کے لئے رحمت بھی ہے، ہدایت بھی ہے، اور دلیلیں بھی ہے۔

نمبر6: اور سورہ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ما کان حدیثا یفتریٰ، ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شئی وھدی ورحمۃ لقوم یومنون" (یوسف:111)

ترجمہ: یہ کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ جو اس سے پہلے ہے اس کی تصدیق ہے۔ اور ہر چیز کی تفصیل ہے، اور جو لوگ ایمان لائے ان کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

اس آیت میں بھی ھدی اور رحمۃ کے درمیان واو عطف ہے جو ما قبل کا حکم ما بعد پر منتقل کرتا ہے پس یہاں بھی رحمت سے مراد ہدایت ہے۔

ان تمام آیات میں رحمت بارش کے معنی میں آیا ہے اور رات اور دن کو خلق کرنے میں، خدا کا احسان جتلانے کے لئے آیا ہے ضر کے مقابلہ میں نفع کے معنی میں آیا ہے، وحی کے ذریعہ سابقہ انبیاء کے حالات و واقعات بتلانے کے معنی میں آیا ہے، موسیٰ کی کتاب توریت کے لئے آیا ہے اور اسے ہدایت و رحمت بتلایا ہے۔ اور قرآن کے

لئے آیا ہے اور اسے بھی ھدی و رحمت کہا ہے یعنی قرآن رحمت ہے اس معنی میں کہ اس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

آیہ مجیدہ "وما ارسلناک الا رحمۃللعالمین" کا سیاق وسباق

آیہ مجیدہ: "وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین" سے پہلی دو آیتوں میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون' ان فی ھذا لبلاغاً لقوم عابلین۔" (الانبیاء:105-106)

ترجمہ: اور بیشک زبور میں ہم نے نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ (آخر میں) میرے نیک بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے۔ بیشک اس میں خدا پرست لوگوں کے لئے ضروری طور پر ایک خبر ہے۔

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی روایات میں اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہ آیت امام آخر الزمان حضرت امام ہادی مھدیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور مذکورہ خبر دینے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر۔

لہٰذا اہل سنت اور اہل تشیع کے مفسرین نے یہاں پر رحمت سے یہ مراد لیا ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور سے پہلے یا قیام قیامت سے پہلے اس امت کے کافروں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اہل سنت کے ایک معروف عالم و مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں پیغمبر کے رحمت ہونے کی ایک تفسیر اس طرح لکھی ہے:

"حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام و مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔"

(تفسیر عثمانی: 428)

اور آیہ مذکور کا سیاق و سباق بھی یہی کہتا ہے کہ آخر زمانے میں امام مہدی اور ان

کے اصحاب کی زمین پر حکومت کی خبر دے کر یہ بتلایا ہے کہ اس امت کو اس سے پہلے عذاب نہیں کیا جائے گا۔ اور تمہیں آخر زمانے تک کے تمام لوگوں کے لئے اس طرح رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے کہ ان کو تمہاری بات نہ ماننے پر عذاب نہیں کیا جائے گا اور یہی بات حدیث معصومین علیہم السلام سے ثابت ہوتی ہے جسے ہم اگلے عنوان کے تحت بیان کر رہے ہیں۔

حدیث معصومین سے رحمت للعالمین کے معنی

احتجاج طبرسی میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے۔ جو کسی زندیق کے جواب میں ہے۔ اس زندیق کے سوالات میں سے ایک یہ تھا کہ جب خدا تعالٰی اپنے نبی سے یہ کہتا ہے وما ارسلناک الا رحمہ للعالمین اور پھر آپ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایمان کے مخالف بہت سے گروہ موجود ہیں، جن میں کچھ کفار ہیں اور کچھ کفار کے قائم مقام۔ اور آج تک اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی اور آنحضرت ان کے لئے رحمت ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ سب ہدایت پا جاتے، اور ان کو آتش جنہم سے نجات ہو جاتی، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خدا تعالٰی کے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کو اس زمانے والوں کو مہلت دینے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور آنحضرت کے پہلے جتنے انبیاء ہوئے وہ درگزر کے لئے مبعوث نہ ہوئے تھے۔ بلکہ نہ ماننے والوں کے لئے صریح عذاب پہنچا دینے کے لئے، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا، کہ جب کسی نبی نے حکم خدا سنایا، اور ان کی قوم نے مان لیا، تو وہ بھی محفوظ رہتے تھے اور ان کے گھر کے تمام لوگ بھی، اور اگر اس حکم کی مخالفت کرتے، تو وہ بھی ہلاک ہوتے تھے، اور ان کے گھر کے تمام لوگ بھی، اور اسی عذاب سے ہلاک ہوتے تھے، جس سے ان کا نبی ڈراتا تھا۔ اور اس کے نازل ہونے کا وعدہ سناتا تھا، خواہ وہ زمین کا دھنسنا ہو۔ یا پتھروں کا برسنا ہو، بھونچال کا آنا ہو، یا آندھی کا، یا زلزلہ کا، یا اور طرح طرح کے عذاب ہوں، جن سے پہلی امتیں ہلاک کی گئیں۔ اور خدا تعالٰی نے ہمارے نبی کو، اور جو جتنیں ان کے بعد زمین میں ہونے والی ہیں ان کو، وہ صبر تعلیم فرمایا تھا، جو ان سے پہلے کسی نبی

سے نہیں بن پڑا تھا' پس خدا تعالیٰ نے آنحضرت کو اس شان سے مبعوث فرمایا' کہ ہدایت بھی کر دیں اور درگزر بھی' مگر عذاب کی صراحت نہ فرمائیں' پس آنحضرت نے اللہ کی حجت کو اپنے وصی کے بارے میں ہدایہ درگزر کے ساتھ ثابت کر دیا' اور یہ فرمایا (من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ) جس کا میں مالک و آقا ہوں پس یہ علی بھی اس کا آقا اور مالک ہے۔ اور یہ بھی فرمایا: وھو منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"

اور اس کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اور نبی کے اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ ایسی کوئی بات منہ سے نکالے' جو بے معنی ہو۔ پس امت پر یہ جاننا لازم ہو گیا' کہ ہارون میں نبوت بھی موجود تھی اور موسیٰ کے حقیقی بھائی بھی تھے' تب خلیفہ مقرر کئے گئے۔ اور جس کو آنحضرت نے مقرر کیا وہ نہ نبی ہے' اور نہ حقیقی بھائی' پھر بھی اس کو منزلت ہارونی عطا کی' تو ضرور ہے کہ اس کو اپنی امت پر اسی طرح خلیفہ مقرر کیا ہو' جیسا کہ موسیٰ نے ہارون کو کیا تھا۔ جب ان سے فرمایا تھا اخلفنی فی قومی (تم میری قوم میں میرے جانشین بنو) اور اگر آنحضرت ان سے یوں فرماتے کہ فلاں شخص کے سوا کسی دوسرے کو امام نہ سمجھنا' ورنہ تم پر عذاب نازل ہو گا۔ تو غیروں کو خلیفہ بنا لینے کی صورت میں' ضرور عذاب نازل ہوتا۔ پس آنحضرت کے رحمۃ للعالمین ہونے کے یہی معنی ہیں' کہ اس امت کو ڈھیل دی گئی ہے' اور مہلت دی گئی ہے' اور ان کا عذاب صرف آخرت پر رکھا گیا ہے۔

قارئین محترم! امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نزدیک یہ ہے مطلب' پیغمبر اکرم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا' پس لغت سے' قرآنی آیات سے' سیاق و سباق کلام الٰہی اور حدیث معصوم سے ثابت ہو گیا' کہ رحمت کا مطلب کیا ہے اور اس کے شیخیہ احقاقیہ کویت کے وضع کردہ مطلب ولایت تکوینی سے یا مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے دور کا بھی تعلق و واسطہ نہیں ہے اور وہ اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کرنے کے لئے نئی نئی اصلاحات گھڑتے ہیں' اور قرآن کریم کی آیات کو زبردستی اپنے مطلب پر چپکانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اور انہیں کوششوں میں سے ایک عالمین کا معنی اپنے مطلب کے

مطابق کرنا ہے۔ لہٰذا ہم اب عالمین کے معنی و مراد کی تحقیق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس لفظ کے معنی کرنے میں بھی شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت نے بڑی فریب کاری سے کام لیا ہے۔ اور اچھے بھلے علماء کہلانے والے حضرات کو بھی اس دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے۔

عالمین کا مطلب کیا ہے

مرزا عبدالرسول احقاقی پہلے تو "اللہ ولی الذین آمنوا ...." کے ذریعہ دھوکہ دیتے ہوئے یہ دلیل لائے، کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ...." میں خطاب مومنین سے ہے، اور اس سے آئمہ اطہار صرف مومنین کے ولی قرار پاتے ہیں، نہ کہ تمام کائنات کے، تو پھر "اللہ ولی الذین آمنوا ....." کی آیت سے خدا کو بھی صرف مومنین کا ولی ماننا پڑے گا، چنانچہ ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ ان کی یہ دلیل بھی غلط ہے، اس معنی میں کہ اللہ نے صرف مومنین کا ولی ہونے کا ہی دعویٰ اور اعلان کیا ہے، اور کافروں کا ولی ہونے کا انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ میں تو مومنین کا ولی ہوں، اور کافروں کا ولی طاغوت ہے، اور شیطان ہے، لیکن عبدالرسول احقاقی نے اہل ایمان کو دھوکہ دینے کے لئے "لا تقربوا الصلواۃ" کی طرح آیت کا صرف اپنے مطلب کا ٹکڑا لے کر اپنے مطلب کے معنی نکالنے کی جسارت کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے غلط عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے لفظ عالمین کو غلط معنی پہنائے ہیں۔ لہٰذا ہم عالمین کا صحیح معنی و مفہوم معلوم کرنے سے پہلے اپنے قارئین کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دراصل عالمین سے شیخیہ احقاقیہ کویت کا مطلب کیا ہے اور وہ یہ مطلب کیوں لیتے ہیں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کے جد امجد مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق کے صفحہ 286 پر "مقالہ السادستہ فی النبوۃ العاملہ" کے بیان میں پیغمبر اکرم کی نبوت عامہ کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما سید الانبیاء فنبوتہ التشریعہ عامۃ مطلقۃ من زمانہ الی یوم

القیامۃ فی الظاہر بلا خلاف فیہ احد من المسلمین وفی الباطن ونفس الامر نبوۃ عامۃ علی جمیع الازمان والعوالم قبلا و بعد بل و جمیع الموجودات والاشیاء من الدرۃ الی الذرہ۔ کما ھو الحق وبالجملہ نبئی علی ما سوی اللہ بلا استشناء شئی والروایات الکثیرۃ الصریخۃ فی سبق نورہ او روحہ او عقلہ علی العوالم دالۃ علی ذالک وغیرھا من طوائف

(احقاق الحق ص 286 سطر 15 تا 21)

ترجمہ : اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے' اور کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے' کہ سید الانبیاء کی نبوت تشریعیہ عامہ مطلقہ ہے۔ خود ان کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لئے۔ اور باطن میں اور نفس الامر میں آپ کی نبوت عام ہے' ہر زمانے کے لئے۔

(خواہ وہ زمانہ گزر چکا ہو یا بعد میں آنے والا) بلکہ آپ کی نبوت تمام موجودات اور تمام اشیاء کے لئے ہے درہ سے لے کر ذرہ تک' اور یہی بات حق ہے' اور آپ بلا کسی استثنا کے سوائے خدا کے ہر شے کے نبی ہیں اور بہت سی صریح روایات ایسی موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہے' کہ آپ کا نور یا آپ کی روح یا آپ کی عقل تمام عوالم سے اول و سابق مخلوق ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی روایات موجود ہیں۔

موسیٰ اسکوئی کے اس بیان میں کہ :۔

"تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے' اس بات میں کہ سید الانبیاء کی نبوت تشریعیہ عامہ مطلقہ ہے' خود ان کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لئے۔"

ایک اشتباہ ہے' اور وہ اشتباہ یہ ہے' کہ اگرچہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے' اور کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے' کہ سید الانبیاء کی نبوت تشریعیہ عامہ مطلقہ ہے خود ان کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے لئے۔ اور یقیناً اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے' کہ تمام مسلمان پیغمبر اکرم کو خاتم الانبیاء مانتے ہیں' اور ان کا ایمان ہے یہ کہ اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب قیامت تک کے لئے آپ ہی کی نبوت و رسالت جاری ہے اور پہلے زمانہ کے انبیاء اپنی اپنی قوم کے لئے آتے تھے مگر پیغمبر اکرم کی نبوت تمام بنی نوع

انسان کے لئے ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں آیا ہے کہ :-

"قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (الاعراف : 158)

یعنی اے کل انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ یعنی عرب ہوں یا عجم۔ کالا ہو یا گورا کسی قوم سے ہو یا کسی ملک سے ہو آپ سب انسانوں کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کے نزدیک عامہ مطلقہ سے صرف یہی مراد ہے۔

لیکن عامہ مطلقہ سے شیخیہ احقاقیہ کویت کی مراد یہ نہیں ہے' بلکہ عامہ مطلقہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی نبوت تمام عوالم کے لئے ہے یعنی حیوانات کے لئے بھی نباتات کے لئے بھی اور جمادات کے لئے بھی۔ جیسے انہوں نے اپنے اسی بیان میں کھل کر بیان کر دیا ہے کہ آپ کی نبوت عام ہے ہر زمانہ کے لئے اور ہر عالم کے لئے اور پھر عالم کو مزید کھول کر بیان کیا کہ : "بلکہ آپ کی نبوت تمام موجودات اور تمام اشیاء کے لئے ذرہ سے لے کر ذرہ تک ہے اور یہی بات حق ہے۔"

قارئین محترم شیخیہ احقاقیہ کویت نے تمام موجودات اور تمام اشیاء کہہ کر بات صاف کر دی ہے' اور اگر اب بھی کسی کے سمجھ میں نہ آئے' تو انہوں نے اور آگے بڑھ کر اس مطلب کو اور صاف کر دیا ہے' اس طرح کہ آپ بلا کسی استثناء کے' سوائے خدا کے' ہر شے کے لئے نبی ہیں۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی کتاب "نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور نوع بنی و امام" میں اور العقائد الحقیہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ لیکن اس مقام پر آپ خود بھی غور کر سکتے ہیں' کہ ہر شے کو کسی نبی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور قارئین کرام مجھے معاف کریں گے یہ کہنے سے کہ ہر شے میں کیا کیا چیزیں آ سکتی ہیں۔ بلکہ شیخیہ احقاقیہ کویت خود بھی اپنے مقام پر غور کریں' کہ ہر شے میں کیا کیا چیزیں آ سکتی ہیں' بلا استثناء شئی جب کہ کوئی چیز مستثنیٰ نہ ہو۔ اور غور کرنے کے بعد مجھے بتلائیں کہ کیا تمام نجس اشیاء جن کا میں نام لکھنا مناسب نہیں سمجھتا' شے ہیں یا نہیں؟ اور خود ہی یہ بھی غور کریں' کہ انہیں کسی نبی کی کیا ضرورت ہے۔ مثلاً انسان کا پاخانہ بھی ایک شے ہے' اور کتنے کا گو بھی ایک شے ہے' وغیرہ وغیرہ اور ان کے نزدیک' بلا استثناء شی' آپ ہر شے کے نبی ہیں' تو بتلایئے

آپ کو ان نجس اشیاء کا نبی کہنا کوئی فضیلت ہے، یا ان کی شان میں انتہائی سخت گستاخی ہے، اور یہ بھی غور کریں کہ ان چیزوں کو کسی نبی کیا ضرورت ہے؟

شیخیہ احقاقیہ کویت شیخ احمد احسائی کے مبنی پر تفویض عقائد و نظریات کی اندھے بن کر تبلیغ کر رہے ہیں، اور خود کو شیعہ ظاہر کر کے، اور شیعت کا لبادہ اوڑھ کر، شیعوں کے منبروں پر، اپنی تاویلات سے، ان خرافات کو فضائل آل محمد کے نام سے بیان کر رہے ہیں، اور پاکستان کے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے انہوں نے ابلیس کا چارج سنبھال لیا ہے۔

چونکہ شیخ احمد احسائی نے پیغمبر اکرم (ص) کو ہر شے کا نبی کہا ہے لہذا شیخیہ احقاقیہ کویت بھی شیخ احمد احسائی کی اندھی پیروی کرتے ہوئے آنحضرت کو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ہر شے کا نبی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ایسے الفاظ سے جن سے سادہ لوح شیعہ عوام کو اشتباہ ہو سکتا ہے، دھوکہ میں ڈال کر اپنے عقیدہ اور نظریہ کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔

اور شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت، میں اور اپنی دوسری کتابوں میں، اس موضوع کو بڑے اصرار کے ساتھ بیان کیا ہے چنانچہ اس کی ایک عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

شیخ احمد احسائی کے نزدیک ہر شے کا نبی

شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح زیارت میں لکھتا ہے کہ :۔

"الثالث معرفۃ المدعو بہ قد اشرنا سابقا و صرحنا فی کثیر من رسائلنا و مباحثاتنا ان کل شی امم امثالکم و ان من امۃ الا خلد فیھا نذیر، وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم فکل شئی من الخلق رعیۃ و غنم للعلل الکاملۃ و الامثال العلیا، فالمبلغ عن اللہ منھم و مع علو شانھم و ارتفاع مکانھم لہ حالتان:

الاولی لہ ان یتنزل المقام الذی فیہ المدعو فید عوہ بلسانہ و یبین لہ

بلغتہ سواء کان جماداً او نباتاً او حیواناً ذاتاً او صفتاً عیناً او معنی
الثانیہ ان یرفع المدعو حتی یخاطبوا فی مقام الانسانیہ وان کان
من کل صف من الخلائق" (شرح زیارت ص 60 سطر 10 تا 13)

ترجمہ: تیسرے دعوت دینے والے کی معرفت، اور جیسا کہ ہم نے سابقہ اوراق میں اشارہ کیا ہے، اور بہت سے رسالوں اور مباحثوں میں اس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ کل اشیا تمہاری طرح کی امتیں ہیں، اور کوئی امت ایسی نہیں ہے، جس میں کوئی ڈرانے والا نبی نہ آیا ہو (اور خدا کا ارشاد ہے کہ) ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس قوم کی زبان میں تبلیغ کیا کرتا تھا، جس کی طرف اسے بھیجا جاتا تھا، تاکہ وہ انہیں وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کر سکے۔

پس کل اشیاء مخلوقات میں سے علل کاملہ اور امثال العلیا (یعنی محمد و آل محمدؐ) کی رعیت ہیں۔ پس اللہ کی جانب سے کل اشیاء کو تبلیغ کرنے والے ان (محمد و آل محمدؐ) میں سے ہی ہوں گے۔ اور ان کی علو شان اور بلندی مرتبہ کے ساتھ ان کی دو حالتیں ہوں گی۔

"الاولیٰ" پہلی صورت ان کے لئے یہ ہے کہ وہ اس مقام میں تنزل کرتے ہیں (یعنی اس چیز کی شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں) کہ جس میں اس امت کا وہ فرد ہے، جس کو تبلیغ احکام کرنی ہے، پس وہ اس کی صورت میں، اس کی شکل میں، اس کے لباس میں، اس کے مرتبہ، پہنچ کر اس کی اپنی زبان میں، اس سے خطاب کرتے ہیں، اور اس کی اپنی زبان میں، بیان کرتے ہیں۔ اور اس بات میں سب برابر ہیں، خواہ وہ امت جمادات ہو یا وہ امت بناتات ہو یا وہ امت حیوانات ہو، ذات ہو یا صفت ہو عینا ہو یا معنی ہو۔

"الثانیتہ" دوسری صورت یہ ہے کہ جس چیز کو دعوت دینی ہو اس چیز کو اس کے اپنے مقام سے بلند مرتبہ میں لا کر، اور اس کو شکل انسانی اور لباس انسانی میں لا کر، مقام انسانی میں مجانست، انسانی کے لحاظ سے، اس کے ساتھ خطاب کریں، خواہ وہ چیز مخلوقات کی کسی بھی صنف سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہو۔

قارئین محترم! شیخ احمد احسائی کے بیان کی مزید تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ خود ہی غور کریں۔ لیکن صحیح قرآنی و اسلامی و شیعی عقیدہ یہ ہے کہ جمادات و

نباتات و حیوانات میں سے کوئی سی بھی مخلوق مکلف نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ تو کسی نبی کی ضرورت ہے' اور نہ ہی انہیں کسی اور ہادی کے ذریعہ ہدایت دینے کی ضرورت ہے' بلکہ خداوند تعالیٰ نے ان کو فطری طور پر ایسا پیدا کیا ہے' کہ وہ اپنی ضرورت کو پہنچانتے ہیں۔

لیکن شیخ احمد احسائی مخلوقات کی ہر نوع ہر جنس اور ہر شے کو مکلف قرار دیتا ہے اور ہر چیز کے لئے نبی و رسول کی ضرورت کو لازمی سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب شرح زیارت میں لکھتا ہے کہ :۔

"عرفت ان جمیع الا شیاء مکلفۃ با لا ختیا ر و ان منھم المطیع و منھم العا صی۔ و عرفت من ھذا و من الکتا ب وا لسنہ وا لعقل و الآیا ت فی الا نفس و الآفا ق با ن اللہ سبحا نہ قد جعل علی کل شئی رقیباً و شا ھداً و ھم علیھم السلا م الشھدا ء علی سا ئر الخلق۔"

(شرح زیارت ص 123 سطر 21 تا 23)

یعنی اب تم نے یہ جان لیا ہے کہ بیشک تمام اشیاء مکلف ہیں اور صاحب اختیار ہیں۔ اور ان میں اطاعت گذار بھی ہیں' اور ان میں گنہگار بھی ہیں' اور تم نے اس سے بھی' اور کتاب و سنت سے بھی' اور عقل سے بھی' اور انفس و آفاق کی آیات سے بھی' یہ جان لیا ہے' کہ خدا نے ہر چیز کے اوپر نگہبان اور شاہد مقرر کیا ہے' اور آئمہ علیہم السلام تمام مخلوق کے اوپر شاہد ہیں۔

اور چونکہ شیخ احمد احسائی آئمہ علیہم السلام کو ہی ازل سے ابد تک کی تمام چیزوں کا ہادی قرار دیتا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ ہر زمانہ میں موجود رہیں پس وہ انہیں تمام کائنات میں جمیع عوالم کو دعوت دینے والا اور ہر نوع اور ہر جنس میں ظہور کرنے والا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

قیلہ علیہ السلا م لقرن قرن و زمن زمن یشیر الیٰ ان اللہ سبحا نہ جعلھم الدعا ۃ با لحق الیہ فی جمیع العوا لم الا لف الف و فی جمیع الا وقا ت یظھرون فی کل عا لم من جنسہ ظا ہراً و ببسر علتہ و قیو میتہ با طناً ۔

(شرح زیارت ص 34 سطر 1 تا 2)

یعنی امام علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ قرن قرن و زمن زمن' تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جمیع عوالم میں جو ہزار در ہزار ہیں حق کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے' اور وہ تمام زمانوں میں اور ہر عالم میں (یعنی عالم جمادات میں اور عالم نباتات میں اور عالم حیوانات میں اور عالم انسان میں) ان ہی کی جنس میں (فی کل عالم من جنسہ) ظہور کرتے رہتے ہیں یہ ظہور کرنا باعتبار ظاہر کے تھا ورنہ سرعلت کے اعتبار سے باطنی طور پر قیوم وہی ہیں۔

شیخ احمد احسائی نے جہاں یہ عقیدہ پیش کیا' کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام ہر زمانے میں' ہر جنس میں' اور نوع میں' اور ہر عالم میں' یعنی عالم جمادات میں' اور عالم نباتات میں' اور عالم حیوانات میں' اور عالم انسانی میں' ان ہی کی نوع میں' اور ان ہی کی جنس میں' ظہور کرتے رہے' وہاں یہ عقیدہ بھی پیش کیا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے ہادی آئے' یا آنے والے ہیں' وہ سب کے سب محمد و آل محمدؐ ہی' مختلف زمانوں میں' مختلف شکلوں میں' اور مختلف صورتوں میں' شکل بدل بدل کر آتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم شیخ احمد احسائی کی شرح زیارت سے اس کی تین عبارتیں ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

نمبر1: شیخ احمد احسائی شرح زیارت میں لکھتا ہے۔

"واما ان الانبیاء الماضین وامعهم من المومنین قداستجابوا الله قبل ان یوجد محمد و آل محمد صلی الله علیه و آله فی الدنیا فلیس کذالک بل انهم صلی الله علیه و آله یظهرون فی کل عالم کما شآءوا لانهم المعلمون للخلق و لا یجوز ان یفرض ان احداً سبقهم علی خیر قط من الاولین والآخرین"

(شرح زیارت ص 145 سطر 2 تا 4)

ترجمہ : اور یہ بات کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے' اور ان کی مومن امتوں نے' محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس دنیا میں پیدائش سے پہلے اللہ پر ایمان قبول کیا ہو' ایسا نہیں ہے' بلکہ محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی' ہر عالم میں' اور ہر زمانے میں' جس شکل میں چاہیں' اور جس صورت میں چاہیں' ظہور کرتے رہتے ہیں'

کیونکہ وہ اللہ کی مخلوق کے لئے معلم ہیں۔ اور یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں ہے' کہ یہ فرض کیا جائے' کہ دنیا میں بھی' کسی نے امر خیر میں ان پر سبقت کی ہو گی' نہ تو اولین میں سے کوئی دنیا میں اللہ پر ایمان لانے میں سابق ہوا' نہ ہی آخرین میں سے کسی نے ان پر سبقت کی۔

نمبر2: شیخ احمد احسائی اس کے بعد اپنی اسی کتاب شرح زیارت کے اسی صفحہ پر یہ بتلاتا ہے کہ وہ ہر زمانہ میں کس کس شکل میں ظہور کرتے تھے اس کے لئے وہ مفوضہ کی گھڑی ہوئی ایک روایت نقل کرتا ہے کہ یہ حضرت علی نے فرمایا ہے۔

"وانا کلمت علی لسان عیسیٰ ابن مریم فی المھد وانا آدم وانا نوح وانا ابراھیم وانا موسیٰ وانا عیسیٰ وانا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ' انتقل فی الصور کیف اشاء من رانی فقدر آھم ومن راھم فقدرانی" الخ۔

(شرح زیارت ص 145 سطر 15 تا 16)

یعنی گہوارے میں عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے میں نے ہی کلام کیا تھا' اور آدم بھی میں ہی ہوں' نوح بھی میں ہی ہوں' موسیٰ بھی میں ہی ہوں' عیسیٰ بھی میں ہی ہوں' اور محمد بھی میں ہی ہوں' میں جس صورت میں' اور جس شکل میں چاہتا ہوں' آتا رہتا ہوں' جس نے مجھے دیکھا' اس نے انہیں دیکھا' اور جس نے انہیں دیکھا' اس نے مجھے دیکھا۔

نمبر3: پھر مفوضہ کی گھڑی ہوئی ایسی ہی روایات کو نقل کرنے کے بعد' حضرت علی کی طرف منسوب ایک روایت کو اس طرح نقل کرتا ہے' کہ یہ حضرت علی نے فرمایا ہے۔

"ولا تفرقوا بیننا فانا نظھر فی کل زمان ووقت وآوان فی ای صورۃ شئنا باذن اللہ عزوجل"

(شرح زیارت ص 145 سطر 20)

یعنی تم ہمارے درمیان فرق نہ جانو' کیونکہ ہم ہر زمانے میں' اور ہر وقت اور ہر گھڑی' ہر آن' جس صورت میں ہم چاہتے ہیں' اللہ عزوجل کے حکم سے' اسی صورت میں ظہور کرتے رہتے ہیں۔

قارئین محترم! کوئی شیعہ اس قسم کی روایات کی حضرت علی کی طرف نسبت کو قبول

نہیں کر سکتا۔ یہ سب مفوضہ کی گھڑی ہوئی ہیں اور ان روایات سے ثابت ہے کہ مفوضہ بھی استقلالی تفویض کے قائل نہ تھے بلکہ وہ بھی آئمہ طاہرین کو حادث اور خدا کی مخلوق مانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ سب اختیارات ان کو خدا کے اذن سے حاصل ہوئے ہیں۔ اور اسی تفویض کو آئمہ اطہار اور تمام شیعہ علمائے ابرار نے شرک قرار دیا ہے۔ اور یہی شرک ہے وہ، جس کا عقیدہ شیخیہ احقاقیہ کویت رکھتے ہیں لیکن وہ اس تفویض کو جائز تفویض کہتے ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ شیخ احمد احسائی نے یہ سارے پاپڑ کس لئے بیلے تو اس کے دعاوی پر ایک نظر ڈالنے سے ہر تحقیق کرنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے یہ سارے پاپڑ اس لئے بیلے ہیں تاکہ اس بات کے ماننے میں کوئی دشواری نہ رہے کہ اب اس کے زمانے میں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شیخ احمد احسائی کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ جیسا کہ شیخ احمد احسائی کے شاگرد کاظم رشتی نے لکھا ہے کہ :-

الاسم ہوا لظہور یعنی لہ ظہوران

یعنی نام ظہور کی علامت ہے یعنی آنحضرت کے دو ظہور ہیں۔ ایک محمد کے نام سے اور دوسرا احمد کے نام سے، اور وہ شیخ احمد ہے۔ ورنہ آپ خود غور کریں کہ محمد و آل محمد (ص) کے ایسی گندی چیزوں تک میں ظہور کو ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور نوع نبی و امام کی طرف رجوع کریں۔

بہرحال ہم عالمین کے معنی کی تحقیق پیش کر رہے تھے، اور اب تک آپ نے دیکھ لیا کہ شیخ احمد احسائی نے بھی اپنے ان بیانات میں عالم کی جمع عوالم لکھی ہے۔ موسیٰ اسکوئی نے بھی ہر جگہ عالم کی جمع عوالم لکھی ہے اور مرزا عبدالرسول احقاقی نے بھی ہر جگہ عالم کی جمع عوالم لکھی ہے۔ اگرچہ یہ عبارت سابق میں گذر چکی ہے مگر ہم یہاں بھی دوبارہ تحریر کرتے ہیں۔ عبدالرسول احقاقی لکھتے ہیں۔

"اگر استدلال آناں صحیح باشد عین ہمیں ایراد برخدای ذوالجلال کہ مسلما ولایت کلیہ برجمیع عوالم دارد، وارد می شود

ثابت ہے کہ
ادث اور خدا
ن سے حاصل
شرک قرار دیا
لیکن وہ اس

بلیے تو اس کے
کہ اس نے یہ
نہ رہے کہ اب
خ احمد احسائی کی
نے لکھا ہے کہ

محمد کے نام سے
ریں کہ محمد و آل
رورت تھی۔ مزید
نی و امام کی طرف

تک آپ نے دیکھ
لکھی ہے۔ موسیٰ
احقاقی نے بھی ہر
ہے مگر ہم یہاں بھی

ایراد برخدای
وارد می شود

زہرا نظیر ہماں آیه که مستمسک آنا
معصومین بر عوالم خلقت است دربارہ خ
است در آنجا که خدای ذوالجلال می فرماید
آمنوا ....»

ترجمہ اس کا ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں یہاں پر یہ عبارت ا
برموقع ملاحظہ کیا جا سکے کہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے بھی عالم کی
اور عالم سے مراد جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات اور عالم ا
ہے اور اس عالم کی جمع انہوں نے ہر جگہ عوالم لکھی ہے عالمین

عالمین کے لغت میں معنی

حجتہ الاسلام آیت اللہ فی الانام المرجع دینی شیعیان جہان ال
نجف اشرف السید ابو القاسم الموسوی الخوئی نے اپنی کتاب "ال
مطبوعہ بیروت لبنان کے ص 453 پر الحمد للہ رب العالمین میں مذکور
معنی اس طور پر تحریر فرمایا ہے۔

اللغتہ العالم

"العالم: جمع لا مفرد له کرحط وقوم وهو قد يطلق
الخلق متماثلة كما يقال عالم الجماد، عالم البنات، ع
يطلق على مجموعة يولف بين اجزائها في زمان و مك
الصبا، عالم الذر، عالم الدنيا، عالم الاخرة، وقد يطلق
كله على اختلاف حقائق وحداته ويجمع بالواو والنون
ويجمع على فواعل فيقال عوالم ولم يوجد في لغت العر
فاعل يجمع بالواو والنون غير هذا الكلمة"

(البیان فی تفسیر القرآن ص: 453)

ترجمہ : یہ لفظ جمع ہے۔ اور اس کا مفرد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قبیلہ اور قوم ہوتی ہے۔ اور اس کا اطلاق مخلوق کے ایک ایسے مجموعہ پر ہوتا ہے جو متماثل ہوں (یعنی ایک جیسی ہوں) جیسا کہ کہا جاتا ہے عالم جماد۔ عالم نبات۔ عالم حیوان اور لفظ عالم کا اطلاق اس مجموعہ پر بھی ہوتا ہے جو کسی ایک زمانہ یا کسی ایک مکان میں اس کے اجزاء کے اجتماع سے معرض وجود میں آئے جیسا کہ کہا جاتا ہے : عالم صبا۔ عالم ذر۔ عالم دنیا۔ عالم آخرت وغیرہ اور اس کا اطلاق و مراد کل مخلوقات پر بھی ہوتا ہے' ان کے اختلاف حقائق و حدود کے باوصف۔ اور لفظ عالم کی جمع واو اور نون بڑھانے سے بنتی ہے پس اس کی جمع عالمون کہلاتی ہے اور اس کی جمع فواعل کے وزن پر بھی بنتی ہے اور وہ عوالم کہلاتی ہے۔ اور اس کلمہ کے سوا لغت عرب میں اور کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جو فاعل کے وزن پر ہو اور اس کی جمع واو اور نون بڑھانے سے بنتی ہو۔

راغب اصفہانی اور العالم کی جمع

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔

"العالم" کی جمع "العالمون" اس لئے بناتے ہیں کہ کائنات کی ہر نوع اپنی جگہ ایک مستقل عالم کی حیثیت رکھتی ہے مثلاً عالم الانسان' عالم الماء و عالم النار وغیرہ۔ نیز ایک روایت میں ہے (49) ان اللہ بضعۃ عشر الف عالم کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے کچھ اوپر عالم پیدا کئے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ (واو نون کے ساتھ) اسے جمع سلامت کے وزن پر کیوں لایا گیا ہے (جو ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالم میں چونکہ انسان بھی شامل ہیں اس لئے اس کی جمع' جمع سلامت لائی گئی ہے۔ کیونکہ جب کسی لفظ میں انسان کے ساتھ دوسری مخلوق بھی شامل ہو تو تغلیباً اس کی جمع واو نون کے ساتھ بنا لیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ لفظ عالم سے خلائق کی خاص قسم یعنی فرشتے' جن اور انسان ہی مراد ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس لئے اس کی جمع واو نون کے ساتھ لائی گئی ہے۔

امام جعفرؑ بن محمد کا قول ہے کہ عالمین سے صرف انسان مراد ہیں۔ اور ہر فرد بشر کو ایک عالم قرار دے کر اسے جمع لایا گیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے' کہ عالم دو قسم پر ہے'
1: العالم الکبیر یعنی فلک و ما فیہ 2: العالم الصغیر یعنی انسان۔ کیونکہ انسان کی تخلیق بھی ایک مستقل عالم کی حیثیت سے کی گئی ہے' اور اس کے اندر قدرت کے وہ دلائل موجود ہیں جو عالم کبیر میں پائے جاتے ہیں قرآن میں ہے۔

"اولم ننھک عن العالمین"

کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت و طرف داری سے) منع نہیں کیا تھا (70-15)

الحمد للہ رب العالمین (1-1) سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے اور آیہ کریمہ "وانی فضلتکم علی العالمین" (2-122) کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ تم یعنی بنی اسرائیل کو ان کی ہمعصر اقوام پر فضیلت دی۔ اور بعض نے اس دور کے فضلا مراد لئے ہیں جن میں سے ہر ایک نوازشات الٰہی کی بدولت بمنزلہ ایک عالم کے تھا۔ اور ان کو عالم سے موسوم کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ "ان ابراھیم کان امۃ" (16-120) بے شک حضرت ابراہیم ایک امت تھے میں حضرت ابراہیم کو امہ کہا ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے نزدیک عالمین کے معنی صرف انسان ہیں

لغت کی کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ العالم کا اطلاق مخلوق کے ایسے مجموعہ پر ہوتا ہے جو ایک جیسی ہوں۔ اور ایک جیسی مخلوق کے لئے جو لفظ عالم آتا ہے اس میں غیر ذوی العقول اور ذوی العقول کی جمع علیحدہ علیحدہ بنتی ہے غیر ذوی العقول کے لئے فواعل کے وزن پر جمع عوالم بنتی ہے' جیسا کہ خود مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت ازدیدگاہ قرآن" میں اور ان کے باپ مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی نے اور ان کے دادا مرزا موسیٰ اسکوئی نے اور خود بانی مذہب شیخیہ شیخ احمد احسائی نے اپنی اپنی

کتابوں میں العالم کی جمع یہی عوالم استعمال کی ہے' اور العالم کی جمع (جمع سلامت کے طور پر) عالمون صرف ذوی العقول کے لئے آتی ہے' جو مجرور ہونے کی صورت میں عالمین ہو جاتی ہے۔

چونکہ ذوی العقول مخلوق میں صرف فرشتے' جن اور انسانوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق نہیں ہے لہٰذا ابن عباس نے عالمین سے صرف فرشتے' جن اور انسان ہی مراد لئے ہیں۔

لیکن اہل الذکر کی ایک عظیم ہستی' یعنی امام جعفر صادقؑ نے یہ فرمایا ہے' کہ عالمین کے معنی صرف انسان ہیں' اور موالیان اہل بیت کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہی قول ہی سب سے زیادہ صحیح' حق اور اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے چنانچہ امام کے قول کے ثبوت میں راغب اصفہانی نے قرآن کریم کی تین آیات (15-70)' (1-1) اور (2-122) پیش کی ہیں جن میں انسان کے معنی مراد لئے ہیں۔ اور اگر غور کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ امام علیہ السلام کے بتلائے ہوئے اس معنی پر قرآن کریم کی بے شمار آیات گواہ ہیں۔ بلکہ ہر جگہ عالمین کے معنی انسان ہی نظر آتے ہیں۔

قرآن کریم میں عالمین کے معنی انسان ہیں

مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق کے صفحہ 286 پر یوں لکھا ہے کہ:۔

"وبالحملته: بنی علی ما سویٰ اللہ بلا استثنا شئی... ویکفی دلیلا علی المدعی قول اللہ عزوجل: "تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً.... حیث اثبت سبحانہ نذراتہ لجمیع العوالم من مبدا لوجود الٰی آخر مراتب الشہود لجمیع العوالم علی حد ربوبیتہ سبحانہ فی قولہ" : الحمد للہ رب العالمین۔ فکما ان ربوبیہ عامۃ محیطۃ فکذا لک نبوتہ ونذراتہ بمقتضی تلک الآیۃ:..." انتھی

(احقاق الحق: 286)

ترجمہ: اور بالجملہ آپ ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی تمام مخلوقات کے نبی

ہیں۔ اور اس دعوے پر ایک ہی دلیل کافی ہے اور وہ اللہ عزوجل کا یہ قول ہے کہ برکتوں والا ہے وہ اللہ، جس نے فرقان کو اپنے بندے پر اس لئے نازل کیا، تاکہ وہ عالمین کے لئے ڈرانے والا ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے ان کی نذارت کو جمیع عوالم پر مبدء وجود سے لے کر آخر شہود تک، اپنے قول الحمدللہ رب العالمین کے مطابق، اپنی ربوبیت کی حد تک ثابت کر دیا ہے، پس وہ جمیع عوالم (یعنی وہ انسانوں، حیوانوں، نباتات، جمادات سبھی) کے نبی ہیں یعنی جس طرح اس کی ربوبیت عام اور ہر شے پر محیط ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عام اور ہر شے پر محیط ہے اور اس آیت کا اقتضا یہی ہے۔

رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ نے اپنی اس دلیل میں بھی خود عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات وغیرہ ہر عالم کے لئے جمع کے طور پر ہر جگہ جمیع عوالم استعمال کیا ہے۔ حالانکہ آیت میں پیغمبر اکرم کی نذارت جمیع عوالم کے لئے بیان نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ عالمین کے لئے بیان ہوئی ہے۔ اور عالمین کا معنی آیہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں امیرالمومنین علیہ السلام نے بھی صرف انسان مراد لئے ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق بھی عالمین سے مراد صرف انسان میں اور لغت میں بھی عالمین کی جمع صرف ذوی العقول کے لئے آتی ہے اور ہر عالم کی جمع عوالم آتی ہے، جیسا کہ خود روسائے شیخیہ نے بھی ہر جگہ عالم کی جمع عوالم ہی لکھی ہے۔ اور عقلا نذارت کا کام صرف حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار رکھنے والے انسان کے لئے ہی ضروری ہے، تاکہ اسے حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار رکھنے کی بناء پر، غلط راستہ چلنے سے روکا جا سکے۔ اینٹوں، پتھروں، درختوں، فصلوں، گدھوں اور کتوں۔ سوروں اور گھوڑوں کو ڈرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نبی اینٹوں، پتھروں، درختوں، فصلوں، گدھوں، کتوں، سوروں، گھوڑوں اور ان کے فضلات کی ہدایت اور نذارت یعنی ڈرانے کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ بیشک انسان کے علاوہ فرشتے اور جن بھی ذوی العقول ہیں لیکن فرشتے خواہشات نہیں رکھتے جیسا کہ امیر المومنین کی حدیث میں آیا ہے اور نہ ہی وہ ارادہ و اختیار کے مالک ہیں بلکہ وہ خدا کے حکم کے مطابق دوسری مخلوق کی طرح جبر طبیعی کے ماتحت کام کرتے ہیں اور خدا کے کسی

حکم سے انکار نہیں کر سکتے اور جنوں کو خداوند تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی بنی آدم کے ماتحت کر دیا ہے۔ پس نبی سارے بنی آدم اور انسانوں کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں' اور قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ عالمین آیا ہے اس سے صرف انسان مراد ہیں۔

آیئے قرآن کریم کی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن کریم میں کہیں بھی عالمین کا معنی "ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" ہے؟ یا "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" کے معنی میں عالمین کا لفظ کہیں بھی قرآن میں آیا ہے؟

قرآن کریم میں عالمین کے لفظ کا استعمال

نمبر1: سورہ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین۔ (البقرہ: 47)

یہ آیت سورہ البقرہ میں دو جگہ آئی ہے ایک آیت نمبر 47 اور دوسرے آیت نمبر 122- ارشاد خداوندی ہے۔ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو' جو میں نے تم کو عطا کیں' اور اس بات کو بھی یاد کرو' کہ میں نے تم کو عالمین پر فضیلت دی ہے۔

اگر عالمین کا معنی وہی ہو جو رؤسائے شیعیہ اور شیخی مبلغین بیان کرتے ہیں یعنی "علی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود علی حد ربوبیتہ" تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ بنی اسرائیل "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود' علی حد ربوبیتہ" اور "علی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" ہر شے اور موجود سے افضل ہیں۔ اور کوئی بھی مسلمان اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ بنی اسرائیل کو نہ صرف نوح سے۔ نہ صرف ابراہیم سے اور اسمٰعیل و یعقوب و یوسف و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ انبیاء سے بلکہ اشرف الانبیاء و افضل المرسلین سے بھی افضل مان لیا جائے۔ کیونکہ جب عالمین کا جغرافیہ

"علی حد ربوبیتہ" ہو گا تو لازما بنی اسرائیل کو اس آیت کی رو سے ان سب انبیاء سے افضل ماننا پڑے گا۔ اب بتلایئے کہاں گیا عالمین کا وہ جغرافیہ "علی حد ربوبیتہ" جب کہ لغت کی کتاب مفردات القرآن میں بھی اور تفاسیر میں بھی اس سے مراد اس زمانے کے بھی صرف وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کے مخالف تھے اور خود بنی اسرائیل کو جو انبیاء کے تابع تھے کئی باتوں میں ان پر فضیلت دی گئی تھی، پس اس سے ثابت ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے ہیں وہ صحیح ہیں، اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان جہاں کو گمراہ کرنے کے لئے جو معنی ابلیس کے اندازمیں بیان کر رہے ہیں وہ غلط ہیں۔

نمبر2: سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"واذقال موسیٰ لقومہ اذکروا نعمت اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا و آتاکم مالم یوت احداً من العالمین"

(المائدہ: 20)

ترجمہ: اور جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ (اے میری قوم) اللہ کی نعمت کو جو تم پر اس نے کی ہے یاد کرو کہ جب تم میں انبیاء مقرر کئے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو تمام عالمین میں سے کسی کو نہیں دیا۔

قارئین محترم خوب اچھی طرح سے غور کریں کہ اگر عالمین کا وہی معنی ہو جو روسائے شیخیہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی علی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی اور من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود اور من الدرۃ الیٰ الذرہ اور علی حد ربوبیتہ تو اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ خدا نے بنی اسرائیل کو وہ کچھ دیا، جو تمام عالمین میں سے نہ آدم کو دیا، نہ نوح کو دیا، نہ ابراہیم کو دیا، نہ اسمٰعیل کو دیا، نہ اسحٰق کو دیا، نہ یعقوب کو دیا حتیٰ کہ اشرف الانبیاء و افضل المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی نہیں دیا، کیونکہ یہ سب کے سب علی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی اور علی حد ربوبیتہ میں داخل ہیں کیا کوئی بھی مسلمان اس بات پر راضی ہو سکتا ہے۔ اور اس بات کو مان سکتا ہے، کہ وہ عالمین کا وہ معنی تسلیم کرے جو روسائے شیخیہ بیان کرتے ہیں اور یہ مان لیں کہ اشرف الانبیاء اور افضل المرسلین کو بھی وہ نہیں ملا جو

بنی اسرائیل کو ملا۔

لیکن سب مسلمان متفق ہیں اس بات پر کہ یہاں عالمین سے مراد، حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے زمانے کے لوگ ہیں، اب بتلائیے کہاں گیا عالمین کا وہ جغرافیہ۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے میں وہ صحیح ہیں اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان جہاں کو گمراہ کرنے کے لئے جو معنی ابلیس کے انداز میں بیان کر رہے ہیں وہ غلط ہیں۔

نمبر3: سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"واذقالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطھرک واصطفک علی نساء العالمین"

(آل عمران: 47)

ترجمہ: اور جس وقت فرشتوں نے کہا کہ اے مریم یقیناً اللہ نے تم کو چن لیا ہے، اور تم کو پاک قرار دیا ہے، اور تمام عالمین کی عورتوں میں سے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔

اس آیت میں بھی، اگر عالمین کا وہی معنی ہو، جو رؤسائے شیخیہ نے بیان کیا ہے، یعنی علی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشھود" اور "علی حد ربوبیتہ" تو کیا شیعیان عالم اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں۔ یا وہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کو ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشھود" اور "علی حد ربوبیتہ" سے باہر سمجھ لیں گے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اکثر مفسرین شیعہ نے یہاں پر یہی معنی مراد لئے ہیں، کہ حضرت مریم اپنے زمانے کی عورتوں میں سے برگزیدہ تھیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیر بھی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کو مد نظر رکھ کر کی گئی ہے، ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریم قیامت تک آنے والی ان سب عورتوں سے برگزیدہ تھیں اور طاہرہ تھیں اور افضل تھیں جو درجہ اصطفیٰ پر فائز نہ تھیں۔ بہرحال اس آیت میں عالمین سے مراد انسانوں کی بھی صرف ایک صنف نسواں مراد ہے۔ اب بتلائیے کہاں گیا عالمین کا وہ جغرافیہ۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے ہیں وہ صحیح ہیں اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان جہان کو گمراہ کرنے کے لئے جو معنی ابلیس کے انداز میں کر رہے ہیں وہ غلط ہیں۔

نمبر4: سورۂ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے۔

"و جاء اہل المدینہ یستبشرون۔ قال ان ھولآء ضیفی فلا تفضحون۔ واتقوا اللہ ولا تخزون۔ قالوا اولم ننھک عن العالمین۔"

(الحجر: 67 تا 70)

ترجمہ : اور شہر کے لوگ خوش ہوتے ہوئے آئے (تو لوط نے) فرمایا' کہ یہ تو میرے مہمان ہیں' پس تم مجھے فضیحت نہ کرو' اور اللہ سے ڈرو' اور مجھے رسوا نہ کرو' وہ کہنے لگے' کیا ہم نے آپ کو عالمین (کو مہمان بنانے) سے روکا نہیں تھا۔ کیا فرماتے ہیں سب روسائے شیخیہ و مبلغین شیخیہ بیچ اس مسئلہ کے کہ کیا یہاں عالمین کا وہ معنی ہو سکتا ہے' جو روسائے مذہب شیخیہ نے بیان کیا ہے۔ یعنی علی ما سوی اللہ بلا استثناء شئی اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" اور "علی حد ربوبیتہ" کیونکہ قوم لوط کو جمادات سے' نباتات سے اور حیوانات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ بلکہ انہیں تو خود اپنی عورتوں سے بھی کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو صرف امرد لڑکوں کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا کرتے تھے لہٰذا انہوں نے لوط کو یہ نہیں کہا تھا' کہ تم اینٹوں کو پتھروں کو' درختوں' کو فصلوں کو گدھوں کو گھوڑوں کو کتوں کو سوروں کو بکریوں کو بھیڑوں کو اور دوسرے حیوانات کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو' الم ننھک عن العالمین وہ تو بنی نوع انسان کی صنف نسواں کے بھی طالب نہ تھے۔ لوط کہتے رہے' اے میری قوم یہ میری (قوم کی) بیٹیاں موجود ہیں' تم ان کے پاس جاؤ۔ تو انہوں نے کہا اے لوط کیا ہم نے تجھے عالمین کو مہمان بنانے سے منع نہیں کیا تھا؟ تو اس سے ان کی مراد انسانوں میں سے بھی صرف نوجوان لڑکے ہی تھے' تفسیر صافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں عالمین سے مراد یہ ہے کہ قوم لوط نے حضرت لوط کو منع کر دیا تھا' کہ وہ نہ تو وہ لوگوں کو مہمان کریں نہ ان کو اپنے گھر میں اتاریں اور یہ وہ آیت ہے جسے راغب اصفہانی نے' امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول کے ثبوت

میں' کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں' پیش کیا ہے۔
اب بتلایئے کہاں گیا روسائے شیخیہ کا بیان کردہ عالمین کا وہ جغرافیہ پس اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے ہیں وہ صحیح ہیں اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان جہان کو گمراہ کرنے کے لئے جو معنی ابلیس کے انداز میں بیان کر رہے ہیں وہ غلط ہیں۔

نمبر5: سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولوطا اذقال لقومہ انکم لتاتون الفاحشۃ ما سبقکم بھا من احد من العالمین"

(العنکبوت: 28)

ترجمہ: اور جس وقت لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کی وہ بات کرتے ہو' جو تم سے پہلے عالمین میں سے کسی نے نہیں کی۔

اس آیت میں تو عالمین سے مراد انسانوں میں سے بھی مرد ہی مرد رہ گئے' اب بتلایئے کہاں گیا روسائے شیخیہ کا بیان کردہ عالمین کا وہ جغرافیہ "علی ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ"۔

پس اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے ہیں' وہ صحیح ہیں' اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت' شیعیان جہان کو گمراہ کرنے کے لئے' جو معنی ابلیس کے انداز میں بیان کر رہے ہیں' وہ غلط ہیں۔

نمبر6: سورہ شعراء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اتاتون الذکران من العالمین و تذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عدون"

(الشعرا: 165-166)

ترجمہ: (لوط نے کہا) کیا تم عالمین میں سے صرف صنف ذکور کے پاس جاتے ہو' اور ان کو چھوڑتے ہو جو تمہاری ازواج میں سے تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے پیدا کی ہیں۔ بلکہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو۔

یہاں پر لفظ عالمین محصور ہو کر رہ گیا ہے صرف مردوں اور عورتوں کے درمیان اور یہاں بھی عالمین کے معنی صرف انسانوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ اب بتلایئے کہاں گیا رؤسائے شیعہ کا بیان کردہ عالمین کو وہ جغرافیہ : "علیٰ ما سویٰ اللہ بلا استثنا ءشئی' وعلی حدر بوبیتہ"

پس اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ امیرالمومنین علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے عالمین کے جو معنی بتلائے ہیں یعنی صرف انسان وہ ہی صحیح ہیں اور شیاطین شیعہ احقاقیہ کویت شیعیان جہاں کو گمراہ کرنے کے لئے جو معنی ابلیس کے انداز میں بیان کر رہے ہیں وہ غلط ہیں۔

نمبر7: سورۂ تکویر میں ارشاد ہوتا ہے۔

ان ھوالا ذکر للعالمین۔ لمن شاءمنکم ان یستقیم

(التکویر: 27-28)

ترجمہ : یہ قرآن تو بس عالمین کے لئے ہدایت و نصیحت ہے۔ یعنی تم میں سے اس شخص کے لئے جو سیدھی راہ چلتا ہے۔

اس آیت میں بھی عالمین سے مراد حتما انسان ہیں۔ بدلیل لمن شاءمنکم ان یستقیم

نمبر8: سورہ القلم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وما ھوالا ذکر للعالمین۔

(القلم: 52)

ترجمہ : یہ (قرآن) تو بس عالمین کے لئے ایک نصیحت ہے۔

اس آیت میں بھی عالمین سے مراد صرف انسان ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن صرف انسانوں کے لئے ہی نصیحت ہے۔ اینٹوں' پتھروں' درختوں اور حیوانوں کے لئے نصیحت کرنے والا نہیں ہے۔

نمبر9: سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

فللہ الحمد رب السموت ورب الارض رب العالمین

(الجاثیہ: 26)

ہر قسم کی تعریف آسمانوں کے رب اور زمین کے رب، عالمین کے رب کے لئے ہے۔

اس آیت میں آسمانوں کا رب کہہ کر، یہ کہنا کہ وہ زمین کا رب ہے، یہ ثابت کرتا ہے، کہ آسمان اور چیز ہے، اور زمین اور چیز ہے، اور آسمانوں اور زمین کا رب ہونے کا اعلان کر کے یہ کہتا ہے، کہ وہ عالمین کا رب ہے، تو یہ کسی ایسی مخلوق کی طرف اشارہ ہے جو غیر از زمین و آسمان ہے۔

خداوند تعالیٰ نے اپنی حکومت کی کرسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وسع کرسیه السمٰوت والا رض" یعنی اس کی کرسی حکومت سمٰوت و ارض کو محیط ہے۔ اور اپنی مملکت کا جغرافیہ اس نے یہ بتلایا ہے کہ له ملک السمٰوت والا رض سمٰوات و ارض کی سلطنت و حکومت و مملکت اسی کی ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آج سموت کا تصور وہ نہیں جو زمانہ قدیم میں تھا۔ علامہ ھبتہ الدین نے اپنی کتاب الھیئۃ والاسلام میں، سمٰوت کے جو معنی لکھے ہیں، وہ یہ ہیں کہ سمٰوت، سماء کی جمع ہے، اور سماء مشتق ہے "سمو" سے، جس کے معنی ہیں بلندی، پس سمٰوت کے معنی ہوئے بلندیاں اور یہ بلندیاں لا محدود ہیں۔ جس مقام پر بھی آپ اوپر کی طرف جاؤ گے، اس سے اوپر پھر بلندی پاؤ گے، اور اس بلندی کے اوپر پھر بلندی ہے، اور اس بلندی کے اوپر پھر بلندی ہے، اور اس کی آپ کوئی انتہاء نہ پائیں گے پس رب السمٰوات والارض کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی ربوبیت لا محدود ہے، اس کو آپ محدود نہیں کر سکتے لہٰذا سمٰوات والارض میں ساری کائنات کا جغرافیہ آگیا اور حدیث میں معصومین (ع) میں آیا ہے کہ (سمٰوت و الارض) میں تمام مکان آگیا اور لیل و نہار میں تمام زمانہ آگیا۔ تو رب السمٰوات و الارض کے بعد علیحدہ سے رب العالمین کہنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ ارض و سمٰوات کے علاوہ کوئی ایسی مخلوق ہے جس کو خلق کرنے کے بعد خداوند تعالیٰ نے فخر کیا ہے۔

فتبارک الله احسن الخالقین۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو احسن الخالقین ہے، لہٰذا کوئی تعجب نہیں ہے، کہ اپنی اس بہترین مخلوق کا رب ہونے کا ہی، مقام فخر میں بیان کیا ہو، اور ایسی مخلوق کو پیدا کر کے خود کو قابل تعریف قرار دیا ہو اور کہا ہو: الحمد

للہ رب العالمین: یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں (جس نے انسانوں جیسی بہترین مخلوق کو پیدا کیا ہے اور) جو عالمین (یعنی انسانوں) کا رب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ راغب اصفہانی نے اپنی مفردات القرآن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول کے ثبوت میں کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں' اس مذکورہ آیت یعنی الحمد للہ رب العالمین کو بھی پیش کیا ہے۔

اور اس بات کا ثبوت کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں موسیٰ اور فرعون کا ایک مکالمہ بھی ہے جو اس طرح ہے۔

نمبر10: سورہ الشعراء میں ارشاد ہوا ہے۔

"قال فرعون و ما رب العالمین قال رب السمٰوت و الارض و ما بینھما ان کنتم مومنین۔"

(الشعراء: 23-24)

ترجمہ: فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ تمام دنیا جہان کے انسانوں کا رب آخر ہے کون؟ موسیٰ نے جواب دیا۔ تمام دنیا جہان کے انسانوں کا رب وہی ہے' جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس سب کا رب ہے' اگر تم اس کا یقین کرنے والے ہو۔

اس آیت میں "رب السموات والارض وما بینھما" کہہ کر موسیٰ نے "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" کو بیان کر دیا ہے اور پھر یہ بیان کیا ہے کہ عالمین یعنی دنیا جہان کے انسانوں کا رب بھی وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔

"قال لمن حولہ الا تسمعون" (الشعراء: 25)

فرعون نے اپنے گرد بیٹھنے والوں سے کہا' کیا تم سن رہے ہو؟

"قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون" (الشعراء: 27)

فرعون بولا یہ تمہارا رسول تو جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' ضرور دیوانہ ہے۔

"قال رب المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون" (الشعراء: 28)

موسیٰ نے کہا مشرق کا رب بھی وہی ہے، اور مغرب کا رب بھی وہی ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان کا رب بھی وہی ہے اگر تم کچھ سمجھ سے کام لو۔

موسیٰ و فرعون کے اس مکالمے میں حد ربوبیت کا بھی پتہ چل گیا اور عالمین کے معنی بھی معلوم ہو گئے۔ فرعون اپنی رعایا کے لوگوں سے کہتا تھا کہ "انا ربکم الا علیٰ" (النازعات : 24) میں ہی تمہارا بلند مرتبہ رب ہوں۔ لہٰذا فرعون نے موسیٰ نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک سارے انسانوں کا رب کون ہے، موسیٰ نے پہلے تو خدا تعالیٰ کے حد ربوبیت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے، وہی عالمین یعنی سارے انسانوں کا رب ہے۔

پھر جب فرعون نے اپنے درباریوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ سن رہے ہو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو موسیٰ نے کہا کہ وہی تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے۔ فرعون خود کو لوگوں کا رب کہتا تھا، موسیٰ نے کہا تیرا رب بھی وہی ہے، اور تیرے اگلے باپ دادوں کا رب بھی وہی ہے۔

کتنی جرات اور دلیری ہے موسیٰ کا یہ کہنا، اس شخص سے، جو خود کو رب کہلواتا تھا، کہ تیرا رب بھی وہی ہے، اور تیرے اگلے باپ دادوں کا رب بھی وہی ہے۔ پھر جب فرعون نے موسیٰ کی طرف دیوانہ ہونے کی نسبت دی، تو موسیٰ نے کہا، مشرق کا رب بھی وہی ہے، اور مغرب کا رب بھی وہی ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب بھی وہی ہے۔ اور یہ بات تمہیں جب ہی سمجھ میں آ سکتی ہے اگر تم عقل سے کام لو۔

اب فرعون کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، اور اس نے قہر آلود لہجے میں کہا "قال لئن اتخذت الھا غیری لا جعلنک من المسجونین" (الشعرا : 29) کہا اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا، تو میں تجھے قید میں ڈلوا دوں گا۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ وہ زبردستی خود کو لوگوں سے اپنے آپ کو رب منواتا تھا۔ لہٰذا جب موسیٰ کو یہ حکم ملا، کہ اے موسیٰ تم اور ہارون دونوں فرعون کے پاس جا کر یہ کہو کہ میں ساری دنیا جہان کے تمام انسانوں کے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ "فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب

العالمین" (الشعراء: 16)

اے موسیٰ، تم اور ہارون دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ میں ساری دنیا جہان کے تمام انسانوں کے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ چونکہ فرعون تمام لوگوں سے خود کو رب منوا رہا تھا، اور یہ کہتا تھا کہ انا ربکم الا علیٰ (النازعات: 24) میں ہی تمہارا بلند مرتبہ رب ہوں، تو وہ موسیٰ کا یہ اعلان سن کر دنگ رہ گیا، اور اس نے موسیٰ سے پوچھا: "قال فرعون و ما رب العالمین" یعنی میری بجائے سارے لوگوں کا رب اور کون ہو سکتا ہے؟ تو موسیٰ نے جواب دیا کہ وہی ہے، سارے انسانوں کا رب بھی، جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان والی چیزوں کا رب ہے۔

فرعون ہو یا دوسرے کافر، وہ آسمانوں اور زمین کا خالق خدا ہی کو مانتے تھے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ "ولئن سا ئلتھم من خلق السمٰوات والا رض لیقولن اللّٰہ" (لقمان: 25) یعنی اگر تم ان کافروں سے پوچھو، کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے، تو وہ ضرور ضرور یہی کہیں گے، کہ انہیں تو اللہ ہی نے خلق کیا ہے، اسی لئے موسیٰ نے کہا کہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور ان کے درمیان والی چیزوں کا رب ہے وہی عالمین یعنی سارے دنیا جہان کے انسانوں کا بھی رب ہے، تو لوگوں کا رب نہیں ہے۔

نمبر12: اور سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ان اول بیت وضع للنا س للذی بیکتہ مبا رکا و ھدی للعا لمین"

(آل عمران: 96)

ترجمہ: بیشک سب سے پہلا گھر جو کل آدمیوں کے لئے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ گھر برکت والا ہے، اور عالمین یعنی ساری دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

یہ آیت یہ کہتی ہے کہ یہ گھر انسانوں کے لئے بنایا گیا ہے، جس پر آیت میں موجود لفظ "وضع للناس" شاہد ہے۔ یہ گھر اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں، گھاس پھوس، درختوں، فصلوں اور گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں کے لئے نہیں بنایا گیا ہے۔ اور

پھر اس گھر (خانہ کعبہ) کا محل وقوع بتا کر کہ یہ گھر مکہ میں ہے' "للذی بیکہ" یہ کہا کہ یہ گھر برکتوں والا ہے' اور عالمین کے لئے ہدایت ہے۔ "مبارکا و ھدی للعالمین" اور جب یہ گھر بنا ہی انسانوں کے لئے ہے "وضع للناس" تو تھا یہ گھر جن کی ہدایت کے لئے ہے' وہ بھی انسانوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتے' پس ھدی للعالمین میں عالمین کے معنی انسان کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا یہاں عالمین سے مراد ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی اور علی حد ربوبیتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت امیر المومنین اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے لفظ عالمین کے جو معنی بیان کئے ہیں وہی صحیح ہیں اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان جہان کو گمراہ کرنے کے لئے ابلیسی انداز میں' جو معنی بیان کر رہے ہیں' وہ قطعی غلط ہیں۔

نمبر 13: اور سورہ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"و لقد آتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوۃ و رزقنٰھم من الطیب و فضلنٰھم علی العالمین" (الجاثیہ: 16)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور قوت فیصلہ اور نبوت عطا کی' اور ہم نے ان کو اچھی چیزیں کھانے کو دیں' اور ہم نے ان کو عالمین پر فضیلت عطا کی۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا کہنا یہ ہے' کہ اس سے مراد صرف بنی اسرائیل کے زمانے کے لوگ ہیں۔ اور ان کا یہ کہنا اس لئے ہے کیونکہ اگر عالمین کا معنی وہ لیا جائے جو روسائے شیخیہ کہتے ہیں یعنی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی۔ اور علی حد ربوبیتہ تو پھر بنی اسرائیل کو اشرف الانبیاء اور افضل المرسلین پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بھی افضل ماننا پڑے گا۔ کیونکہ آپ کا وجود "ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" سے باہر نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں راغب اصفہانی نے اپنی لغت کی کتاب مفردات القرآن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول کے ثبوت میں کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں فضلنا ھم علی العالمین کی آیت کو بھی پیش کیا ہے' اب بتلایئے کہاں گیا عالمین کا وہ جغرافیہ جو شیاطین احقاقیہ کویت بیان کرتے ہیں۔

نمبر 14: اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلنا ھا وابنھا
آیہ للعالمین" (الانبیاء:91)

ترجمہ: اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی اس میں ہم نے اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونک دی تھی، اور ہم نے اس کو اور اس کے بیٹے کو عالمین کے لئے ایک نشانی اور معجزہ بنایا تھا۔

یہاں پر بھی عالمین سے مراد صرف انسان ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ نشانی اور معجزہ جمادات و نباتات و حیوانات کے لئے نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ نشانی اور معجزہ صرف اور صرف انسانوں کے لئے ہے۔ پس یہاں بھی روسائے شیخیہ کے دعوے کے مطابق عالمین کا معنی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی نہیں ہو سکتا۔

نمبر15: اور سورہ العنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"فانجینٰہ واصحب السفینتہ وجعلنا ھا آیہ للعالمین" (العنکبوت: 15)

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس کشتی کو عالمین یعنی تمام دنیاں جہان کے انسانوں کے لئے ایک نشانی قرار دے دیا۔

اس آیت میں بھی عالمین سے مراد صرف انسان ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ نشانی جمادات و نباتات و حیوانات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اور صرف قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نشانی ہے۔ پس یہاں بھی روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت کے دعوے کے مطابق عالمین کا معنی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی نہیں ہو سکتا۔

نمبر16: اور سورہ العنکبوت ہی کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ومن الناس من یقول آمنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ ولئن جاء نصر من ربک لیقولن انا کنا معکم اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین" (العنکبوت:10)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو منہ سے تو یہ کہتا ہے، کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں، پھر جب دین خدا کے بارے میں اس کو کوئی بدنی تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ آدمیوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو، عذاب خدا کے برابر قرار دیتا ہے۔ اور جس

وقت تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچ جائے گی، تو ضرور وہ سب یہ کہیں گے، کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ تھے، کیا اللہ عالمین یعنی ساری دنیا جہان کے لوگوں (انسانوں) کے دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے آگاہ نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی "ومن الناس" کے سیاق و سباق میں صدور العالمین کے معنی انسانوں کے دلوں کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہاں بھی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اب بتلائیں کہاں گیا شیخیہ احقاقیہ کویت کا وہ جغرافیہ۔

نمبر17: اور سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعنبہ عنا با لا اعنبہ احلاً من العالمین" (المائدہ: 15)

ترجمہ: خدا نے فرمایا میں تم پر اس (دسترخوان) کو ضرور نازل کرنے والا ہوں۔ پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد کفران نعمت کرے گا تو بلاشک میں اس کو عذاب بھی ایسا دوں گا کہ عالمین میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دوں گا۔

اس آیت میں بھی بنی اسرائیل کی مماثلت میں یہ کہنا کہ فانی اعنبہ لا اعنبہ احلاً من العالمین۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہاں بھی عالمین کے معنی ساری دنیا جہان کے انسان ہی ہیں۔

نمبر18: اور سورہ الاعراف کی ایک آیت میں آیا ہے۔

"قال اغیر اللہ ابغیکم الھا و ھو فضلکم علی العالمین" (الاعراف: 140)

ترجمہ: (موسیٰ نے اپنی قوم سے) کہا کہ کیا میں خدا کے سوا تمہارے لئے اور خدا تلاش کروں، حالانکہ اس نے تم کو عالمین پر فضیلت دی ہے۔

اگر یہاں بنی اسرائیل کی عالمین پر فضیلت سے مراد علی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی، و علی حد ربوبیتہ ہو تو ماننا پڑے گا کہ خدا نے بنی اسرائیل کو نہ صرف تمام انبیاء و رسل بلکہ اشرف الانبیاء و افضل المرسلین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی فضیلت عطا کی تھی، کیونکہ تمام انبیاء، اور رسولان اولوالعزم، اور

خود پیغمبر اکرمؐ ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی اور علی حدر بوبیتہ سے باہر نہیں ہو سکتے، لہٰذا ماننا پڑے گا، کہ تمام مفسرین اسلامی نے عالمین کے یہاں پر جو معنی مراد لئے ہیں وہی صحیح ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ کے زمانے میں ان کے مخالفین پر انہیں فضیلت دی تھی نہ کہ "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حدر بوبیتہ" پر اب بتلایئے کہاں گیا وہ شیخیہ احقاقیہ کویت کا جغرافیہ "علی حدر بوبیتہ"

نمبر19: اور سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین" (آل عمران: 97)

ترجمہ: اور کل انسانوں کے ذمہ۔ جس میں بھی اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔ خدا کے لئے اس بیت کا حج کرنا واجب ہے۔ اور ان میں سے جو کوئی کفر اختیار کرے گا تو بیشک اللہ کو ساری دنیا جہاں کے انسانوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی "وللہ علی الناس" اور "ومن کفر" کے سیاق و سباق میں عالمین کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے۔ اور ساری دنیا جہاں کے انسانوں کے علاوہ یہاں پر اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ حج انسانوں کے علاوہ اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، فصلوں، گھاس پھوس، گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں پر واجب نہیں ہے۔ اب بتلایئے کہاں گیا شیخیہ احقاقیہ کویت کا وہ جغرافیہ "علی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حدر بوبیتہ"

نمبر20: اور سورہ البقرہ کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وقتل داؤد جالوت و آتاہ اللہ الملک والحکمتہ و علمہ مما یشاء و لو لا دفع اللہ الناس بعضھم لبعض لفسدت الارض و لکن اللہ ذو فضل علی العالمین" (البقرہ:251)

ترجمہ: اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور خدا نے ان (داؤد) کو سلطنت اور حکمت، اور جو جو کچھ مناسب سمجھا تعلیم فرمایا۔ اور اگر خدا بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے۔ لیکن اللہ عالمین یعنی ساری دنیا جہان کے انسانوں پر فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں بھی "قتل داؤد جالوت" اور لولا دفع اللہ الناس کے سیاق و سباق اور قرینہ کے لحاظ سے عالمین کا مطلب و معنی و مراد زمین پر بسنے والے، ساری دنیا جہاں کے انسانوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہم نے قرآن کریم سے 20 آیات پیش کی ہیں ان کے علاوہ بھی اور بہت سی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں، جن میں عالمین کے معنی ساری دنیا جہان کے انسانوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے، اور وہ آیات جن کو پیش کر کے روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت عالمین کا مطلب: "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" اور "من الدرۃ الیٰ الذرۃ" بیان کرتے ہیں ان میں واقع لفظ عالمین کا مطلب بھی سوائے انسان کے اور کچھ نہیں ہے اور اس مدعا پر دلیل معقول و منقول دونوں گواہ ہیں۔ دلیل منقول میں اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بیان فرمودہ حدیث جو سابق میں نقل ہو چکی ہے۔ اس کے مطابق بھی عالمین کا مطلق و معنی و مراد ساری دنیا جہان کے انسان ہیں، اور امام محمد باقرؑ کی بیان فرمودہ حدیث میں بھی عالمین کا مطلب ساری دنیا جہان کے انسان ہیں، اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی بیان فرمودہ حدیث کے مطابق بھی عالمین کا مطلب و معنی و مراد صرف انسان ہیں۔ اور اس مطلب کے ثبوت میں راغب اصفہانی نے اپنی کتاب لغت، مفردات میں تین آیات قرآنی کو پیش کیا ہے جنہیں ہم نے سابق میں نقل کر دیا ہے۔ اور دلیل معقول یہ ہے کہ روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت نے جن آیات میں واقع لفظ عالمین کو اپنے مدعا پر دلیل بتایا ہے وہ یہ ہیں۔

نمبر1: "وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین"

یعنی اے پیغمبر ہم نے نہیں بھیجا مگر تم کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر۔

نمبر2: "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً"

یعنی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ عالمین کے لئے ڈرانے والا ہو۔

روسائے شیخیہ کویت نے، اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کرنے کے لئے، رحمت سے مراد نہ صرف ولایت تکوینی لی، بلکہ اسے نفس ولایت مطلقہ کلیہ الٰیہ قرار دیا ہے، جب

کہ ہم نے قرآنی آیات اور لغت سے یہ ثابت کیا ہے کہ رحمت کی نسبت جب خدا کی طرف ہو، تو اس کے معنی اللہ کا احسان ہے، اور جب بندوں کی طرف اس لفظ کی نسبت ہو، تو اس کے معنی وہ رقت قلب ہے، جو لوگوں پر ہمدردی کے لئے ابھارتی ہے اور اس آیت کی تفسیر میں امیرالمومنین کا یہ قول ہی کافی ہے کہ یہاں رحمت سے مراد اس امت کو مستاصل عذاب سے ڈھیل دینا، اور مہلت دینا ہے، اور پیغمبر کی امت آپ کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے، سارے انسان ہیں، لہٰذا عالمین کا معنی یہاں پر اس آیت رحمتہ للعالمین میں صرف انسان ہیں۔ لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت پیغمبر کی امت میں تمام اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں، اور ساری جمادات اور درختوں فصلوں گھاس پھوس اور ساری نباتات اور گدھوں گھوڑوں کتوں اور سوروں کو بلکہ ان کے فضلات کو بھی ان کی امت میں سمجھتے ہیں اور شیخ احمد احسائی کی شرح زیارت کے صفحہ 60 کے مطابق آنحضرت اپنی امت کی ہر نوع اور ہر جنس میں اس کی شکل و صورت اختیار کر کے اس کو ہدایت کرتے ہیں، اور تمام روسائے مذہب شیخیہ کے نزدیک ان سب کے لئے آنحضرت کا پیغبر ہونا ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور ان کے اس نظریہ کو نہ ماننے والے ان کے نزدیک مقصر ہیں، اور شیخ احمد احسائی کی مذکورہ مضمون پر مشتمل عبارت سابق میں نقل کی جا چکی ہے۔ اور ان کے نزدیک، ان کا ہر امت اور ہر نوع اور ہر جنس کے لئے اور ہر شئی کے لئے نبی ہونا تو ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ سرعلت کے اعتبار سے قیوم وہی ہیں، اور ان کی اس مضمون پر مشتمل عبارت بھی سابق میں گذر چکی ہے، اور سرعلت کے اعتبار سے قیوم وہی ہیں کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے کی علت فاعلی و علت مادی و علت غائی و عصت صوری وہی ہیں اسی لئے وہ لفظ عالمین کو اپنے مطلب پر چپکانے اور سرعلت کے اعتبار سے انہیں قیوم ثابت کرنے کے لئے عالمین کا مطلب "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من المبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" اور "من الدرۃ الٰی الذرۃ" کرتے ہیں۔

اور دوسری آیت جسے وہ اپنے مدعا پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ :۔

نمبر3: "تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً"

یعنی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ عالمین کے لئے

ڈرانے والا ہو۔

اس آیت میں دلیل عقلی یہ ہے کہ نذارت کی ضرورت صرف اس مخلوق کے لئے ہے جو صاحب عقل و شعور ہو۔ اور صاحب حریت و آزادی ہو اور ہر عمل اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ بجالانے پر قادر ہو۔ تاکہ وہ اپنی حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے تحت غلط راستے پر نہ چلنے لگے' للذا اسے غلط راستے پر چلنے سے روکنے کے لئے اسے نذارت یعنی ڈرانے کی ضرورت ہے' فرشتے اگرچہ صاحب عقل و شعور ہیں' لیکن انہیں نہ تو حریت و آزادی عمل حاصل ہے اور نہ ہی وہ اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ کوئی عمل بجالا سکتے ہیں۔ بلکہ ان کا ہر عمل خدا کے حکم کے ماتحت ایک طرح سے جبر طبیعی کے طور پر ہوتا ہے' اسی لئے انہیں معصوم قرار دیا گیا ہے' اور انہیں معصوم کہا جاتا ہے' للذا انہیں بے راہ ہونے' اور اپنے ارادہ و اختیار سے کسی غلط عمل کرنے پر ڈرانے کی ضرورت نہیں ہے جہاں تک اینٹوں' پتھروں' پہاڑوں' دریاؤں یا دوسری جمادات کا تعلق ہے یا درختوں' فصلوں' گھاس پھوس اور دوسری نباتات کا تعلق ہے یا گدھوں' گھوڑوں' کتوں' سوروں اور دوسرے حیوانات یا ان کے فضلات کا تعلق ہے تو تمام صاحبان عقل اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اس بات پر کہ جمادات و نباتات و حیوانات وغیرہ کے یہ تمام انواع و اقسام و اصناف۔ نہ تو عقل و شعور رکھتے ہیں' نہ ہی وہ حریت و آزادی اور ارادہ و اختیار کے ماتحت کسی کام کے انجام دینے' اور کسی عمل کو بجالانے کے مکلف قرار دیئے گئے ہیں لیکن شیخ احمد احسائی اور اس کے شاگرد کاظم رشتی سے لے کر موجودہ روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت تک' سب اس کے مدعی ہیں کہ جمادات و نبادات و حیوانات کی تمام انواع و اقسام و اصناف عقل و شعور رکھتے ہیں اور وہ بھی مکلف ہیں اور ان کو بھی خدا کی طرف سے نبی آکر ہدایت کرتے ہیں اور چونکہ پیغمبر اکرم عالمین کے نبی ہیں' للذا وہ ان تمام انواع و اقسام و اصناف کے لئے' رحمتہ للعالمین اور نذیراً للعالمین ہیں' اور ان سب کو ہدایت کرنے اور ان سب کو ڈرانے کا کام انجام دیتے ہیں' اور یہ بات ان کے نزدیک ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ سرعلت کے اعتبار سے قیوم وہی ہیں' یعنی ان کے خالق و رازق بھی وہی ہیں اور ان کا مادہ بھی وہی ہیں یعنی سور اور کتے اور ان کے فضلات کا مادہ نعوذ باللہ' ثم نعوذ باللہ' ثم نعوذ باللہ

ان کے نزدیک محمد و آل محمد کا نور ہی ہے' یہ بات ان کے نزدیک بہت بڑی فضیلت ہے اور ان کی اس بات کو نہ ماننے والے مقصر ہیں۔ یہ ہے وہ نظریہ جس کو ثابت کرنے کے لئے وہ ان آیات میں واضح لفظ عالمین کو اپنے مطلب پر چپکانے کے لئے اس کا مطلب علی ما سوٰی بلا استثناء شئی اور علی حد ربوبیتہ کرتے ہیں۔

اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے بعض فاضل صحیح العقیدہ شیعہ علماء کو بھی یہ لغزش کھاتے ہوئے دیکھا ہے' اور آپ کی نذیراً للعالمیتی کو بھی "علی حد ربوبیتہ" بدلیل "الحمدللہ رب العالمین" بیان کرتے ہوئے سنا ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں مجالس عزا کے منبروں پر شیخی مبلغین اس طرح سے چھائے ہوئے ہیں کہ کئی نسلیں ان کی یہ خرافات سنتے سنتے پروان چڑھی ہیں۔

کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے ایک بچہ کی پرورش کا انتظام ایک ایسی جگہ پر کیا جہاں کوئی موجود نہ ہو' صرف دایہ وہاں جائے اور دودھ پلا کر آ جائے' اور اس سے کلام نہ کرے اور اس محل میں پرندوں کے دانے پانی کا وافر انتظام کیا' چنانچہ وہاں پر کوؤں نے آنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بچہ کوؤں کی بولی بول رہا ہے۔ پاکستان کے شیعہ بچوں کی کئی نسلیں مبلغین شیخیہ کی یہی باتیں فضائل کے عنوان سے سن سن کر پروان چڑھی ہیں' لہٰذا اس قسم کی لغزش ہر کسی سے متوقع ہے۔ مجھ سے ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہمارے یہاں کا ماحول ایسا بنا رہا ہے کہ کوئی بعید نہیں ہے' کہ آپ بھی کسی شیخی نظریہ کی' کسی بات کو اپنائے ہوئے ہوں میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے' اور پھر میں نے مذکورہ کوؤں والی حکایت انہیں سنائی' اور ان سے کہا کہ میں یہ بات تو مانتا ہوں' لیکن جب مجھ پر اصل حقیقت کھل جاتی ہے' تو پھر میں اس بات کو ترک کرنے میں دیر نہیں کرتا۔

بہرحال معقول و منقول دلائل شیخیہ احقاقیہ کویت کے مذکورہ نظریہ کو باطل قرار دیتے ہیں' اور اس بات کے ثبوت میں کہ عالمین کے معنی صرف انسان ہیں ہم نہج البلاغہ سے امیرالمومنین کے ایک خطبہ کا اقتباس بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

امیر المومنین کے خطبہ میں عالمین کا مطلب صرف انسان ہے

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے خطبہ قاصعہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"فانظروا کیف کانوا حیث کانت الاملاء مجتمعة والاھواء متفقة والقلوب معتدلة والایدی مترادفة والسیوف متناجرة والبصائر نافذة والعزائم واحدة الم یکونوا اربابًا فی اقطار الارضین وملوکا علی رقاب العالمین"

(نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ترجمہ مفتی جعفر حسین ص: 504)

ترجمہ : غور کرو کہ جب ان کی جمعیتیں یک جا۔ خیالات یکسو۔ اور دل یکساں تھے اور ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور تلواریں ایک دوسرے کی معین و مددگار تھیں۔ اور ان کی بصیرتیں تیز اور ارادے متحد تھے تو اس وقت ان کا عالم کیا تھا۔ کیا وہ اطراف زمین میں فرمانروا اور دنیا والوں کی گردن پر حکمران نہ تھے۔

اس کے بعد اسی خطبہ قاصعہ میں فرماتے ہیں۔

"فھم حکام علی العالمین و ملوک فی اطراف الارضین یملکون الامور علیٰ من کان یملکھا علیھم و یمضون الاحکام فیمن کان یمضیھا منھم"

(نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ترجمہ مفتی جعفر حسین ص: 506)

ترجمہ : وہ تمام جہانوں پر حکمران اور زمین کی پہنائیوں میں تخت و تاج کے مالک بن گئے اور جن پابندیوں کی بنا پر دوسروں کے زیر دست تھے اب یہ انہیں پابند بنا کر ان پر مسلط ہو گئے اور جن کے زیر فرمان تھے ان کے فرمانروا بن گئے۔

ان دونوں اقتباسات میں "ملوکا علی رقاب العالمین" اور "حکام علی العالمین" کہا ہے۔ امیر المومنین اس خطبہ کے دونوں اقتباسات میں اپنے سے پہلے گزرے ہوئے حکمرانوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اتحاد و اتفاق کی بدولت عالمین کی گردنوں پر فرمانروائی کرنے لگے "فھم حکام علیٰ العالمین و ملوک فی

اطراف الارضین" یعنی وہ عالمین کے اوپر حاکم اور زمین کی پہنائیوں میں تاج و تخت کے مالک بن گئے۔

قارئین محترم اب آپ غور کریں عالمین کا معنی امیر المومنین بہتر جانتے تھے یا روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت عالمین کا معنی بہتر جانتے ہیں۔ روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت کے نزدیک تو عالمین کا مطلب "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہے اور "علی حد ربوبیتہ" ہے اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" ہے اور "من الدرة الیٰ الذرة" ہے اگر عالمین کا مطلب یہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ امیر المومنین اپنے سے پہلے گزرے ہوئے حکام کو "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" اور "من الدرة الیٰ الذرة" کے اوپر حاکم و فرمانروا کہہ رہے تھے اور اس بات کو کوئی بھی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا اور اس مطلب کے غلط ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ اس بات میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ امیر المومنین نے اس خطبہ میں اپنے وقت کی خانہ جنگی۔ بغاوتوں اور آپس کی لڑائیوں کے مقابلے میں اپنے سے پہلے حکمرانوں کے زمانے میں اتفاق و اتحاد کی برکتوں سے عوام کو آگاہ کیا ہے۔ اور ان دونوں اقتباسات میں امیر المومنین نے عالمین سے مراد یقینی طور پر انسان لئے ہیں اور لفظ عالمین کو انسانوں کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

قارئین محترم! اہل ایمان کے لئے قرآن کریم کی صرف ایک آیت اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ عالمین کے معنی صرف انسان ہیں کافی تھا۔ لیکن ہم نے عالمین کے معنی کا ثبوت دینے کے لئے قرآن کریم کی 20 آیات' لغت سے اس کے معنی۔

امیر المومنین (ع) کی ایک حدیث اور ان کے خطبہ کے دو اقتباس۔ امام محمد باقر (ع) کی ایک حدیث اور امام جعفر صادق (ع) کی ایک حدیث پیش کی ہے اور روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت کی پیش کردہ دونوں آیتوں میں واقع لفظ عالمین کے لئے دلائل عقلی سے ثابت کیا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں بھی عالمین سے مراد انسان ہی ہیں۔ لہٰذا اتنے

ثبوت دیکھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی بے بصیرت اور دل کا اندھا یہی کہے کہ عالمین کا مطلب "ما سوٰی بلا استثناء شئی" ہے' اور "علٰی حدربوبیتہ" ہے' اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" ہے' اور "من الذرۃ الٰی الذرۃ" ہے' تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے' کیونکہ اپنے عقیدہ تفویض کو ثابت کرنے کے جنون نے اس کی عقل مار دی ہے۔

بہرحال یہ بات اظہر من الشمس ہے' کہ کوئی بھی نبی اور کوئی بھی رسول' اینٹوں کو پتھروں کو پہاڑوں کو یا دوسری جمادات کو اور درختوں کو' غلوں کو' دالوں کو' اور دوسری نباتات کو۔ اور گدھوں کو' گھوڑوں کو' کتوں کو' سوروں کو یا دوسرے حیوانات کو ڈرانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ یہ سارے کے سارے نبی اور سارے کے سارے رسول صرف انسانوں کی ہدایت کے لئے' اور صرف انسانوں کو ڈرانے کے لئے بھیجے گئے تھے' لہٰذا یہ حقیقت بھی "نذیراً للعالمین" کے معنی بیان کرنے میں ایک واضح دلیل ہے۔ اور قرآن کریم کی متعدد آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ تمام انبیاء و رسل صرف انسانوں کے ڈرانے کے لئے آئے تھے' ان میں سے چند آیات بطور نمونہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

تمام رسول صرف انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے

نمبر1: سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"انا اوحینا الیک کما اوحینا الٰی نوح والنبین من بعدہ واوحینا الی ابراہیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والاسباط و عیسٰی و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان و آتینا داؤدزبور و رسلاً لم نقصص علیک و کلم اللہ موسٰی تکلیما' رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجتہ بعدالرسل و کان اللہ عزیزا حکیما۔"

(النساء: 164-165)

ترجمہ: اے پیغمبر بیشک ہم نے تم کو اسی طرح سے وحی کی ہے جس طرح سے ہم

نے نوح کو اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کو وحی کی تھی۔ اور جس طرح ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و اسباط (یعنی اولاد یعقوب میں سے ہونے والے انبیاء) کو اور عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان کو وحی کی تھی اور داؤد کو ہم نے وحی کے ذریعہ ہی زبور عطا کی تھی، اور تجھ سے پہلے بہت سے رسول ایسے گذرے ہیں جن کے قصے ہم نے تم سے بیان کر دیئے ہیں اور بہت سے رسول ایسے بھی گذرے ہیں، جن کے قصے ہم نے تم سے بیان ہی نہیں کئے۔ اور اللہ نے موسیٰ سے تو اس طرح سے کلام کیا تھا جو کلام کرنے کا حق ہے، ان سب کے سب رسولوں کو ہم نے انسانوں کے لئے بشارت دینے والا (بشیر) اور ڈرانے والا (نذیر) بنا کر بھیجا تھا تا کہ انسانوں کو خدا کے خلاف کوئی حجت اور کوئی حیلہ اور بہانا نہ سوجھے اور ان کی خدا کے خلاف کوئی حجت اور دلیل باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ میں نے تمام رسولوں کو جن کا قصہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا سب کو ہی انسانوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا تا کہ انسانوں کی ان رسولوں کے بھیجنے کے بعد خدا کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اسی لئے خدا کے بھیجے ہوئے تمام ہادیوں کو حجت خدا کہا جاتا ہے۔

قارئین محترم ذرا غور کریں کہ خدا اپنی مقدس کتاب میں یہ کہتا ہے کہ میں نے سارے رسولوں کو صرف انسانوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا تھا مگر شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت ابلیسی انداز میں قرآن کریم کے لفظ عالمین کو اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کرنے کے لئے اپنے مطلب پر چپکاتے ہیں۔

نمبر2: اور سورہ نوح میں ارشاد ہوتا ہے۔

"انا ارسلنا نوحا الٰی قومه ان انذر قومک من قبل ان یاتیهم عذاب الیم، قال یقوم انی لکم نذیر مبین۔"

(نوح :1-2)

ترجمہ : ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ تو نوح نے اپنی قوم

سے کہا اے میری قوم میں تمہارے لئے نذیر مبین یعنی کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت نوح کو اپنی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ اور اس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت نوح کی قوم حتماً و یقیناً انسان تھی اور اسی طرح خاتم الانبیاء پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول آئے وہ یا تو صرف اپنی قوم کی طرف آئے جیسا کہ سورہ ھود میں حضرت نوح کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

نمبر3: "ولقدا رسلنا نوحا الٰی قومہا نی لکم نذیر مبین۔" (ھود: 25)

اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو انہوں نے جا کر اپنی قوم سے یہ کہا کہ بیشک میں تمہاری طرف "نذیر مبین" ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اس آیت میں نوح کو ان کی اپنی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کا بیان ہے اور یقیناً و حتماً قوم نوح انسان تھے۔

نمبر 4: یا وہ صرف کسی ایک بستی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"وما ارسلنا فی قریۃ من نذیرا الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون۔"

(السباء: 34)

ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کسی رسول کو نذیر بنا کر نہیں بھیجا مگر وہاں کے بڑے سرمایہ داروں نے ان سے یہ کہا کہ جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ بعض رسول کسی ایک بستی والوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جیسا کہ حضرت شعیب کو مدین کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔

نمبر5: یا وہ ایک مخصوص تعداد کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جیسا کہ سورہ والصفت میں ارشاد ہوا کہ :-

"وارسلناہ الٰی مائۃ الف او یزیدون"

(والصفت: 147)

ترجمہ: اور ہم نے اس (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف

رسول بنا کر بھیجا تھا۔

قارئین محترم! خداوند تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے یہ سارے کے سارے رسول صرف انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے کوئی صرف اپنی قوم کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کوئی صرف کسی ایک بستی کے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ کوئی صرف ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کیا کوئی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے، کہ خدا نے ان کو اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں یا دوسرے جمادات کی طرف اور درختوں، فصلوں، گھاس وغیرہ دوسری نباتات کی طرف اور گدھوں، گھوڑوں، کتوں، سوروں حتی کہ ان کے فضلات کی طرف نذارت کے لئے رسول بنا کر بھیجا تھا۔ ہرگز نہیں یہ صرف خرافات شیخیہ ہیں اور ان کا یہ نظریہ قرآن کریم۔ احادیث معصومین (ع) اور عقل سلیم کے سراسر خلاف ہے۔

ہاں البتہ یہ بات صحیح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے، وہ سب کے سب یا تو اپنی قوم کے لئے آئے، یا کسی بستی کے لئے آئے، یا آدمیوں کی ایک مخصوص تعداد کے لئے آئے، لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، اور ختم نبوت کا مطلب یہی ہے، کہ اب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا، بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آپ ہی کی ہدایت چلے گی اور آپ کی ہی شریعت جاری رہے گی۔

پیغمبر اکرم اپنے زمانے سے قیامت تک کے تمام انسانوں کے رسول تھے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت و نذارت بیشک اس اعتبار سے رسالت عامہ تھی کہ آپ محض کسی ایک قوم یا کسی ایک بستی یا لوگوں کی کسی ایک خاص تعداد کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ آپ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت

تک کے تمام انسانوں کے لئے رسول تھے، چاہے وہ انسان کسی قوم سے ہو، کسی قبیلہ سے ہو، کسی شہر سے ہو، کسی ملک سے ہو، کالا ہو یا گورا، عجم سے ہو یا عرب سے ہو، کسی نسل سے ہو یا کسی رنگ سے ہو، آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر تھے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

نمبر1: سورۂ حج میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قل یا ایھا الناس انما انا لکم نذیر مبین"

(والحج:49)

ترجمہ: اے پیغمبر تم یہ اعلان کر دو کہ اے لوگو سوائے اس کے نہیں کہ میں تم سب لوگوں اور سب انسانوں کے لئے نذیر مبین یعنی کھلا ڈرانے والا ہوں۔

آیت کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔ پیغمبر اکرم صرف انسانوں کے لئے نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ نعوذ باللہ اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں، درختوں، فصلوں، گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے کہ نعوذ باللہ شیخ احمد احسائی کے دعوے مندرجہ شرح زیارت صفحہ 60 کے مطابق آپ کو ان کی صورت اور ان کی شکل اور ان کی نوع میں جا کر ان کی زبان میں انہیں تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا پڑے اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت "عالمین" کے لفظ سے شیعیان حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کو مغالطہ میں ڈال کر دھوکہ اور فریب سے گمراہ کرنے کی کوشش کریں درانحالیکہ خود ہر جگہ پر عالم کی جمع عوالم لکھیں۔

نمبر2: اور سورۂ سبا میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وما ارسلناک الا کافہ للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون"

(السبا:28)

ترجمہ: اے رسول ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نمبر3: اور سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا"

(الاعراف : 158)

ترجمہ : اے پیغمبر تم یہ کہہ دو کہ اے تمام انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

نمبر4: اور سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یا ایھا الناس قدجاءکم الرسول بالحق من ربکم فآمنوا خیر لکم"

(النساء : 170)

ترجمہ : یعنی اے تمام انسانوں یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے پس تم اس پر ایمان لے آؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

نمبر5: اور سورۂ نساء ہی کی ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وارسلناک للناس رسولاً وکفیٰ باللہ شھیداً"

(النساء : 79)

ترجمہ : اے میرے حبیب ہم نے تجھے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور گواہی کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔

قارئین محترم! خداوند تعالیٰ تو واضح الفاظ میں دو ٹوک طریقہ سے یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے پیغمبر اکرم کو صرف انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا نذیراً للعالمین کا مطلب بھی یقیناً یہی ہے کہ ہم نے آپ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ نہ کہ اینٹوں، پتھروں، درختوں اور فصلوں، گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں اور نعوذ باللہ ان کے فضلات کو بھی ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ان کو ڈرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ کوئی عقل و شعور نہیں رکھتے، لہٰذا وہ مکلف ہی نہیں ہیں۔ انہیں مکلف صرف روسائے مذہب شیخیہ نے بنایا ہے، تا کہ رفتہ رفتہ یہ منوایا جا سکے کہ جس طرح وہ نعوذ باللہ اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں، درختوں، فصلوں، گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں کی شکل و صورت میں تنزل کر کے اور ان کی شکل و صورت میں جا کر ان کی زبان میں تبلیغ کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے شیخ احمد احسائی، بانی مذہب شیخیہ کی صورت میں جلوہ نما ہو کر ہدایت کا یہ کام انجام دیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے، کہ پیغمبر اکرم اپنے زمانے سے پہلے کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ اور ایسے تمام قصے جن میں محمد و آل محمد میں سے کسی بھی فرد کو ان کے اپنے زمانے سے پہلے دنیائے ظاہر میں کوئی کام کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے وہ سب جھوٹے، من گھڑت ہیں اور خود ساختہ افسانے ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان سے پہلے دوسرے رسول مستقلا فریضہ رسالت انجام دیتے رہے ہیں اور آپ سب سے آخر میں آئے ہیں اور آپ آخری نبی ہیں۔

پیغمبر اکرم آخری نبی ہیں

شیخیہ احقاقیہ کویت کہتے ہیں کہ :۔

"بالجملة نبی علیٰ ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی، ویکفی دلیلا علی المدعی قول اللہ عزوجل، تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً۔ حیث اثبت سبحانہ نذراتہ لجمیعع العوالم من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشھود، علی حد ربوبتہ سبحانہ فی قولہ الحمدللہ رب العالمین۔ فکما ان ربوبیتہ عامۃ محیطۃ فکذالک نبوتہ و نذراتہ بمقتضی تلک الآیتہ۔

(احقاق الحق مرزا موسیٰ اسکوئی : 286)

ترجمہ : یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ماسویٰ اللہ تمام مخلوقات کے نبی ہیں اور اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے مستثنیٰ نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ ہر چیز کے نبی ہیں، اور اس دعوے پر صرف ایک ہی دلیل کافی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، کہ برکتوں والا ہے وہ اللہ جس نے فرقان کو اپنے بندے پر اس لئے نازل کیا تاکہ وہ عالمین کا ڈرانے والا ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے ان کی نذارت کو جمیع عوالم پر مبدء وجود سے لے کر آخر شہود تک اپنے قول الحمد للہ رب العالمین کے مطابق اپنی ربوبیت کی حد تک ثابت کر دیا ہے پس وہ جمیع عوالم (یعنی عالم انسان و عالم حیوان و عالم نباتات و عالم جمادات سبھی) کے نبی ہیں یعنی جس طرح سے اس کی ربوبیت عام اور ہر شے کو محیط ہے،

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت ہر شے پر محیط ہے اور اس آیت کا اقتضا یہی ہے۔

شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا بالکل غلط ہے' اور سراسر باطل ہے۔ کیونکہ آیہ مجیدہ "لیکون للعالمین نذیراً" میں عالمین کا لفظ ہے' عوالم کا لفظ نہیں ہے اور شیخ احمد احسائی اور کاظم رشتی سے لے کر مرزا عبدالرسول احقاقی تک تمام روسائے شیخیہ مثال تو "لیکون للعالمین نذیراً" کی دیتے ہیں اور نبی تمام عوالم کا بتاتے ہیں جب کہ جمع سالم عالمین ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور عالم سے عوالم جمع غیر ذوی العقول کے لئے ہوتی ہے۔ اور ہم نے نہ صرف لغت سے۔ نہ صرف امیرالمومنین کے خطبہ قاصعہ سے نہ صرف امیرالمومنین کی ایک حدیث سے' نہ صرف امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث سے' اور نہ صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث سے' بلکہ قرآن کریم کی 20 آیات سے بھی یہ ثابت کر دیا ہے' کہ عالمین کے معنی صرف انسان ہیں۔ اور دوسرے جتنے عالم ہیں ان سب کی جمع خود رئیس مذہب شیخیہ نے عوالم استعمال کی ہے' پس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالمین کے یعنی عالم انسانی میں سے اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول اور نذیر ہیں۔ عوالم یعنی اینٹوں' پتھروں' پہاڑوں' دریاؤں اور سارے جمادات اور درختوں' فصلوں اور دوسری ساری نباتات' گدھوں' گھوڑوں' کتوں اور سوروں وغیرہ اور سارے حیوانات اور ان کے فضلات کے لئے رسول اور نذیر نہیں ہیں اور "لیکون للعالمین نذیراً" کا اقتضیٰ بھی یہ نہیں ہے جیسا کہ رئیس مذہب شیخیہ نے کہا ہے' بلکہ اس آیت کے اقتضیٰ یہ ہے' کہ جن کو ڈرانے کی ضرورت ہے' پیغمبر کو ان ہی کے لئے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' جن کو ڈرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے' ان کو ڈرانے کے لئے بھیجنا پیغمبرؐ کی توہین' اور خود خداوند تعالیٰ کے علم و حکمت پر تہمت لگانا ہے' کیونکہ خدا نے تو پیغمبر اکرم (ص) کو "عالمین" کا رسول کہا ہے' جمیع عوالم کا رسول کہنا شیخیہ احقاقیہ کویت کا خدا پر صریح اتہام ہے۔ اور اسی طرح شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا' کہ آنحضرت کی نبوت: "من مبدءا لوجود الی آخر مراتب الشہود" کے لئے اور "علی حد ربوبیتہ سبحانہ" کے لئے ہے۔ اور اس بات کو نبھانے

کے لئے شیخ احمد احسائی کا یہ کہنا بھی کہ محمد و آل محمد ہی شکل بدل بدل کر آتے رہے' لہذا وہی نوح تھے' وہی ابراہیم تھے' وہی موسیٰ تھے' وہی عیسیٰ تھے' وغیرہ بالکل غلط اور باطل ہے' کیونکہ یہ حقیقت مسلمہ اہل اسلام ہے' کہ پیغمبر اکرم خاتم الانبیاء ہیں' اور سب سے آخر میں آئے ہیں' خدا نے جتنے بھی رسول بھیجے' وہ سب پیغمبر اکرم سے پہلے آ چکے ہیں' اور وہ سب کے سب اپنے مقام پر خود ایک مستقل نبی تھے' محمد و آل محمد ان کی شکل میں ان کی صورت میں ہر زمانے میں شکل بدل بدل کر نہیں آئے تھے' اور قرآن کریم کی بیسیوں آیات اس مدعی پر گواہ ہیں۔

نمبر1: چنانچہ سورۂ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔"

(الانبیاء: 25)

ترجمہ: اے میرے حبیب' ہم نے تجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا' ہم نے اسے یہ وحی کی تھی' کہ بلاشک و شبہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔ لہذا تم صرف میری ہی عبادت کرو۔

نمبر2: اور سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے۔

و لقد ارسلنا من قبلک رسلا الیٰ قومھم فجاؤھم بالبینت فانتقمنا من الذین اجرموا "

(الروم: 47)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے بہت سے رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے۔ پس وہ ان کے پاس دلیلیں اور معجزات لے کر آئے' تو ہم نے گنہگاروں اور مجرموں سے انتقام لیا۔

نمبر3: اور سورہ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم جاءتھم رسلھم بالبینت و بالزبر وبالکتب المنیر۔"

(فاطر: 25)

ترجمہ : اے پیغمبر اگر یہ کافر تجھے جھٹلاتے ہیں (تو تم اس کی پروانہ کرو) ان سے پہلے بھی کافروں نے ان رسولوں کو جھٹلایا تھا' جو ان کے پاس معجزات صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

نمبر4: اور سورہ زخرف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وکذالک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون"

(الزخرف: 23)

ترجمہ : اے پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا رسول نہیں بھیجا' مگر وہاں کے بڑے لوگوں نے اس سے یہی کہا' کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اسی راستے پر پایا ہے۔ اور ہم تو انہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔

نمبر5: اور سورہ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القریٰ"

(یوسف: 109)

ترجمہ : اے میرے حبیب ہم نے تجھ سے پہلے بستیوں والوں میں سے کسی بھی بستی میں' جو بھی رسول بھیجا' وہ مرد ہوتا تھا ہم اس کو وحی کیا کرتے تھے۔

نمبر6: اور سورہ رعد میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجًا وذریۃ وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللّٰہ"

(الرعد: 38)

ترجمہ : اے میرے حبیب ہم نے تجھ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے تھے' اور ان کے بیویاں اور اولاد ہوتی تھی۔ اور کسی بھی رسول کو یہ اختیار نہیں ہے' کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ دکھائے۔

نمبر7: اور سورہ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزون"

(الحجر:11)

ترجمہ: اے میرے حبیب ہم نے تم سے پہلے گروہوں میں، تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے تھے۔ اور ان کے پاس کوئی بھی رسول نہیں جاتا تھا، مگر یہ کہ وہ اس کا ٹھٹا کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

نمبر8: اور سورہ النحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

"تا للہ لقد ارسلنا الیٰ امم من قبلک فزین لھم الشیطن اعما لھم فھو ولیھم الیوم ولھم عذا ب الیم"

(النحل:63)

ترجمہ: اے میرے حبیب اللہ کی قسم تجھ سے پہلے لوگوں میں ہم نے بہت سے رسول بھیجے، لیکن شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں زینت دے دی، اور آج بھی وہی ان کافروں کا ولی بنا ہوا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نمبر9: اور سورہ حم السجدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ما یقال لک الا ما قدقیل الرسل من قبلک ان ربک لذوا مغفرۃ و ذو عقاب الیم"

(حم السجدہ:43)

ترجمہ: اے میرے حبیب یہ تجھے کچھ نہیں کہتے، سوائے اس کے کہ جو کچھ تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا جاتا تھا۔ بیشک تیرا رب بخشنے والا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔

نمبر10: اور سورہ الصف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"و اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"

(الصف:6)

ترجمہ: اور جب عیسیٰ ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے جو کچھ توریت میں آیا ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

قارئین محترم مذکورہ دس آیات ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں۔ پہلی نو

آیات سے یہ بات ثابت ہے کہ جتنے رسول آئے وہ سب پیغمبر اکرم (ص) سے پہلے آئے' اور وہ اپنے زمانے کے مستقل رسول تھے۔ محمد و آل محمدؐ ان کی شکل میں نہیں آتے تھے' اور دسویں آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) سب سے آخر میں آئے ہیں جن کی حضرت عیسیٰ نے بشارت دی تھی' پس حضرت عیسیٰ اور تھے' اور محمد و آل محمد اور تھے' محمد و آل محمدؐ عیسیٰ کی شکل میں نہیں آئے تھے' اور نہ ہی پیغمبر اپنے سے پہلے کے زمانے کے رسول تھے' جس کا قرآن میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہے۔

پیغمبر اپنے زمانے سے پہلے کے رسول نہیں تھے

قرآن کریم کی بہت سی آیات اس مدعا پر دلیل ہیں' کہ پیغمبر اکرم صرف اپنے زمانے کے لئے رسول ہیں' اور آل محمد علیہم السلام بھی آنحضرت کے بعد اپنے اپنے زمانے میں امام ہیں' اور وہ اپنے زمانے سے پہلے کوئی فریضہ رسالت انجام نہیں دیتے تھے وہ آیتیں حسب ذیل ہیں۔

نمبر1: سورہ القصص میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون۔"

(القصص: 46)

ترجمہ : اے میرے حبیب تم اس وقت کوہ طور کے دامن میں موجود تو نہ تھے۔ جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا۔ لیکن یہ تیرے رب کا احسان ہے (کہ اس نے اب تجھے وحی کے ذریعہ آگاہ کیا) تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جسے تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

نمبر2: اور سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے۔

"تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا فاصبر ان العاقبۃ للمتقین"

(ھود: 49)

ترجمہ : (اے میرے حبیب حضرت نوح کا یہ سارا واقعہ) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو ہم نے تجھے اب وحی کے ذریعہ بتلایا ہے۔ اس وحی کے آنے سے پہلے، نہ تو تجھے ان واقعات کا کوئی علم تھا، اور نہ ہی تیری قوم کو اس کا کوئی علم تھا، پس تم صبر و کرو۔ بیشک عاقبت متقین کے لئے ہی ہے۔

نمبر3: اور سورہ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک وما کنت لدیہم اذ جمعوا امرھم وھم یمکرون۔"

(یوسف: 102)

ترجمہ : (اے میرے حبیب حضرت یوسف کا یہ سارا واقعہ) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جسے ہم نے تجھے اب وحی کے ذریعہ بتلایا ہے، اور جب وہ (یعنی یوسف کے بھائی) اپنے کام کی تیاریاں کر رہے تھے اور (یوسف کو ٹھکانے لگانے کی) تدبیریں کر رہے تھے، تم تو ان کے پاس نہیں تھے۔

نمبر4: اور سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک ما کنت یدلھم اذ یلقون اقلا مھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیہم اذ یختصمون۔"

(آل عمران: 44)

ترجمہ : (اے میرے حبیب حضرت مریم کا یہ سارا واقعہ) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جسے ہم نے اب تجھے وحی کے ذریعہ بتلایا ہے کیونکہ تم اس وقت ان کے پاس تو نہ تھے، جب وہ قرعہ اندازی کے لئے قلمیں ڈال رہے تھے، کہ مریم کی کفالت کون کرے، اور نہ ہی تم اس وقت ان کے پاس تھے، جب وہ (اس بات پر) جھگڑا کر رہے تھے (کہ مریم کی پرورش کون کرے)۔

نمبر5: اور سورہ قصص میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسیٰ الا مر وما کنت من الشاہدین، ولکن انشانا قرونا فتطاول علیہم العمر، وما کنت ثاویا فی اہل مدین تتلوا علیہم اٰیتنا ولکنا کنا مرسلین۔"

(القصص: 45)

ترجمہ: اور (اے میرے حبیب) تم (طور) کے مغرب کی جانب اس وقت موجود تو نہ تھے' جب ہم نے موسیٰ کو حکم دیا۔ اور نہ ہی تم اس وقت اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے' لیکن ہم نے (اس واقعہ کے بعد) کئی نسلیں پیدا کیں۔ یہاں تک کہ ان پر مدت دراز گذر گئی (اور یہ واقعہ لوگوں کے ذہنوں سے نسیا منسیا ہو گیا) اور تم مدین والوں کے بھی درمیان نہ رہتے تھے' کہ تم ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے' لیکن ہم (تم سے پہلے زمانوں میں دوسرے) رسول بھیجتے رہے ہیں (جو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے)۔

قارئین محترم! یہ آیات ہر مسلمان کے لئے قابل غور ہیں۔ خداوند تعالیٰ واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ پیغمبر اکرم اس وقت موجود نہیں تھے جب نوح کا واقعہ گذرا' لہٰذا خدا کہتا ہے کہ نہ تمہیں اس واقعہ کا علم تھا اور نہ ہی تمہاری قوم کو اس واقعہ کا کوئی علم تھا یہ اب ہم نے تمہیں وحی کے ذریعہ بتلایا ہے۔ اور موسیٰ کے واقعات بیان کر کے کہتا ہے کہ نہ ہی تم موسیٰ کے زمانے میں موجود تھے' نہ وہاں موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا اور نہ ہی اس وقت موجود تھے' جب موسیٰ کو حکم دیا تھا' اور نہ ہی تم بچشم خود اس واقعہ کو مشاہدہ کر رہے تھے' یعنی نہ تم اس وقت حاضر تھے اور نہ ہی ناظر تھے' اس کے بعد نسلیں گذر گئیں اور مدت دراز گذر گئی' اور یہ واقعہ لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گیا۔ یہ تیرے رب کا احسان ہے کہ اس نے تجھے اب وحی کے ذریعہ ان واقعات سے اور غیب کی ان خبروں سے آگاہ کیا ہے' تاکہ تو لوگوں کو ڈرائے۔ اور حضرت شعیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم مدین والوں کے درمیان میں بھی نہ رہتے تھے کہ تم مدین والوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے' لیکن وہاں پر تم سے پہلے ہم نے دوسرے رسول بھیجے تھے' جو یہ فریضہ ادا کرتے تھے اور حضرت یوسف کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں۔ جو ہم نے اب وحی کے ذریعہ تمہیں بتلائی ہیں۔ جب یوسف کے بھائی یوسف کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے تم ان کے پاس نہ موجود تھے اور نہ ہی تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے یعنی نہ تم حاضر تھے اور نہ ہی ناظر تھے اور حضرت مریم کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے' کہ حضرت مریم کا یہ

قصہ جو ہم نے تمہیں اب وحی کے ذریعہ سنایا ہے یہ غیب کی خبروں میں سے ہے یہ واقعہ بھی لوگوں کے ذہنوں سے اتر چکا تھا' اور غیب میں داخل ہو چکا تھا اور تم اس وقت وہاں پر بھی موجود نہ تھے' جب کلیسا کے راہب مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کر رہے تھے' اور مریم کی کفالت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے' اگر تم اس وقت موجود ہوتے اور ان واقعات کا مشاہدہ کر رہے ہوتے تو تمہیں پہلے سے اس کا علم ہوتا' لیکن ان واقعات کو ہم نے اب تمہیں وحی کے ذریعہ بتایا ہے۔

قارئین محترم! آپ نے کچھ غور کیا خدا نے اپنے حبیب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہا ہے اور حضرت علی علیہ السلام اپنی تمام فضیلتوں کے باوجود پیغمبر اکرم سے افضل نہیں تھے۔ اور حضرت علی کے خود اپنے قول کے مطابق آپ "عبید من عباد محمد" تھے لیکن روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اور آئمہ طاہرین کی "ولایت تکوینی" اور "ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ"۔ "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" تھی۔ اور "علی حد ربوبیتہ" تھی۔ اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" تھی۔ اور "من الدرۃ الیٰ الذرۃ" تھی۔ اور یہ نظریہ اور عقیدہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ کر' اپنے فلسفہ علل اربعہ کی بنیاد پر قائم کیا ہے' اور محمد و آل محمد کو علت فاعلی و علت مادی و علت غائی و علت صوری ثابت کرنے کے لئے وہ غالیوں اور مفوضہ کی حضرت علی کے بارے میں گھڑی ہوئی روایات کو پیش کرتے ہیں۔ اور حضرت علی کی طرف جھوٹ طور پر منسوب روایات کو بیان کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی نے بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے ہی یہ کہا ہے کہ آدم بھی میں ہی ہوں' نوح بھی میں ہی ہوں' ابراہیم بھی میں ہی ہوں' موسیٰ بھی میں ہی ہوں اور عیسیٰ بھی میں ہی ہوں۔ چنانچہ بانی مذہب شیخیہ' شیخ احمد احسائی کی عین عبارت' جو اس نے حضرت علی کی طرف منسوب روایت سے اپنی کتاب شرح زیارت میں نقل کی ہے اس طرح ہے۔

"وانا تکلمت علی لسان عیسیٰ ابن مریم فی المھد وانا آدم انا نوح و انا ابراہیم وانا موسیٰ وانا عیسیٰ وانا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ انتقل فی الصور کیف اشاء من راءنی فقد راٴھم و من راٴھم فقد راءنی"

(شرح زیارت: 145)

یعنی میں نے ہی گہوارے میں عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے کلام کیا تھا۔ اور آدم بھی میں ہی ہوں، نوح بھی میں ہی ہوں، ابراہیم بھی میں ہی ہوں، موسیٰ بھی میں ہی ہوں، عیسیٰ بھی میں ہی ہوں، اور محمد مصطفیٰ (ص) بھی میں ہی ہوں، میں جس صورت میں آنا چاہتا ہوں، منتقل ہو جاتا ہوں۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے انہیں دیکھا اور جس نے انہیں دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔

اس روایت میں انتقل فی الصور کیف اشاء خاص طور پر قابل غور ہے کہ میں جس صورت میں چاہوں منتقل ہو جاتا ہوں۔

کیا کوئی شیعہ، ہاں صحیح شیعہ۔ یعنی شیعہ حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کا کوئی فرد، اس قسم کی روایات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟ ایسی روایات نہیں ہیں مگر غالیوں اور مفوضہ کی گھڑی ہوئیں!

شیخ احمد احسائی پھر اسی صفحہ پر حضرت علی کی طرف منسوب اس روایت سے مزید نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"ولا تفرقوا بیننا فانا نظھر فی کل زمان ووقت وان فی ای صورۃ شئنا باذن اللہ۔"

(شرح زیارت: 145)

یعنی تم ہمارے درمیان فرق نہ سمجھو کیونکہ ہم تو ہر زمانہ میں ہر وقت اور ہر گھڑی جس صورت میں اور جس شکل میں آنا چاہتے ہیں اللہ کے حکم سے اسی صورت میں آ جاتے ہیں۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی مضمون میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف نسبت دے کر یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ:۔

"قال علیہ السلام انا الذی حملت نوحا فی السفینتہ بامر ربی وانا الذی اخرجت یونس من بطن الحوت باذنی ربی وانا الذی جاوزت موسیٰ ابن عمران بامر ربی وانا الذی اخرجت ابراہیم من النار باذن ربی وانا الذی اجریت انھارھا وفجرت عیونھا وغرست اشجارما باذن ربی۔

الخ"

(شرح زیارت: 145)

یعنی حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ہی اللہ کے حکم سے نوح کو کشتی میں سوار کیا تھا' اور میں نے ہی حضرت یونس کو اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ سے نکالا تھا۔ اور میں نے ہی اللہ کے حکم سے موسیٰ کے لئے دریا میں راستہ بنایا تھا۔ اور میں نے ہی اللہ کے حکم سے ابراہیم کو آگ سے نکالا تھا۔ اور میں نے ہی دریاؤں کو بہایا ہے۔ اور میں نے ہی چشموں کو نکالا ہے' اور میں نے ہی اللہ کے حکم سے درختوں کو اگایا ہے۔

قارئین محترم غور کریں کہ خدا تو پیغمبر کے بارے میں یہ کہہ رہا ہے کہ تم نوح کے زمانے میں موجود نہ تھے' لہٰذا تم نوح کو پیش آنے والے واقعات سے واقف نہ تھے' تمہیں ہم نے اب وحی کے ذریعہ بتایا ہے' اور اسی طرح موسیٰؑ اور حضرت یوسفؑ کے واقعات کے بارے میں کہا ہے' لیکن یہ روایت یہ کہتی ہے کہ نوح کو حضرت علی نے ہی کشتی میں سوار کرایا تھا وغیرہ۔ اس روایت میں انا الذی' انا الذی کی گردان ہے' یعنی میں نے ہی یہ کیا اور میں نے ہی یہ کیا۔ اگر اس روایت میں بامراللہ اور باذن اللہ کے الفاظ نہ ہوتے تو ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ یہ روایت ان غالیوں کی گھڑی ہوئی ہے جو حضرت علی کو خدا مانتے تھے۔ لیکن مفوضہ حضرت علی کو خدا نہیں مانتے تھے' وہ انہیں خدا کی مخلوق مانتے تھے' لیکن وہ یہ کہتے تھے' کہ خدا نے ان کو پیدا کر کے سب کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں' لہٰذا اس روایت میں باذن اللہ' اور بامراللہ کی گردان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت غالیوں کی گھڑی ہوئی نہیں ہے' بلکہ یہ مفوضہ کی گھڑی ہوئی ہے' اگر یہ روایت غالیوں کی گھڑی ہوئی ہوتی' جو علی کو خدا مانتے تھے' تو وہ اس میں باذن اللہ' اور بامراللہ کی گردان نہ کرتے' اور اس روایت سے جو مفوضہ کی گھڑی ہوئی ہے' واضح طور پر ثابت ہو گیا' کہ مفوضہ بالاستقلال تفویض کے قائل نہیں تھے' بلکہ خدا کے اذن اور اللہ کے امر سے تمام خدائی کام انجام دینے کا عقیدہ رکھتے تھے' اور یہی عقیدہ شیخیہ احقاقیہ کویت کا ہے' جسے وہ غیر استقلالی تفویض کہہ کر جائز تفویض کہتے ہیں اور وہ اسی تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں جسے آئمہ اطہار' اور تمام شیعہ علمائے ابرار نے شرک قرار دیا ہے۔

بہر حال حضرت علی کی طرف یہ سب نسبتیں جھوٹی ہیں' اور کھلی ہوئی تہمتیں ہیں' جو مفوضہ نے ان پر لگائی ہیں اور روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت بڑی سرگرمی کے ساتھ ان کی تشہیر و تبلیغ میں مصروف ہیں۔ یہ باتیں ہرگز ہرگز قابل تسلیم نہیں ہیں' اور کوئی بھی صاحب عقل اور صحیح العقیدہ شیعہ انہیں نہیں مان سکتا' سوائے اس صورت کے کہ قرآن سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔ قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیا جائے۔ اور خدا کو نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ لیا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے' وہ حضرت علی کی طرف منسوب مذکورہ بیان کے سراسر خلاف ہے' یا حضرت علی کی طرف منسوب مذکورہ بیان قرآن کے سراسر خلاف ہے' درالحالیکہ آئمہ معصومین کی صحیح احادیث میں' جو ہم سابق میں نقل کر آئے ہیں' یہ آیا ہے کہ ہماری طرف منسوب جو حدیث قرآن کے خلاف ہو' اسے دیوار پر دے مارو' وہ ہماری بیان کردہ نہیں ہے۔ وہ ہماری طرف جھوٹ منسوب کی گئی ہے۔

لہٰذا حتماً و یقیناً معصومین علیہم السلام کی دنیا میں پیدائش سے پہلے زمانہ ماضی کے جتنے قصے' ان کی طرف نسبت دے کر بیان کئے گئے ہیں' اور معجزات کے طور پر ان کو مجالس میں پڑھا جاتا ہے' وہ سب مفوضہ کے گھڑے ہوئے ہیں' اور روسائے مذہب شیخیہ اور مبلغین شیخیہ نے انہیں اس کثرت سے پھیلایا ہے' کہ شیعوں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے' جو ان کے گمراہ کن پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ بے خبر' کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کے سامنے' پیغمبر (ص) کی پیدائش دنیاوی سے بھی پہلے کے ماضی کے ان جھوٹے قصوں کو فضائل کے رنگ میں یا معصومین علیہم السلام کے معجزات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے' اور شیطان نے محبان اہل بیت کی نظروں میں ان کو زینت دے دی ہے اور انہوں نے انہیں فضائل سمجھ کر اپنا لیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا تو پیغمبر اکرم (ص) سے یہ کہے کہ نوح کے یہ جتنے واقعات ہم نے تم سے بیان کئے ہیں۔ انہیں تم نے بچشم خود نہیں دیکھا۔ نہ ہی تم اس وقت موجود تھے یہ ہم نے اب تمہیں وحی کے ذریعہ بتلائے ہیں۔ ہماری طرف سے وحی کے ذریعہ بتلانے سے پہلے نہ تمہیں ان واقعات کا علم تھا اور نہ ہی تمہاری قوم کو۔ ہم نے تمہیں وحی کے ذریعہ بتلایا تو تمہیں اس کا علم ہوا اور تم نے پھر اپنی قوم کو بتلایا تو وہ

اس پر مطلع ہوئے۔

لیکن حضرت علی کی طرف منسوب اس روایت میں ایک دفعہ تو یہ کہا گیا ہے کہ نوح میں ہی ہوں۔ اور چونکہ یہ بات قرین عقل نہیں تھی، لہٰذا پھر حضرت علی ہی کی طرف منسوب کر کے یہ کہا گیا کہ میں ہر زمانے میں ہر وقت اور ہر گھڑی جس صورت میں چاہوں آتا رہتا ہوں۔ لہٰذا نوح کی صورت میں میں ہی آیا تھا۔

اور دوسری دفعہ یہ کہا گیا کہ نوح کو کشتی میں میں نے ہی سوار کیا تھا۔ گویا ایک ہی سانس میں روایت گھڑنے والے نے اس نظریہ کو بھی بیان کر دیا، کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہر زمانہ میں لوگوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔ اور اس طرح انہوں نے ہر نبی کی مدد کی ہے۔ اور دریاؤں کے بہانے چشموں کے نکالنے اور درختوں کے اگانے کا بیان کر کے، خلق و رزق۔ اور دوسرے تدبیر امور کا اختیار رکھنے کے نظریہ کو، جسے روسائے شیعیہ ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کہتے ہیں، اسی ایک روایت میں سمو دیتا ہے۔

لیکن ہم نے قران کریم کی بہت سی آیات سے واضح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر اکرم سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب کے سب مستقل رسول تھے۔ حضرت علی شکل بدل بدل کر کبھی نوح کی شکل میں کبھی ابراہیم کی شکل میں کبھی موسیٰ کی شکل میں اور کبھی عیسیٰ کی شکل میں نہیں آئے تھے۔ اور ان سب رسولوں کا وظیفہ بشمول پیغمبر اکرم ایک تھا۔ اور ان میں سے کوئی بھی نہ تو ولایت تکوینی یعنی خلق کرنے، رزق دینے، اولاد دینے، عمریں تقسیم کرنے اور ساری کائنات کی تدبیر امور کا دعویدار تھا اور نہ ہی کسی رسول کا یہ وظیفہ تھا، یہ سب کے رسول دین کی تبلیغ کرنے، توحید کا پرچار کرنے، احکام خداوندی کو پہنچانے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لگانے، اور لوگوں کو ہدایت کرنے، دوزخ اور عذاب آخرت سے ڈرانے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کی بشارت دینے کے لئے آئے تھے۔ اور اس معاملہ میں تمام رسول یکساں ہیں، اور ہم ان میں کسی رسول میں بھی بحیثیت رسول کے کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ یہی خدا کی پیغمبر اکرم کی، اور قرآن کریم کی تعلیم ہے جسے قرآن نے واشگاف الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

تمام رسولوں میں بحیثیت رسول کوئی فرق نہیں ہے

نمبر1: خداوند تعالیٰ اپنے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔

"قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراہیم واسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔"

(آل عمران: 84)

ترجمہ: اے رسول تم یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ ہم پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے اور جو کچھ ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اسباط (یعنی اولاد یعقوب) پر نازل ہوا ہے۔ اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ کو اور سارے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہے، اس سب پر ایمان لائے ہیں۔ ہم ان سارے انبیاء اور رسولوں میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم سب اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

نمبر2: سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت میں جو حکم پیغمبر کو دیا تھا وہی حکم سارے ایمان لانے والوں کو سورہ بقرہ کی ایک آیت میں اس طرح سے دیتا ہے۔

"قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم واسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔"

(البقرہ: 131)

ترجمہ: اے اہل ایمان تم سب کے سب یہ کہو، کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ہمارے لئے نازل ہوا ہے، اس پر اور جو کچھ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و اسباط (اولاد یعقوب) کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ سارے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم اس سب پر ایمان لائے ہیں، ہم ان انبیاء اور رسولوں میں سے کسی میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے مطیع و

فرمانبردار ہیں۔

نمبر3: پھر سورہ بقرہ میں ہی اس بات کی جس کا حکم اس نے پیغمبر اکرم (ص) کو دیا تھا' اور پھر سارے مسلمانوں کو وہی حکم دیا تھا اس کی خود تصدیق کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے۔

"آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل آمن باللہ وملا ئکتہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا و الیک المصیر۔"

(البقرہ:285)

ترجمہ: پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے۔اس پر وہ خود بھی ایمان لایا ہے' اور مومنین بھی اس پر ایمان لائے ہیں۔ پیغمبر اور اہل ایمان سب کے سب اللہ پر بھی ایمان لائے ہیں۔ اس کے فرشتوں پر بھی ایمان لائے ہیں۔ اس کی کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں' اور اس کے سارے کے سارے گذشتہ رسولوں پر بھی ایمان لئے ہیں' اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے تمام رسولوں میں سے کسی میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا' اور اطاعت اختیار کی۔ اے ہمارے رب ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں۔ اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

نمبر4: مذکورہ اعلانات کرانے اور اس کی تصدیق کرنے کے علاوہ ایک اور عجیب و غریب اعلان پیغمبر سے کرایا جا رہا ہے کہ اے رسول تم یہ اعلان کر دو کہ میں گذشتہ رسولوں سے جدا کوئی نیا مشن لے کر نہیں آیا۔ میرا وظیفہ گذشتہ رسولوں سے مختلف نہیں۔ جو مشن ان کا تھا وہی مشن میرا ہے۔ جو کام ان کا تھا وہی کام میرا ہے۔ جو وظیفہ ان کا تھا وہی وظیفہ میرا ہے۔ چنانچہ سورہ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے۔

"قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحٰی الی وما انا الا نذیر مبین۔"

(الاحقاف:9)

ترجمہ: اے میرے حبیب تم ان سے یہ کہہ دو کہ میں رسولوں میں کچھ انوکھا رسول

نہیں ہوں اور نہ ہی میں کوئی جدید چیز لے کر آیا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے، کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے، کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں، جو مجھے وحی ہوتی ہے۔ اور میں سوائے نذیر مبین کے یعنی کھول کر ڈرانے والے کے اور کچھ نہیں ہوں۔

اب تک کا یہ سارا بیان مرزا عبدالرسول احقاقی کے اس بیان کے رد میں لکھا گیا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں ص 125 پر اس ثبوت میں لکھا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں صرف اہل ایمان پر ولایت کا بیان ہے، جمیع عوالم پر ولایت کا بیان نہیں ہے، تو خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم کی دوسری آیات میں رسول اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین کی تمام کائنات پر ولایت کا بھی اثبات فرمایا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے جو آیت پیش کی تھی وہ یہ تھی۔

وما ارسلناک الا رحمہ للعالمین (سورۂ انبیاء: 107)

یعنی اے رسول ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر عالمین پر رحمت بنا کر۔

اور اس آیت کو پیش کر کے انہوں نے رحمت سے ولایت تکوینی اور نفس ولایت کلیہ و مطلقہ الیہہ مراد لی تھی اور عالمین سے تمام عوالم مراد لئے تھے۔

اور ہم نے اب تک کے بیان سے پوری تفصیل کے ساتھ قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے، کہ رحمت سے مراد تو لغت میں، قرآن کریم کی دوسری آیات میں، اور احادیث معصومین کے مطابق ہدایت ہے۔ اور خدا کے ہمہ گیر مستاصل عذاب سے اس امت کو مہلت دینا ہے۔ اور اس سے ہرگز ہرگز ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ مراد نہیں ہے۔

اور عبدالرسول احقاقی کے جد امجد مرزا موسیٰ اسکوئی نے احقاق الحق کے صفحہ 286 پر "لیکون للعالمین نذیراً" کو ائمہ معصومین کی ولایت مطلقہ کلیہ الیہہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

لیکن وہ خود اپنے بیان میں بھی، عالمین کی بجائے جمیع عوالم لکھتے رہے۔ اور جمیع عوالم میں جمادات یعنی اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں وغیرہ پر اور نباتات یعنی درختوں فصلوں

وغیرہ پر اور حیوانات یعنی گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں وغیرہ پر، انہیں مکلف قرار دے کر، جمیع عوالم پر ان کی ولایت تکوینی ثابت کرتے رہے۔ حالانکہ وہ یہ بھول گئے، کہ آیت میں لفظ "عالمین" ہے "عوالم" نہیں ہے، اور ہر عالم کی جمع تو عوالم آتی ہے لیکن عالم انسانی یعنی ذوی العقول کے لئے عالمین آتی ہے۔ بہرحال عبدالرسول احقاقی اور ان کے جد امجد مرزا موسیٰ اسکوئی دونوں نے "عالمین" کے مشابہ لفظ سے دھوکہ دے کر، اس لفظ سے ساری کائنات پر، ولایت مطلقہ کلیہ الیہہ ثابت کرنے کی کوشش کی، اور ہم نے 20 آیات قرآن پیش کر کے، اور لغت سے، اور امیرالمومنین کی ایک حدیث سے، اور امیرالمومنین ہی کے خطبہ قاصیہ کے دو اقتباسات سے، اور امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث سے، اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث سے، یہ ثابت کر دیا ہے، کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں، اور رحمتہ للعالمین سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کا ہادی ہونا ہے اور دوسری حدیث کے مطابق رحمتہ للعالمین سے مراد پیغمبر اکرم (ص) کا ساری امت کو، خدا کے مستاصل عذاب سے مہلت دیتا ہے اور ان کے عذاب کو آخرت پر اٹھا رکھتا ہے۔

اور لیکون للعالمین نذیراً سے مراد بھی صرف یہ ہے، کہ آپ اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نذیر ہیں، کیونکہ اینٹوں، پتھروں، پہاڑوں اور ساری جمادات کو، اور درختوں اور فصلوں وغیرہ ساری نباتات کو، اور گدھوں، گھوڑوں، کتوں اور سوروں وغیرہ سارے حیوانات کو، ڈرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور حتماً یہ انواع مخلوقات مکلف نہیں ہیں۔

پس ہم نے اب تک کے بیان سے دادا اور پوتے یعنی مرزا موسیٰ اسکوئی اور مرزا عبدالرسول احقاقی کی، دونوں سب سے بڑی دلیلوں کو، قطعی طور پر غلط اور باطل ثابت کر دیا ہے، اور بالفاظ واضح یہ ثابت کر دیا ہے، کہ ان دونوں آیات کا معصومین علیہم السلام کی ولایت تکوینی، یا ولایت مطلقہ کلیہ الیہہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

اور آیہ مجیدہ: "انما ولیکم اللہ...." سے جو استدلال انہوں نے کیا ہے، اسے بھی ہم نے لغت سے، قرآن سے، اور احادیث پیغمبر (ص) سے، اور خود قرآنی

آیات سے یہ ثابت کر دیا ہے' کہ یہاں و لیکم سے مراد بھی صرف مسلمانوں کا حاکم و فرمانروا ہونا ہے۔ اور اس کا بھی معصومین علیہم السلام کی ولایت تکوینی' یا ولایت مطلقہ کلیہ الہیہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ولایت وہ ہے' جو خود امیر المومنین علیہ السلام کے نزدیک ان سے چھن گئی ہے' اور جب چوتھے نمبر پر انہیں ظاہری حکومت حاصل ہوئی' تو انہوں نے اسی ولایت کے بارے میں فرمایا تھا کہ اب حق اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اور اس کا بیان نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں پڑھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا امیر المومنین کے نزدیک بھی اس ولایت سے مراد ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الہیہ نہیں ہے' کیونکہ وہ ایسی شے نہیں ہے کہ اسے چھینا جا سکے۔

حدیث غدیر اور ولایت علی

مرزا عبد الرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں حدیث غدیر کو بھی حضرت علی کی ولایت تکوینی کی دلیل بنایا ہے۔ پہلے آیہ مجیدہ : "یا ایھا الرسول بلغ....." نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد بہت سے سنی و شیعہ علما و محدثین کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے۔ کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی' اور یہ اعلان غدیر کی حکایت کرتی ہے۔

چونکہ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے لہٰذا ہمیں اسے نقل کر کے طول دینے کی ضرورت نہیں ہے' لیکن ہمیں یہاں پر جو کچھ عرض کرنا ہے' وہ یہ ہے' کہ پیغمبر اکرم (ص) نے غدیر خم کے دن حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی ولایت تکوینی کا اعلان نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضرت علی (ع) کے وصی ہونے اپنا جانشین ہونے' امام ہونے' اور مومنین کا مولا و آقا اور حاکم و فرمانروا ہونے کا اعلان کیا تھا۔

ہم یہاں پر خود ان کی ہی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" سے پیغمبر اکرم (ص) کے غدیر خم کے خطبہ سے وہ تمام اقتباسات نقل کرتے ہیں' جن کو پڑھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ علیؑ کی ولایت تکوینی کا بیان نہیں ہے' بلکہ یہ علیؑ کے پیغمبر کے بعد پیغمبر اکرم (ص) کا جانشین ہونے' پیغمبر (ص) کا وصی ہونے اور لوگوں کا امام و مولا و آقا و ولی

و حاکم و فرمانروا ہونے کا اعلان ہے۔

نمبر1: مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر اکرم (ص) اپنے موعود (یعنی غدیر خم کے مقام) پر پہنچے تو!

"دریں موقع جبرئیل بخلمتش رسید، و از خدا فرمانے آورد، و عرض کرد، اے محمد (ص) خدای مہربان به تو سلام می رساند، و می فرماید، زمان عمر تو به پایان رسیده است، و اجلت نزدیک شده است، در این محل عهدو پیمانت را با مردم استوار کن، و وصیت را آماده نما، و آنچه از علم و میراث انبیاء گنشته و سلاح و تابوت و ہرچه که از آیات پیامبراں در خلمت داری، به وصی و جانشین خود علی ابن ابی طالب که حجت بالغه خدا است تقلیم نما۔ و علی را بعنوان امام و راہنما درمیان مردم برپائے دار، و پیمان بیعت را با مردم تازه گرداں و عهد و میثاق را که (در خصوص ولایت علی) با آناں بسته ام بیادشاں بیاور۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 6-7)

ترجمہ: اس موقع پر جبرئیل آنخضرت کی خدمت میں پہنچے اور خدا کی طرف سے ایک فرمان لائے اور عرض کی اے محمد (ص) خدائے مہربان تمہیں سلام پہنچا کر کہتا ہے، کہ اب تمہاری عمر کا زمانہ ختم ہونے کو آیا۔ اور تمہاری موت کا وقت قریب آ پہنچا۔ لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں، کہ تم اس امر ہم کے لئے، کہ اس سے گزیر ممکن نہیں، اقدام کرو۔ اور اسی مقام پر لوگوں سے اپنا عہد و پیمان لے لو، اور وصیت کا اہتمام کرو۔ اور سابقہ انبیاء کا جو علم و میراث و سلاح و تابوت اور جو کچھ سابقہ پیغمبروں کی نشانیاں تمہارے پاس ہیں، وہ اپنے وصی و جانشین علی ابن طالب کو، جو خدا کی حجت بالغہ ہے، کے حوالے کر دو، اور علی کو لوگوں میں امام و رہنما کے عنوان سے مقرر کر دو۔ اور لوگوں سے اس کی بیعت کا عہد لے لو، اور اس عہد و میثاق کو جو (علی کی ولایت کے بارے میں) میں نے لیا تھا، ان کو یاد دلا دو۔

جناب احقاقی صاحب۔ خطبہ غدیر کے اس پہلے اقتباس سے، جسے تم نے اپنے ثبوت

میں پیش کیا ہے۔ اس سے بطور واضح یہ ثابت ہوتا ہے، کہ جبرئیل نے پہلے تو پیغمبر (ص) کی عمر کے قریب الاختتام ہونے اور آپ کی موت کا وقت نزدیک آنے کی خبر دی، اور پھر پیغمبر کے بعد کے لئے علی کو لوگوں کا امام و پیشوا و راہنما مقرر کرنے کا خدائی حکم سنایا۔ اور لوگوں سے اس کی بیعت لینے کا حکم دیا۔ اس سے تو واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے علی (ع) کو پیغمبر (ص) کے بعد لوگوں کا امام و رہنما مقرر کرنے، اور انہیں مومنین کا حاکم و فرمانروا بنانے کا حکم تھا۔ اور بیعت لینے کا حکم اس پر دلیل بین ہے۔ اور اس میں تمہاری اس ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کی، جو "علیٰ ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشھود" اور "من الدرۃ الی الذرہ" ہو کوئی بات نہیں ہے۔

نمبر2: اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"وحالا با ولایت سرور و مولای ہر مرد و زن علی ابن ابی طالب، بندہ خالص خودم، و جانشین پیغمبر، و خلیفہ بعد از او، دینم را اکمال و نعمتم را اتمام نمودم۔ اطاعت از علی با اطاعت از رسول خدا است و اطاعت از آں دو وجود بزرگوار اطاعت از من است۔ ہر کہ از علی پیروی کند، در واقع از من اطاعت کردہ است، و ہر کس از او سر پیچی غاید، از من سر پیچی نمودہ است۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 7)

ترجمہ: اور اب میں نے ہر مرد و زن کے مولا و آقا علی ابن ابی طالب کی ولایت و حکومت و فرمانروائی کے ذریعہ۔ جو میرے خالص بندے اور پیغمبر کے جانشین اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں۔ اپنے دین کو کامل اور نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ علی (ع) کی اطاعت رسول خدا کی اطاعت ہے۔ اور ان دونوں بزرگواروں کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ جو کوئی علی کی پیروی کرے گا اس نے حقیقت میں میری اطاعت کی ہے، اور جو اس سے روگردانی کرے گا اس نے مجھ سے روگردانی کی ہے۔

جناب احقاقی صاحب خطبہ غدیر کے اس اقتباس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

پیغمبر کے بعد ان کے جانشین اور خلیفہ کا اعلان ہے۔ اس اعلان میں پیغمبر کے بعد علی کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ جو کوئی علیؑ کی پیروی اور اطاعت کرے گا' اس نے حقیقت میں میری اطاعت کی ہے' علیؑ کی یہ ولایت پیغمبر کے بعد سے شروع ہے۔ اس میں اس ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا ذکر فکر نہیں ہے' جسے آپ ثابت کر رہے ہیں جو "ما سویٰ اللہ اور بلا استثناء شئی" ہو۔ اور "علی حدی ربوبیتہ" ہو اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" ہو اور "من الدرۃ الیٰ الذرہ" ہو۔

نمبر3: پھر آگے چل کر اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے رسول ما علی را بہ عنوان علم و راہنما درمیان مردم بہ پا می دار' و از آنان بہ ولایت علی بیعت بگیر و آں عہد و پیمانی را کہ در خصوص ولایت علی از ہمہ آنان گرفتہ ام تجدید نما۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 8)

ترجمہ: اے ہمارے رسول۔ تم علیؑ کو علم اور راہنما کے طور پر لوگوں کے درمیان مقرر کرو' اور ان سے علیؑ کی ولایت کے لئے بیعت لے لو۔ اور اس عہد و پیان کو جو میں نے علی کی ولایت کے بارے میں ان سب سے لیا ہوا ہے۔ تجدید کرو۔

جناب احقاقی صاحب خدا کے اس حکم میں بھی علی کو پیغمبر کے بعد کے لئے لوگوں کا رہنما مقرر کرنے کا حکم ہے۔ اور علیؑ کی ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی تسلیم کرنے کے لئے بیعت لینے کا حکم ہے' جو پیغمبر کے بعد علی کی حکومت و فرمانروائی پر ولالت کرتا ہے۔ اس میں بھی تمہاری ولایت تکوینی' یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کی کوئی بات نہیں ہے' جو "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" پر ہو اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" کے لئے ہو اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من الدرۃ الیٰ الذرۃ" کے لئے ہو۔

نمبر4: پھر اور آگے چل کر اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے رسول ما موضوعی را کہ دربارئہ ولایت علی علیہ السلام بر تو نازل کردہ ایم' بہ مردم برسان' و اگر نرسانی تبلیغ امر رسالت نکردئہ ای۔ و

خدا ترا از شر مردم حفظ خواہد فرمود۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن:11)

ترجمہ: اے ہمارے رسول وہ موضوع جو ہم نے علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں تجھ پر نازل کیا ہے، لوگوں تک پہنچا دو، اور اگر تم نے یہ حکم نہ پہنچایا تو تم نے گویا کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ اور خدا تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جناب احقاقی صاحب اس حکم میں بھی "بر مردم برسان" کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ پیغمبر کے بعد لوگوں پر علیؑ کی حکومت و فرمانروائی کے پہنچانے کا حکم ہے۔ ورنہ لوگوں سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ پس اس بیان میں بھی تمہاری اس ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، جسے تم نے اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کرنے کے لئے رواج دیا ہے، اور جسے تم "ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" بتلاتے ہو، اور "علٰی حد ربوبیتہ" کہتے ہو، اور جو تمہارے نزدیک "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" کے لئے ہے۔

نمبر5: پھر اور آگے چل کر اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ای مردم در رسانیدن آنچہ کہ از احکام خدا برمن نازل شدہ است کوتاہی نکردہ ام۔ سبب نزول این آیہ شریفہ را برائے شما بیان می کنم۔ جبرئیل سہ مرتبہ پے درپے پیش من آمد، و فرمان خدا را بہ من رسائید، کہ در این محل درنگ تمایم و بہ ہمہ شما از سفید وسیاہ ابلاغ کنم کہ:

علی ابن ابی طالب (ع) برادر و وصی و جانشین من است، و پس از من، امام و پیشوائے ہمہ شما است۔ و مقام و منزلت علی نسبت بمن چوں منزلت ہارون است، نسبت بہ موسیٰ، جز این کہ پیغمبری بعد از من نیست۔ (یعنی امر نبوت باجود من خاتمہ می پزیرد، و کسی پس از من از طرف خدای متعال بہ نبوت برگزیدہ نخواہد شد) و بعد از خدا و رسولش وئی شما علی است، و خدائے متعال در این خصوص آیہ در قرآن کریم برمن نازل فرمودہ است، ولی امر شما تنہا خدا و رسولش و آں مومنان خواند بود کہ

نماز بہ پا داشتہ ودر حال رکوع زکواۃ بدھند"

(ولایت از دیدگاہ قرآن :11-12)

ترجمہ : اے لوگو خدا کے جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں نے ان کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے، اور اب میں اِس آیہ شریفہ کے نازل ہونے کا سبب تم سے بیان کرتا ہوں، جبرئیل پے درپے تین مرتبہ میرے پاس آئے، اور خدا کا یہ فرمان مجھے پہنچایا، کہ میں اسی مقام پر ٹھہر جاؤں، اور تم میں سے ہر آدمی کو چاہے وہ کالے رنگ کا ہو، یا گورے رنگ کا، یہ پیغام پہنچا دوں کہ : علی ابن ابی طالب میرا بھائی، میرا وصی، اور میرا جانشین ہے، اور وہ میرے بعد تم سب کا امام و پیشوا ہے۔ اور علی کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے، جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، سوائے اس کے کہ کوئی نبی میرے بعد نہ ہو گا (یعنی نبوت کا مجھ پر خاتمہ ہو جائے گا، اور میرے بعد کوئی بھی خدا کی طرف سے نبوت پر فائز نہ ہو گا) اور خدا اور اس کے رسول کے بعد تمہارا ولی (یعنی حاکم و فرمانروا) علی ہے، اور خدا تعالٰی نے اس بارے میں خاص طور پر قرآن کریم میں ایک آیت مجھ پر نازل فرمائی ہے کہ : تمہارا ولی امر صرف خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔

جناب احقاقی صاحب پیغمبر (ص) کے اس اعلان میں پیغمبر (ص) نے علی (ع) کو اپنا بھائی، اپنا وصی، اور اپنا جانشین کہا ہے، اور یہ اعلان کیا ہے، کہ وہ میرے بعد تم سب کا امام و پیشوا ہے، اور علی کی منزلت ہارون سے بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے، کہ یہ علی کے پیغمبر کے بعد جانشینی کا اعلان ہے، کیونکہ ہارون کو موسیٰ نے کوہ طور پر جاتے وقت یہی کہا تھا کہ "اخلفنی فی قومی" تم میرے پیچھے میری قوم میں میری جانشینی کے فرائض انجام دو، پس نہ تو موسیٰ نے ہارون کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا اعلان کیا تھا، اور نہ ہی پیغمبر اکرم نے یہ علی کی ولایت تکوینی، یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا اعلان کیا ہے۔

اور آیہ مجیدہ: "انما ولیکم اللہ..." پر ہم سابقہ اوراق میں مفصل بحث کر چکے ہیں، کہ یہ خالصتاً علی کے مومنین پر حاکم و فرمانروا ہونے کا اعلان ہے، اور یہی مطلب پیغمبر اکرم نے اپنے خطبہ میں آگے چل کر بیان کیا ہے۔ جس کا بیان آگے آتا

ہے۔

نمبر6: پھر آگے چل کر اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم بدانید کہ خدا علی را برشما ولی وامام قرار دادہ است' وبر مہاجرین وانصار' ونابعینشان۔ اطاعت او واجب است' وبر غائب و حاضر' عجم وعرب' آزاد و بردہ' کوچک و بزرگ' و سفید و سیاہ' و بر ہریگانہ پرست' و موحد حکم او جاری' و گفتارش روا' و فرمائش نافذ است۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 14)

ترجمہ: اے لوگو! تم جان لو کہ خدا نے علیؓ کو تم پر حاکم و امام مقرر کیا ہے۔ اور مہاجر و انصار اور ان کے پیروکاروں پر اس کی اطاعت واجب ہے۔ چاہے وہ غائب ہے یا حاضر ہے۔ عجم ہے یا عرب سے ہے' آزاد ہے یا غلام ہے چھوٹا ہے یا بڑا ہے گورا ہے یا کالا ہے' اور ہر اس شخص پر' جو توحید کا قائل ہے اور مسلمان ہو چکا ہے' اس کا حکم جاری ہے' اور اس کی بات ماننے والی ہے' اور اس کا فرمان نافذ ہے۔

جناب احقاقی صاحب! آپ خود ہی غور کریں کہ خود تمہاری اس نقل کے مطابق بھی پیغمبر نے یہ کہا ہے کہ: خدا علیؓ را برشما ولی وامام قرار دادہ یعنی خدا نے علی کو تم پر ولی یعنی حاکم و امام قرار دیا ہے' اور ان کی اطاعت کو واجب کہا ہے۔ اور بر ہریگانہ پرست و موحد حکم او جاری کہہ کر یہ اعلان کیا ہے کہ علی کی یہ حکمرانی و فرمانروائی صرف مسلمانوں کے لئے ہے اور پیغمبر نے اپنے اس خطبہ میں ان مسلمانوں کی اقسام بھی بیان کر دی ہیں کہ وہ چاہے مہاجر ہوں' یا انصار ہوں' یا ان مہاجر و انصار کے بعد ان کے پیچھے اسلام میں داخل ہونے والے ہوں۔ چاہے وہ اس وقت حاضر ہوں' یا غائب ہوں' اور اس محفل میں موجود نہ ہوں' عجم ہوں یا عرب ہوں' آزاد ہوں یا غلام' چھوٹا ہو یا بڑا ہو' گورا ہو یا کالا ہو' جو بھی ان میں سے مسلمان ہو گیا اس پر اس کا حکم جاری اور فرمان نافذ ہے۔ انسانوں کی تقسیم کے بعد یگانہ پرست اور موحد ہونے کی شرط نے اس بیان کے مطلب کو بالکل واضح کر دیا ہے' کہ یہاں ولی کے معنی مسلمانوں کا حکم و فرمانروا ہونا مراد ہے' اور اس کا شیخیہ احقاقیہ کویت کی اس ولایت

تکوینی' یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے' جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ہو یا "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" اور "علی حد ربوبیتہ" ہو اور "من الدرة الیٰ الذرة" ہو۔

نمبر7: پھر آگے چل کر اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم! این جا آخرین محلی است کہ من در آں توقف نمودہ ام۔ پس گوش فرا دہید' و گفتہ ھای مرا اطاعت کنید' و فرمانبردا را مر پروردگار تاں باشید' خدائے متعال مولا و آفریدگار شما است' و پس از او پیامبرش محمد (ص) کہ اکنوں ایستادہ و با شما صحبت می کند ولی شما است۔ و سپس بعد از من علی (ع) ولی و امام شما است' پس از او امر امامت تا روز قیامت در ذریہ من و از اولاد علی (ع) خواہد بود۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 14-15)

ترجمہ: اے لوگو! یہ جگہ آخری مقام ہے' جہاں میں ٹھہرا ہوں پس تم غور سے سنو اور میری باتوں کی اطاعت کرو' اور اپنے پروردگار کے حکم کے فرمانبردار بنو' خدائے متعال تمہارا مولا اور تمہارا پیدا کرنے والا ہے' اور اس کے بعد اس کا پیغمبر محمد (ص) جو اب تمہارے سامنے کھڑا ہے' اور تم سے باتیں کر رہا ہے' تمہارا ولی (یعنی حکم و فرمانروا) ہے اور پھر میرے بعد علی (ع) تمہارا ولی (یعنی حاکم و فرمانروا) ہے اور تمہارا امام ہے' اور اس کے بعد امر امامت قیامت تک میری ذریت اور علی کی اولاد میں رہے گا۔

جناب احقاقی صاحب پیغمبر (ص) کے خطبہ کے اس حصہ میں بھی پیغمبر (ص) نے مسلمانوں کے اوپر علی (ع) کے حاکم ہونے اور امام ہونے کا اعلان کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ قیامت تک امامت علی (ع) کی اولاد میں رہے گی' اس میں بھی تمہاری اس ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا' جو "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہو اور "علی حد ربوبیتہ" ہو اور "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" ہو اور "من الدرة الی الذرة" ہو کا کوئی ذکر فکر نہیں ہے۔

نمبر8: پھر اس سے آگے خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم دربارہ علی (ع) راہ ضلال مپوئید' و از وی روی مگردانید' و

درخصوص ولایت او کبر مورزید۔ پس اوست کہ بہ سوی حق ہدایت می کند، و بحق عمل می نماید، و باطل را از بین می برد، و آزاں، نہی می کند، و در راہ اجرای فرامین حق، ملامت احدی اورا، باز نمی دارد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 15)

ترجمہ: اے لوگو! علی (ع) کے بارے میں گمراہ نہ ہونا، اور اس سے روگردانی نہ کرنا، اور خصوصاً اس کی ولایت و (حکمرانی) میں خود بڑا بننے کی کوشش نہ کرنا، پس وہ ہی ہے کہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے، اور حق کے مطابق عمل کرتا ہے، اور باطل کو ختم کر کے اس سے روکتا ہے، اور حق کے فرمان اجراء کرنے میں کسی کی ملامت اسے باز نہیں رکھتی۔

جناب احقاقی صاحب پیغمبر (ص) کے خطبہ کے اس حصہ میں بھی تمہاری اس ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الیہ کا کوئی ذکر فکر نہیں ہے، جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ہو اور "علٰی حد ربوبیتہ" ہو اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشہود" ہو اور "من الذرۃ الٰی الذرۃ" ہو، بلکہ اس کا مطلب بالکل صاف اور سادہ ہے کہ پیغمبر (ص) نے خدا کے حکم سے علی (ع) کو اپنے بعد مومنین کا ولی یعنی حاکم و فرمانروا اور امام و ہادی مقرر کیا ہے، اسی لئے فرمایا: جو حق کے فرمان نافذ کرتا ہے اور باطل سے منع کرتا ہے۔

نمبر9: پھر اس سے آگے اسی خطبہ غدیر کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم در قرآن کریم تدبر کنید، و آیات آں را خوب بفہمید، و بہ محکمات آں نظر نمائید، و متشابہاتش را ترک کنید، بہ خدا سوگند، ہیچکس اسرار و تفسیر قرآن را، مگر کسی کہ اکنوں من از دست او گرفتہ و بلندش کردہ ام (یعنی امیر المومنین علی ابن ابی طالب) برائے شما بیان نخواہد کرد۔ بہ شما اعلام می کنم ہر کہ را من مولا بودہ ام علی مولای اوست، و او علی ابن ابی طالب (ع) برادر و وصی من است، و خدا فرمان ولایت او را بر من نازل فرمودہ است۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 18)

ترجمہ: اے لوگو! قرآن کریم میں غور کرو' اور اس کی آیات کو سمجھو۔ اس کی محکم آیات پر نظر و رکھو' اور متشابہات کو چھوڑ دو' خدا کی قسم کوئی بھی شخص' قرآن کی تفسیر اس کے سوا جسے میں ہاتھ سے پکڑ کر بلند کئے ہوئے ہوں (یعنی امیر المومنین علی ابی طالب) تم سے بیان نہیں کرے گا۔ میں تمہارے لئے اعلان کرتا ہوں کہ جس کا میں مولا ہوں علی اس کا مولا ہے۔ اور وہ علی ابن ابی طالب (ع) میرا بھائی ہے' میرا وصی ہے' اور خدا نے اس کی ولایت (یعنی میرے بعد مومنین پر اس کی حکومت و فرمانروائی) کا فرمان مجھ پر نازل فرمایا ہے۔

جناب احقاقی صاحب پیغمبر (ص) کے خطبہ غدیر کے اس حصہ میں بھی تمہاری اس ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ الٰہیہ کا کوئی بیان نہیں ہے۔ جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ہو اور "علی حد ربوبیتہ" ہو اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" ہو۔ اور "من الدرۃ الی الذرۃ" ہو۔ بلکہ پیغمبر کے خطبہ کے اس حصہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کی تفسیر علی سے بہتر اور کوئی بیان کرنے والا نہیں ہے' اور خدا نے پیغمبر کے بعد مومنین کے اوپر اسے حاکم و فرمانروا مقرر کرنے کا' پیغمبر کا اوپر فرمان نازل کیا ہے۔ لہٰذا پیغمبر نے من کنت مولا ہ کے ذریعہ اس کی فرمانروائی کا اعلان کیا ہے۔

نمبر10: پھر اس سے آگے خطبہ غدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ای مردم! علی و اولا د اطہا رم (آئمہ طاہرین) ثقل اصغر و قرآن ثقل اکبر است و ہر کدام از یں دو خبر دہندہ و موافق دیگری است' و تا روز رستا خیز' و ملاقات با من' برسر حوض کوثر' از ھم جدا نمی شوند۔ علی و اولا د اطہارش۔ (آئمہ برحق شیعیان) امینان خدا درمیان مردم' و فرمانروایان خدا' در روی زمین ھستند۔ آگاہ باشید من آنچہ را کہ در خصوص ولایت علی بر عبدہ دا شتم ادا نمودم۔ شاہد باشد من آں را بہ بہترین روش بہ شما رسا ندم۔ آگاہ باشید۔ من حکم ولایت را بہ شما شنوا ندم۔ شاہد باشید من ایں موضوع را روشن نمودم۔ آگاہ باشید خدای متعال بہ من فرمود منہم آں را بہ شما گفتم۔ بدانید غیر از علی ابن ابی طالب (ع)

کسی امیر المومنین نیست۔ و لقب امیر المومنین پس از من بہ غیر از علی برائے کسی روا نمی باشد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 18-19)

ترجمہ: اے لوگو! علی اور میری اولاد اطہار (آئمہ طاہرین) ثقل اصغر ہیں، اور قرآن ثقل اکبر ہے۔ اور یہ دونوں خبر دینے والے ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ اور یہ دونوں قیامت تک، اور حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرنے تک، ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ علی اور اس کی پاک اولاد (شیعوں کے برحق آئمہ) لوگوں کے درمیان خدا کے امین ہیں، اور روئے زمین پر خدا کی طرف سے فرمانروا ہیں۔ آگاہ رہو علی (ع) کی ولایت کے بارے میں جو کچھ میرے ذمہ تھا وہ میں نے ادا کر دیا ہے، گواہ رہنا کہ میں نے اس فرض کو بہترین طریقہ سے تمہیں پہنچا دیا ہے۔ آگاہ رہو کہ میں نے اس موضوع کو روشن کر دیا ہے۔ آگاہ رہو جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھ سے کہا، میں نے اسے تم سے بیان کر دیا جان لو کہ میرے بھائی علی ابن ابی طالب کے سوا کوئی امیر المومنین نہیں ہے، اور امیر المومنین کا لقب میرے بعد سوائے علی کے اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

جناب احقاقی صاحب! پیغمبر اکرم (ص) کے خطبہ کے اس حصہ سے بھی، صاف صاف یہی ظاہر و ثابت ہے، کہ پیغمبر اکرم (ص) نے خدا کے حکم سے یہ علی ابن ابی طالب (ع) کو اپنے بعد مومنین امیر المومنین کا لقب دے کر حصر کر دیا ہے کہ اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ کہ وہ امیر المومنین کہلوائے، اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں آپ کی اس ولایت تکوینی، یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا کوئی ذکر فکر نہیں ہے، جو "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہو، اور "علی حد ربوبیتہ" ہو۔ یا "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" ہو۔ یا "من الدرة الی الذرة" ہو۔

نمبر 11: پھر اس کے آگے خطبہ غدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم! این علی ابن ابی طالب (ع) برادر و وصی و گنجینہ علوم من است۔ اوست خلیفہ من بر امتم، و بر تفسیر قرآن و اوست دعوت کنندہ بسوی قرآن، و عمل کنندہ و آنچہ رضای حق در آن است، اوست نبرد کنندہ

با دشمنان قرآن، وامر کنندہ بہ طاعت خدا، و باز دارندہ از معصیت خدا۔ جانشین رسول خدا و امیر المومنین و پیشوا و رہبر مردم و کشندہ پیمان شکناں و ستم کنندگان و از دیں خارج شدگان است۔ ایں سخن را دربارہ علی (ع) بہ امر پروردگار می گویم، و کلام خدا نزد من تغیر نمی باید۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 19)

ترجمہ : اے لوگو! یہ علی ابن ابی طالب میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے۔ اور میرے علم کا خزانہ ہے۔ وہ میری امت پر اور تفسیر قرآن پر میرا خلیفہ ہے۔ اور وہ قرآن کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ وہ رسول خدا کا جانشین ہے۔ مومنین کا امیر ہے اور لوگوں کا پیشوا اور رہبر ہے۔ وہ عہد شکنی کرنے والوں، ظلم کرنے والوں، اور دین سے خارج ہونے والوں کا قتل کرنے والا ہے میں تمہیں علی (ع) کے بارے میں یہ بات خدا کے حکم سے کہہ رہا ہوں۔ اور میں خدا کے کلام میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کرتا۔

جناب احقاقی صاحب کتنا واضح بیان ہے۔ پیغمبر اکرم کے اس خطبہ غدیر کے اس حصہ کا، کہ علی ابن ابی طالب (ع) رسول خدا کے جانشین ہیں۔ مومنین کے امیر ہیں اور لوگوں کے امام و پیشوا ہیں۔ یہ اضافتیں کتنی فصیح و بلیغ ہیں۔ جانشین رسول کے ہیں۔ امیر مومنین کے ہیں، اور امام و پیشوا لوگوں کے ہیں۔ اس میں آپ کی اس ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا کوئی ذکر فکر نہیں ہے، جو "علی ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہو اور "علی حد ربوبیتہ" ہو اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" ہو اور "من الدرۃ الیٰ الذرۃ" ہو۔ بلکہ یہ تو صاف اور واضح طور پر علی کے پیغمبر اکرم کے بعد ان کے جانشین (خلیفہ) ہونے مومنین کے امیر ہونے اور لوگوں کے امام و پیشوا ہونے کی بات ہے۔

اس مقام پر ایک خاص بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے قرآن کریم کے اکثر الفاظ کے معنی اس کی اضافت اور نسبت کو ملحوظ رکھے بغیر کئے ہیں ان میں سے ایک لفظ خلیفہ ہے ایک لفظ رسول ہے اور ایک لفظ امام ہے اور ایک لفظ ولی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر بیان اس طرح سے ہے۔

خلیفہ

لفظ خلیفہ کی قرآن کریم میں ہر جگہ اضافت الارض کے ساتھ آئی ہے مثلاً "خلیفتہ فی الا رض" - "خلفاء الا رض" - "خلا ئف فی الا رض-" لہٰذا اس کا صحیح معنی فی الارض کو ذہن میں رکھے بغیر نہیں ہو سکتا' لہٰذا اس کے صحیح معنی زمین پر آباد پہلے لوگوں کا جانشین ہوں گے۔ البتہ اگر وہ کسی ہادی یا نبی و رسول کی جگہ زمین پر اس کا جانشین ہوا ہے' تو اس رسول کا خلیفہ اور جانشین کہلائے گا اور اگر کسی قوم کی جانشینی ہے' تو وہ ان کی خلفاء و خلائف ہو گی۔ اسی لئے خطبہ غدیر کے اس حصہ میں معنی کو اجاگر کرنے کے لئے اضافتوں کا بہترین استعمال ہوا ہے یعنی علی رسول خدا کے خلیفہ ہیں مومنین کے امیر ہیں اور لوگوں کے پیشوا اور امام ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں کسی بھی جگہ خلیفہ کی اضافت خدا کی طرف نہیں ہے' یعنی خدا نے نہ تو کسی کو خلیفتی کہا' اور نہ ہی خلیفتہ اللہ کہا۔ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب خلافت قرآن کی نظر میں کا مطالعہ کریں۔

رسول

اسی طرح خداوند تعالیٰ نے رسولوں کو قرآن میں ہر جگہ انسانوں کے ساتھ مضاف کیا ہے' چنانچہ خود پیغمبر اکرم (ص) کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

"وا رسلنا ک للنا س رسولًا و کفی با للہ شہیداً ۔" (النساء: 79)

یعنی اے میرے حبیبؐ ہم نے تجھے انسانوں کے لئے رسول بنایا ہے اور اس بات کے لئے خدا کی گواہی کافی ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"و ما ارسلنا ک الا کا فۃ للنا س بشیراً و نذیراً و لکن اکثر النا س لا یعلمون۔" (سباء: 28)

یعنی اے پیغمبر ہم نے جو تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تو سارے انسانوں کے لئے

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
اس سے ثابت ہوا کہ جتنے بھی رسول آئے وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے آئے۔
جمادات و نباتات و حیوانات کے لئے نہیں آئے تھے۔

امام

خداوند تعالیٰ نے جس طرح رسولوں کو انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا اسی طرح امام بھی اس نے انسانوں ہی کی ہدایت کے لئے مقرر کئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
"قال انی جاعلک للناس اماما۔" (البقرہ: 124)
یعنی خدا نے فرمایا (اے ابراہیم) میں تجھے انسانوں کو امام بنانے والا ہوں۔
پس جس طرح رسول انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اسی طرح امام بھی انسانوں کی ہدایت کے لئے مقرر ہوئے۔

ولی

لفظ ولی بھی اپنی اضافت کے ساتھ ہی صحیح معنی دیتا ہے۔ پس جب یہ لفظ مومنین کے ساتھ مضاف ہو گا' تو حاکم و فرمانروا کے معنی دے گا' کیونکہ جس طرح خدا کسی کافر کو ایمان لانے سے پہلے نماز و روزہ و حج و زکواۃ کا حکم نہیں دیتا' اس طرح کسی کافر کو اطاعت کرنے کا حکم بھی نہیں دیتا' بلکہ اطاعت کا حکم صرف اہل ایمان کو دیا جاتا ہے۔
چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
"یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔"
(النساء: 59)
یعنی اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی' اور اطاعت کرو رسول کی' اور اطاعت کرو اولی الامر کی جو تم میں سے ہیں۔

پس اہل ایمان پر اللہ کی اطاعت فرض ہے' جو علامت حکومت ہے۔ اور چونکہ کوئی بھی اللہ سے براہ راست احکام وصول نہیں کر سکتا لہٰذا اللہ کی طرف سے اس کے رسول کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور رسول کے بعد اولی الامر کی اطاعت ان پر واجب ہے۔ اسی لئے آیہ مجیدہ : "انما ولیکم اللہ...." میں علی کو پیغمبر کے بعد مومنین کا حاکم و فرمانروا بنانے کا اعلان ہے۔ نہ کہ اس میں ان کی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا اعلان ہے' جو "ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہو۔ یا "علیٰ حد ربوبیتہ" ہو۔ یا "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشہود" ہو۔ یا "من الذرۃ الیٰ الذرۃ" ہو۔

نمبر 12: پھر اس سے آگے خطبہ غدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اے مردم خدا دین شما را با ولایت و امامت علی کامل فرمود۔ و کسانی کہ تا روز رستاخیز' تابع او' و جانشینان او' از فرزندانش نباشند' اعمالشان باطل' و در آتش جہنم ہمیشگی' و جاویدان باقی خواہند ماند و عذاب دوزخ از آنان کاستہ نخواہد شد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 20)

ترجمہ : اے لوگو! خدا نے تمہارے دین کو علی کی امامت اور ولایت کے ذریعہ کامل فرمایا ہے' لہٰذا وہ لوگ جو قیامت تک ہوں گے اور اس کے اور میری اولاد میں سے اس کے جانشینوں کے پیرو اور تابع فرمان نہ ہوں گے' ان کے اعمال باطل ہو جائیں گے' اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں باقی رہیں گے اور دوزخ کا عذاب ان سے کم نہ کیا جائے گا۔

جناب احقاقی صاحب پیغمبر (ص) کے خطبہ کے اس حصہ میں بھی علی (ع) کی ولایت و امامت کو (دین شما) سے تعبیر کیا گیا ہے جو علی (ع) کی ولایت و امامت سے مکمل ہوا ہے۔ اور ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی فرع امامت ہیں۔ یعنی جس طرح رسول کی اطاعت اس لئے ہے' کہ وہ خدا کے رسول ہیں' اسی طرح امام کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ امام ہیں' اور یہ اطاعت ہی ولایت کی علامت ہے۔ جیسے آیہ مجیدہ : "انما ولیکم اللہ..." میں بدلیل ضمیر "کم" مومنین کے لئے ولی و حاکم و فرمانروا مقرر کیا گیا

ہے۔ اس میں "علٰی ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشھود" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" کے لئے ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کی تو کوئی بات نہیں ہے۔

نمبر13: پھر اس سے آگے خطبہ غدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ای مردم خدا مرا امر و نہی فرمود (یعنی تمام اوامر و نواہی شرع را بہ من آموخت) من نیز علی را امر و نہی کردم۔ پس علم علی برا وامر و نواہی امور، از جانب خدا است۔ بنا بریں بہ فرمانہای علی (ع) گوش فرا دارید، تا راہ سلامت پیمائید، و از او اطاعت کنید تا رستگار شوید و از آنچہ علی (ع) نہی می کند دست بر دارید، تا سعادت مند شوید۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 25-26)

ترجمہ: اے لوگو! خدا نے مجھے امر و نہی فرمائی (یعنی شریعت کے تمام احکام اوامر و نواہی مجھے تعلیم کئے) اور میں نے بھی علی (ع) کو اوامر و نواہی بیان کئے ہیں پس امور شریعت کے اوامر و نواہی میں علی کا علم خدا کی طرف سے ہے۔ لہٰذا تم علیؑ کے حکم کو غور سے سنو، تاکہ صحیح سلامت راستہ طے کرو، اور اس کی اطاعت کرو، تاکہ تم نجات پاؤ۔ اور جس چیز سے علی منع کرے، اس سے رک جانا، تاکہ تم نیک بخت ہو جاؤ۔

جناب احقاقی صاحب! آپ خود ہی غور کریں کہ پیغمبر تو انتہائی واضح الفاظ میں علی (ع) کو امور شریعت کے اوامر و نواہی کی تعلیم کرنے، اور ان امور شریعت کو نافذ کرنے کے لئے ہی انہیں حاکم و فرمانروا مقرر کرنے، اور اہل ایمان کو ان کی امور شریعت کے اوامر و نواہی میں اطاعت کرنے کا ارشاد فرما رہے ہیں۔ اس میں "ما سوٰی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشھود" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" کے لئے ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ اور ولایت تکوینی یعنی خلق کرنے۔ رزق دینے مارنے یا جلانے، عمریں تقسیم کرنے، اولاد دینے اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے کی بات کہاں ہے۔ ذرا خدا سے ڈرو اور اہل ایمان کو گمراہ کرنے سے باز آؤ اور شیطانی کردار ادا کرنے سے رک جاؤ۔

نمبر14: پھراس سے آگے خطبہ غدیر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ای مردم عدئہ شما بیشتر از آن است کہ همه تان بعنوان بیعت به علی ابن ابی طالب (ع) با من مصافحه نمائید، و دست بدهید۔ خدا به من فرمان داد، که در خصوص اقرار به ولایت و صایت علی امیر المومنین و امامان برحق پس از او که از ذریه من و او هستند از شما ها شفا ها، اقرار بگیرم۔ پس همگی با صدای رسا بگوئید، ما گفتار ترا در امر ولایت علی و اولاد بر حقش شنیدیم، و مطیع و راضی و تابعیم، به آنچه از طرف خدای بزرگ در این خصوص به ما رسانیدی، و به این امر (ولایت و خلافت بلا فصل امیر المومنین علی ابن ابی طالب (ع) با دلها و جانها وزبانها و دستهائے ما ن یا تو بیعت می کنسیم۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 34-35)

ترجمہ : اے لوگو! تمہاری تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کہ تم سب کے سب علی ابن ابی طالب کی بیعت کے لئے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر مصافحہ کرو۔ لہٰذا خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں علی امیرالمومنین کے وصی ہونے اور اس کی ولایت (حکمرانی) کا اور اس کے بعد اس کی اور میری اولاد سے ہونے والے برحق اماموں کی ولایت و حکومت کا تم سے زبانی طور پر اقرار کراؤں۔ پس تم سب کے سب بلند آواز کے ساتھ اس بات کا اقرار کرو کہ ہم نے علی (ع) اور ان کی برحق اولاد کے حاکم و فرمانروا ہونے کے بارے میں آپ کا فرمان اور اعلان سن لیا ہے۔ اور جو کچھ آپ نے خاص طور پر اس بارے میں خدائے بزرگ کی طرف سے ہمیں پہنچایا ہے۔ ہم اس کے لئے اطاعت گذار، اور ان کی حکومت سے راضی، اور ان کی پیروی کرتے رہیں گے۔ اور اس امر (ولایت و خلافت بلا فصل امیر المومنین علی ابن ابی طالب (ع)) کے لئے دل و جان سے اور زبان سے بھی اور اپنے ہاتھ سے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

حدیث غدیر اور آیہ تکمیل دین کا ماحصل

قارئین محترم! حدیث غدیر اور آیہ تکمیل دین کا ماحصل یہ ہے کہ دین کے معنی اطاعت ہیں۔ اور جس کی بھی اطاعت ہو وہی اس کا دین ہے۔ لیکن خدا کی اطاعت کا نام دین اسلام ہے۔ چونکہ خدا اپنی اطاعت کے لئے کسی کو براہ راست حکم نہیں دیا کرتا بلکہ اپنے رسولوں کے ذریعہ اپنے احکام اہل ایمان تک پہنچاتا ہے' لہٰذا پہلے وہ لوگوں کو خدا و رسول پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے' اور پھر ایمان لانے والوں سے' اپنی اطاعت کرانے کے لئے اپنے رسولوں کے ذریعہ انہیں اپنے احکام بھیجتا ہے۔ اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے اور چونکہ رسول کے لئے اس دنیا سے رخصت ہونا مقدر ہو چکا تھا' لہٰذا کافر یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ اب یہ دین ختم ہو جائے گا۔ چونکہ رسول کی اطاعت میں خدا کی اطاعت ہے۔ جب رسول نہ رہے گا تو یہ دین بھی نہ رہے گا۔ لہٰذا خدا نے پیغمبر کی رحلت کے بعد کے لئے' اس دین کی بقاء کے لئے ان ہستیوں کے تقرر کا اعلان کرایا' جن کی اطاعت پیغمبر کی اطاعت کی طرح خدا کی اطاعت سمجھی جائے' اور اس طرح دین اسلام یعنی خدا کی اطاعت کا سلسلہ پیغمبر کے بعد بھی جاری رہے۔

غدیر خم کے مقام پر اس اعلان سے کافر اہل ایمان کے دین سے مایوس ہو گئے۔ اس چیز کو خداوند تعالیٰ آیہ تکمیل دین سے پہلی آیت میں یوں ارشاد فرماتا ہے۔

"الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشونی۔"

(المائدہ: 3)

یعنی آج پیغمبر کے بعد علی اور ان کی ذریت میں قیامت تک آنے والے اماموں کی اطاعت کا اعلان ہونے سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی ہے۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ علیؑ کی امامت کے اعلان سے دین اسلام کے باقی رہنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اب قیامت تک علی اور ان کی اولاد معصومین یعنی آئمہ طاہرین علیہم السلام کی اطاعت خدا کی اطاعت سمجھی جائے گی۔ اور اس طرح خدا کا دین قیامت تک باقی رہے گا۔ اور تکمیل دین کی آیہ مجیدہ میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم یعنی اے اہل ایمان آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے' اب تم پیغمبر

کے بعد اس ہستی کی کی اطاعت کے ذریعہ، جسے میں نے آج تمہارا امام و پیشوا اور حاکم و فرمانروا مقرر کیا ہے، میری اطاعت کر سکو گے، اور میں نے اسلام کو ہی یعنی صرف اپنی اطاعت کو ہی تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کیا ہے۔ پس تم پیغمبر کے بعد علیؑ اور اس کی پاک اولاد کی ہی اطاعت کرنا۔ کیونکہ اب ان کی اطاعت میری اطاعت ہے، جس طرح رسول کی زندگی میں رسول کی اطاعت میری اطاعت تھی۔ اگر پیغمبر کے بعد خدا یہ انتظام نہ کرتا تو یہ کمی رہ جاتی۔ پس خدا نے اس طرح سے اس کمی کو پورا کر دیا ہے اور دین کی تکمیل کر دی ہے اور صاف بتلا دیا کہ "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا۔" یعنی سوائے اس کے نہیں کہ اے اہل ایمان تمہارا "ولی"، "و لیکم" تمہارا ولی، تمہارا حاکم، تمہارا فرمانروا، صرف اور صرف اللہ ہے، اور اللہ چونکہ اپنے رسول کے ذریعہ اپنے احکام تمہیں دیتا ہے، لہٰذا میری طرف سے میرا رسول تمہارا ولی ہے، اے اہل ایمان تمہارا ولی ہے، "و لیکم" تمہارا "ولی" تمہارا حاکم، اور تمہارا فرمانروا، میری طرف سے میرا رسول ہے۔ اور چونکہ اب میرے پیغمبر کی اس دنیا سے رخصت کا وقت قریب آگیا ہے، لہٰذا اب پیغمبر کے بعد میری اطاعت اس کے ذریعہ کی جائے گی، جس نے حالت رکوع میں زکواۃ دی ہے، اب تم اس کی اطاعت کرنا۔ کیونکہ اب اس کی اطاعت میری اطاعت ہو گی۔

پس خطبہ غدیر جس کے 14 اقتباسات ہم نے مرزا عبدالرسول احقاقی کی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" سے پیش کئے ہیں، اور آیہ تکمیل دین اور آیہ "انما ولیکم اللہ" میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے۔ جو پیغمبر اکرمؐ یا حضرت علی (ع) اور آئمہ معصومین (ع) کی ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ پر، جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" اور "علی حد ربوبیتہ" اور "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" پر دلالت کرتا ہو یا ان کی ولایت تکوینی یعنی خلق کرنے رزق دینے، زندہ کرنے اور موت دینے۔ اولاد دینے، عمروں کا تعین کرنے اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے کے بارے میں ذرا سا بھی اشارہ کرتا ہو، لیکن اس کے باوجود مرزا عبدالرسول احقاقی۔ "پایان حدیث غدیر از احتجاج طبرسی" کے زیر عنوان اس طرح سے لکھتے ہیں۔

پایان حدیث غدیر از احتجاج طبرسی

با مطلقه دقیق حدیث غدیر خم که ما آں را با وجود مفصل بودنش در
ایں مختصر نقل کردیم، و همچنیں مطالعه آیات و روایات بے شمار دیگر
در آں زمینه برائے همه ثابت می شود که اقرار به وحدانیت خدا و نبوت رسول
اکرم با اعتراف به ولایت و امامت امیر المومنین علیه السلام و اولاد
اطهارش همبستگی کامل و ناگستنی دارد و ایں سه کلمه طیبه یعنی لا اله
الله محمد رسول الله علی ولی الله با یکریگر پیوند جاودانه دارند و
غیر قابل انفکاک می باشند و از روز نخست تا پایان عالم تکلیف
ولایت مطلقه حضرت علی ابن ابی طالب با رسالت رسول اکرم و
وحدانیت خدای ذوالجلال همدوش بوده و خواید بود، و صریح آیه مبارکه:
"یا ایها الرسول بلغ...." و "انما ولیکم...." و آیات و روایات بے شمار
دیگر ثابت می نماید که اقرار به توحید و نبوت بدون اعتراف به ولایت
نفعی نخواهد درشت۔ بلکه کمال دین، و تمام نعمت، و قبول اعمال و دخول به
بهشت و نجات از دوزخ و عبور از صراط همگی بستگی به اقرار و اعتراف
به ولایت امیر المومنین و آئمه اطهار علیهم السلام دارد

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 39)

ترجمہ: حدیث غدیر خم کے گہرے مطالعہ سے جسے ہم نے مفصل ہونے کے باوجود،
اپنی اس مختصر کتاب میں نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح اس سلسلہ میں دوسری اور بہت سی
آیات و روایات کے مطالعہ سے سب پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا کی وحدانیت
اور رسول اکرم کی نبوت، امیر المومنین علی علیہ السلام اور ان کی پاک اولاد کی ولایت و
امامت کے اعتراف کے اقرار کے ساتھ نہ جدا ہونے والی کامل ہم بستگی رکھتی ہے۔ اور
یہ تین کلمہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ ہمیشہ اکٹھے رہے ہیں
اور پہلے دن سے دنیا کے خاتمہ تک حضرت علی ابن ابی طالب کی ولایت مطلقہ رسول اکرم

کی رسالت اور خدای ذوالجلال کی وحدانیت کے ساتھ رہی ہے اور رہے گی۔ اور آیہ مبارکہ "یا ایھا الرسول بلغ..." و "انما ولیکم..." اور دوسری بہت سی آیات و روایات یہ ثابت کرتے ہیں کہ توحید و نبوت کا اقرار ولایت کے اعتراف کے بغیر کوئی نفع نہ دے گا۔ بلکہ کمال دین و اتمام نعمت و قبول اعمال اور بہشت کا دخول اور دوزخ سے نجات، صراط سے عبور، یہ سب کے سب امیرالمومنین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی ولایت کے اقرار و اعتراف کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جناب احقاقی صاحب دھوکہ دینے کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہو گی زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے اندھے کو بھی دکھائی دیتا ہے کہ اس آیہ مجیدہ میں "و لیکم" ہے "ولی اللہ" نہیں ہے۔ اور وہ ولایت جس کے بغیر اہل ایمان کے اعمال قبول نہ ہوں گے وہ پیغمبر کے بعد ان کی حکومت و فرمانروائی کو تسلیم کرنا اور ان کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ ولایت جس کا اس آیہ مجیدہ میں ذکر ہے وہ ازل سے تو کیا خود پیغمبر اکرم کی حیات میں بھی نہیں تھی۔ پیغمبر کی حیات میں خود پیغمبر اکرم اس ولایت و حکومت و فرمانروائی کے حامل تھے، اور علی (ع) نہ صرف ان کے تابع فرمان تھے، بلکہ سب سے بڑھ کر اطاعت کرنے والے تھے، اور وہ پیغمبر کی اطاعت سے روگردانی کو کفر سمجھتے تھے، اور میدان احد میں علی (ع) کا یہ جملہ کہ "ءاکفر بعدالایمان" آج تک تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے، اور علی (ع) کی ولایت و حکومت و فرمانروائی جس کا اس آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں ذکر ہے وہ پیغمبر اکرم کے بعد کے لئے ہے، اور پیغمبر کی احادیث میں بھی علی (ع) کی ولایت کا جہاں ذکر آیا ہے وہ "ولیکم من بعدی" آیا ہے، یعنی وہ میرے بعد تمہارا یعنی اہل ایمان کا ولی یعنی حاکم و فرمانروا ہے۔ یا "ولی کل مومن و مومنۃ من بعدی" آیا ہے یعنی میرے بعد ہر مومن و مومنہ کا ولی و حاکم و فرمانروا ہے۔ یہ "من بعدی" کا فقرہ خاص طور سے ولی کے معنی کا تعین کرتا ہے ورنہ خود احقاقی صاحب آپ نے اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن کے صفحہ 78 پر ولی کے 14 معنی لکھے ہیں۔

ولیکم اور ولی اللہ میں فرق

خداوند تعالٰی نے بھی اور پیغمبر اکرم (ص) نے بھی اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے "و لیکم" کہا تھا یعنی تمہارا ولی "ولی اللہ" یعنی اللہ کا ولی آیت میں نہیں ہے۔ اور "انما ولیکم" میں جہاں "انما" کا حصر اس کے معنی دوست نہیں کرنے دیتا وہاں "و لیکم" میں ضمیر متصل "کم" کا حصر بھی جو خالصتاً اہل ایمان سے مخاطب ہے۔ اس کے معنی "ولی اللہ" نہیں کرنے دیتا۔ چاہے یہ ولی اللہ صوفیوں والا ولی اللہ ہو جو خود کو ولی اللہ سمجھتے ہیں بایں معنی کہ وہ حلول و اتحاد وحدت الوجود کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ' ولی اللہ میں حلول کرتا ہے۔ وہ علی کو ولی اللہ سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر کہتے ہیں۔ اور ولایت کا خرقہ علی (ع) کے پاس سے ہی اپنے تک کھینچ کر لاتے ہیں۔ یا یہ مفوضہ اور شیخیوں والا ولی اللہ ہو' جو ولی اللہ سے مراد قدرت اللہ لیتے ہیں جو مقام ربوبیت ہے ملاحظ ہو شیخ احمد احسائی کی شرح زیارت صفحہ 214 سطر1 تا 6 جس کا عکس ہم نے اپنی کتاب تبصرۃ الھموم کے صفحہ 85 پر منعکس کیا ہے۔

یا وہ اہل سنت کا ولی اللہ ہو' جو ہر فاتر العقل' مخبوط الحواس گندگی کھانے والے' ستر عورتیں تک سے بے پروا تک کو جس سے تکالیف شرعیہ مرفوع ہو چکی ہوں' ولی اللہ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس آیہ مجیدہ میں تو دو حصر ہیں۔ ایک "انما" کا حصر یعنی سوائے اس کے نہیں دوسرے "و لیکم" کے ضمیر متصل مخاطب "کم" کا حصر یعنی اے مومنین تمہارا' اور ولی اللہ کے لئے کوئی حصر نہیں ہے۔ بلکہ خدا سے محبت کرنا اور دوستی رکھنا محبت تکلیفی ہے یعنی مومنین پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کریں۔

"و من الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ' والذین آمنوا اشد حبًا للہ"

(البقرہ: 165)

اور آدمیوں میں سے ایسے بھی ہیں' جو خدا کو چھوڑ کر اوروں کو اس کا ہمسر

بناتے ہیں' اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت انہیں خدا سے کرنی چاہئے' اور جو جو ایمان والے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت خدا ہی سے ہوتی ہے۔

اور پیغمبر اکرمؐ کے قربیٰ سے محبت رکھنا بھی' محبت تکلیفی ہے' یعنی مومنین پر واجب ہے کہ وہ پیغمبر اکرم کے قربیٰ سے محبت کریں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"قل لا اسلکم علیہ اجراً الی المودۃ فی القربیٰ" (الشوریٰ: 23)

یعنی اے پیغمبر تم ان سے کہہ دو کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کا اجر اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگتا' کہ تم میرے قربیٰ سے محبت کرو۔ پس خدا سے محبت رکھنا بھی محبت تکلیفی ہے۔ اور محمد و آل محمد سے محبت رکھنا بھی محبت تکلیفی ہے اور اہل ایمان پر یہ محبت واجب ہے' اور عین فرض ہے' اور فرض عین ہے' اور پیغمبر اکرم نے علی کی ولایت کے اعلان کے بعد دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا "اللھم وال من والاہ" پروردگار جو علی کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ' اسے تولا کہتے ہیں جو ہمارے فروع دین میں ساتویں نمبر پر ہے' اور اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو نیکی کرتے ہیں۔ ان اللہ یحب المحسنین (البقرہ: 195) بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ محبت التزامی ہے یعنی خدا نے خود سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرے اور انہیں دوست رکھے۔

پس قرآنی آیات و روایات سے ثابت ہے کہ اللہ اہل ایمان سے دوستی رکھتا ہے۔

"اللہ ولی الذین آمنوا" (البقرہ: 257)

یعنی اللہ ایمان لانے والوں کا ولی اور دوست ہے اور مومن اللہ کے ولی ہیں۔ جس کی گواہی خود خدا دیتا ہے۔

"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون۔" (یونس: 63)

آگاہ رہو بیشک جو دوستان خدا ہیں' ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے' وہ وہی لوگ ہیں' جو ایمان لائے اور پرہیز گاری برتتے ہیں۔

پس ولی اللہ کے لئے کوئی حصر نہیں ہے' بلکہ ہر مومن و متقی ولی اللہ ہے۔ پس سلمان بھی ولی اللہ ہیں۔ ابوذر بھی ولی اللہ ہیں' مقداد بھی ولی اللہ ہیں' عمار یاسر بھی ولی

اللہ ہیں' کربلا کے سارے شہدا جن کی زیارت میں ہم پڑھتے ہیں السلام علیکم یا اولیاء اللہ و احباءہ۔ اے اولیاء اللہ اور اس سے محبت کرنے والو تم پر ہمارا سلام' وہ سب ولی اللہ ہیں۔

جناب احقاقی صاحب زیادہ تلخی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے' وہ ولایت جس کے اقرار سے اعمال قبول ہوں گے۔ بہشت میں دخول ہو گا۔ دوزخ سے نجات ہو گی۔ صراط سے عبور ہو گا وہ "و لیکم" والی ولایت ہے' جو پیغمبر کے بعد سے مانی جائے گی یا وہ ولایت ہے' جو محبت تکلیفی کے ماتحت اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ علی اور اولاد علی سے محبت کریں اور ان کی ولایت کا دم بھریں' اور وہ خود ان کے ولی یعنی محبت کرنے والے بنیں۔ اور علیؑ کے ولی اللہ ہونے کا سارا فائدہ تو علیؑ کو پہنچے گا۔ پس قرآن و احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ مومنین کا ولی یعنی دوست ہے' اور مومنین اللہ کے ولی یعنی دوست ہیں' تو کُلِّ ایمان کے ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ہونے میں کسے انکار ہو سکتا ہے' اور دعوے کے ساتھ کہتا ہوں میں یہ بات کہ دنیا کا کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو علی کو ولی اللہ نہ مانتا ہو۔ صوفی سب سے بڑھ کر علی کو ولی اللہ مانتے ہیں' کہ وہ علی کو ولی اللہ مانے بغیر خود ولی اللہ نہیں بن سکتے' وہ ولی اللہ کا خرقہ علی کے پاس سے ہی کھینچ کر لاتے ہیں' اور مفوضہ و شیخیہ ان سے بڑھ کر ولی اللہ مانتے ہیں' جسے وہ قدرت اللہ کے ہم معنی اور مقام ربوبیت سمجھتے ہیں' اور اس ولی اللہ سے ہی وہ انہیں خالق و رازق و محی و ممیت و مدبر کائنات اور تمام کارہائے ربوبی انجام دینے والے مانتے ہیں اور کوئی سنی مسلمان بھی ایسا نہیں ہے کہ جو علی کو ولی اللہ نہ مانتا ہو۔ اگر آپ کہیں نہیں' تو آپ جھوٹ کہیں گے۔ آپ کسی سنی مسلمان سے پوچھیں وہ حضرت علی کو ولی اللہ ماننے سے ہرگز انکار نہیں کرے گا۔ یقیناً وہ حضرت علی کو ولی اللہ مانتے ہیں پیغمبر کی حیات میں بھی انہیں علی کو ولی اللہ ماننے سے انکار نہیں تھا' اور پیغمبر کے بعد بھی انہیں علی کو ولی اللہ ماننے سے انکار نہیں ہے' ہاں وہ علی کے پیغمبر کے بعد "انما و لیکم...." ہونے سے انکار کرتے ہیں' اور یہاں بھی "انما" کے حصر اور و لیکم میں "کم" کے حصر کے باوجود انہیں مفوضہ اور شیخیوں کی طرح ولی اللہ ہی مانتے ہیں' اس فرق کے ساتھ کہ اہل سنت کے نزدیک ولی اللہ کے معنی اللہ کا دوست ہیں' اور و لیکم کے معنی بھی تمہارا دوست ہے' لیکن شیخیہ و

مفوضہ کے نزدیک ولی اللہ کے معنی قدرت اللہ یا حامل مقام ربوبی ہے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا پس سوائے شیعہ حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کے کوئی بھی علی کو پیغمبر کے بعد "انما و لیکم" کے مطابق مسلمانوں کا حاکم و فرمانروا نہیں مانتا۔ اور پیغمبر کے عین بعد' ان کی اور ان کی پاک اولاد' یعنی آئمہ طاہرین کی ولایت کو' اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا۔ بہرحال ثابت ہوا کہ خدا نے بھی اور پیغمبر (ص) نے بھی پیغمبر کے بعد کے لئے علی کو مومنین کا ولی و حاکم و فرمانروا کہا ہے ولی اللہ نہیں کہا ہے۔

احقاقی صاحب اب بتلائیں آپ ناسمجھ دوسروں کو بتلاتے ہیں' اندھا دوسروں کو کہتے ہیں' لیکن ہر انصاف پسند اور صاحب عقل آپ کے بیان سے یہ جان لے گا کہ واقعا نادان و ناسمجھ اور اندھا کون ہے؟ اور اپنے عقیدہ تفویض کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کو غلط طور پر توڑ مروڑ کے' اپنے مطلب پر چپکانے کے لئے پردہ کس کی آنکھوں پر پڑا ہے؟ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ ولی اللہ بمعنی دوست ہونا بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن دوستی دوستی میں فرق مراتب اور درجے ہیں ایسے بھی دوست ہیں جو واجبی حد تک دوستی رکھتے ہیں اور ایسے بھی دوست ہوتے ہیں جو دوست کے لئے جاں تک نثار کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور نقد جان کو دوست کی مرضی پر بیچ ڈالتے ہیں۔ ایسے دوست کی بات کو دوسرا دوست بھی نہیں ٹالتا اور اگر کوئی ایسا دوست خدا کا ہو تو خدا بھی اس کے لئے معجزات و کرامات کے ذریعہ ناز برداریاں کرتا ہے۔ اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے دیر نہیں لگاتا۔ لیکن یہ دوستی "انما ولیکم" والی نہیں ہے بلکہ "الا ان اولیاء اللہ" والی دوستی ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا اذان و اقامہ کی طرف رخ

قارئین محترم! مذکورہ بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ تم پیغمبر کے بعد علی اور ان کی پاک اولاد کی اطاعت کرنا۔ اور ان کو اپنا حاکم و فرمانروا ماننا' اور بس۔ لیکن مرزا عبدالرسول احقاقی نے آیہ مجیدہ کے "و لیکم" کو ولی اللہ میں 'بدلا' اور پھر اسے اذان و

اقامت میں اشھدان محمدرسول اللہ کے بعد اشھدان علیًا ولی اللہ کہنے کے لئے شروع کر دیا، جس کا ان کی کتاب کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے استدلات میں سے چند کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

السلافۃ فی امر الخلافۃ کی عبارت سے استدلال

مرزا عبدالرسول احقاقی کی اذان و اقامت میں علیا ولی اللہ کہنے کے لئے ایک دلیل یہ ہے کہ:۔

"السلافه فی امر الخلافة شیخ عبداللہ مراغی مصری که از اجله علمائے اہل سنن است نقل کردہ است۔ در عصر حضرت رسول اکرم (ص) جناب سلمان در اذان و اقامة بعد از شہادت به رسالت، شہادت بر ولایت علی (ع) را نیز ذکر می کرد، شخصی آں را از سلمان شنید و نزد رسول اکرم (ص) رفت و عرض کرد، یا رسول اللہ از سلمان شنیدم که پس از شہادت بر رسالت شہادت بر ولایت علی می داد۔ (یعنی بعد از اشھدان محمد رسول اللہ می گفت اشھدان علیا ولی اللہ) پیغمبر فرمود (سمعت خیراً) یعنی از سلمان سخن نیکوی شنیدی۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 47-48)

ترجمہ: یعنی کتاب السلافۃ فی امر الخلافۃ میں، شیخ عبداللہ مراغی مصری نے، جو اہل سنت کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، یہ لکھا ہے کہ حضرت رسول اکرم کے زمانے میں، جناب سلمان اذان و اقامت میں رسالت کی شہادت کے بعد، ولایت علی کی شہادت کا بھی ذکر کیا کرتے تھے، ایک آدمی نے یہ بات سلمان سے سن لی، اور رسول اکرم کے پاس جا کر کہا یا رسول اللہ میں نے سلمان سے سنا ہے کہ وہ رسالت کی شہادت کے بعد ولایت علی کی شہادت بھی بیان کرتے ہیں (یعنی اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشھد ان علیا ولی اللہ کہتے ہیں) پیغمبر نے فرمایا کہ سمعت خیراً یعنی تو نے سلمان سے اچھی بات سنی ہے۔

اس کے بعد اسی کتاب السلافتہ فی امر الخلافتہ سے ہی ابو ذر کی روایت اس طرح سے نقل کرتے ہیں۔

"السلافتہ فی امر الخلافتہ از شیخ عبداللہ مراغی مصری روایت شدہ مردی بخدمت رسول اکرم (ص) رسید و عرض کردیا رسول اللہ ابوذر در اذان پس از شہادت بر سالت شہادت بر ولایت را ذکر می کند و می گوید "اشہد ان علیا ولی اللہ"

حضرت فرمود حقیقت امر ہماں طور است کہ از ابوذر شنیدی' آیا گفتار مرا در غدیر خم فراموش کردید' کہ گفتم ہر کہ را من مولا یم علی ہم مولای اوست' و ہر کس ایں پیمان را بشکند خود را خوار و ذلیل نمودہ است۔"

(ولایت از دید گاہ قرآن: 48)

ترجمہ : السلافتہ فی امر الخلافتہ میں شیخ عبداللہ مراغی مصری لکھتے ہیں' کہ ایک آدمی رسول اکرم (ص) کی خدمت میں آیا' اور عرض کی' کہ یا رسول اللہ ابو ذر اذان میں رسالت کی شہادت کے بعد شہادت ولایت کا بھی ذکر کرتا ہے' اور یوں کہتا ہے "اشہد ان علیا ولی اللہ" حضرت نے فرمایا۔ حقیقت امر یہی ہے' جو تو نے ابوذر سے سنی ہے' کیا تو نے میری غدیر خم کے دن کی تقریر کو بھلا دیا ہے' جس میں میں نے کہا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے' اور جو کوئی اس عہد و پیمان کو توڑے' اس نے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کر لیا ہے۔

قارئین محترم! تمام اہل سنت بالاتفاق آیہ مجیدہ "انما ولیکم" میں واقع لفظ ولی کے معنی دوست کرتے ہیں' اور اعلان غدیر میں جو پیغمبر نے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کہا تھا' اس کا معنی بھی دوست ہی کرتے ہیں' ان دونوں روایتوں کے گھڑنے والے' اور کتاب السلافتہ فی امر الخلافتہ کے لکھنے والے نے' جسے احقاقی صاحب نے اہل سنت کے جلیل القدر علماء میں سے لکھا ہے' یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم..." میں ولی کے معنی بھی دوست ہیں اور غدیر خم میں جو پیغمبر (ص) نے علی (ع) کو مولا کہا تھا' تو اس مولا کے معنی بھی دوست ہی ہیں۔ یہ بات ثابت

کرنے کے علاوہ اس روایت کے گھڑنے کا اور کوئی مقصد نہیں تھا' کیونکہ اپنے سنی ہونے کی حیثیت سے نہ تو علی کو پیغمبر کے بعد ولی کے معنی' حکمران و فرمانروا ثابت کرنے کے لئے یہ روایت بیان کی ہے' اور نہ ہی شیعوں کی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ ثابت کرنے کے لئے بیان کی ہے' کیونکہ سنی نہ علی کو پیغمبر (ص) کے عین بعد ولی یعنی حکمران و فرمانروا مانتے ہیں' اور نہ ہی وہ علی کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کے قائل ہیں' لہٰذا اس نے آیہ مجیدہ "ولیکم" کو بھی اور حدیث پیغمبر فھذا علی مولاہ کو بھی اپنا معنی ثابت کرنے کے لئے علیا ولی اللہ سے بدل دیا ہے۔

قارئین محترم! ذرا غور کریں کہ یہ روایت بڑی پیاری روایت تھی' بڑی قیمتی روایت تھی' اگر واقعا پیغمبر کے زمانے میں سلمان فارسی اور ابو ذر نے اذان و اقامت میں "علیا ولی اللہ" کہا ہوتا۔ اور پیغمبر نے اس کی تائید میں یہ کہا ہوتا' کہ کیا تم نے غدیر کے دن میرا اعلان نہیں سنا تو چونکہ اس روایت میں "علیا ولی اللہ" کا لفظ تھا جس کے معنی اللہ کے دوست ہیں تو اصحاب پیغمبر سے مروی ہونے کی وجہ سے اہل سنت کی کوئی کتاب ایسی باقی نہ رہتی جس میں اس روایت کو درج نہ کیا جاتا۔ جب کہ ان کی کسی بھی معتبر اور مستند کتاب میں یہ روایت موجود نہیں ہے' چلئے اہل سنت کی بات رہنے دیجئے' کیونکہ عین ممکن ہے احقاقی صاحب یہ کہیں کہ اہل سنت کے معروف علماء و محدثین نے اس روایت کو جان بوجھ کر نہیں لکھا۔ لیکن حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ شیعہ علماء و محدثین و فقہا نے چودہ سو سال میں ہزاروں کتابیں لکھی ہیں لیکن کسی نے بھی تو سلمان و ابوذر سے مروی اس قیمتی' اور شاندار روایت کو نقل نہیں کیا' آخر انہوں نے اس پیاری روایت کو اور اتنی قیمتی روایت کو کیوں چھوڑ دیا' بلکہ پیغمبر اکرم (ص) کے زمانے سے لے کر آج تک کے تمام فقہا کو تو' اس روایت کو ہر کتاب میں نقل کرنا چاہئے تھا' چونکہ اس میں پیغمبر کی تائید حدیث تقریری کا درجہ رکھتی تھی' لہٰذا تمام فقہا کو اس روایت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا چاہئے تھا' اور ڈنکے کی چوٹ کہنا چاہئے تھا کہ شہادت ثالثہ "اشھد ان علیا ولی اللہ" جزو اذان ہے۔

مشکل یہ ہے کہ احقاقی حضرات اجتہاد کی راہ سے میدان میں آئے ہیں' اور جب شیعوں کی کسی کتاب میں یہ بات نہ ملی تو اپنی تفویض کو ثابت کرنے کے لئے پیغمبر کے

چودہ سو سال بعد لکھی ہوئی ایک سنی کی کتاب سے استنباط پر آمادہ ہو گئے' جو معلوم نہیں سینوں میں سے بھی کسی مکتب فکر سے ہے' کیونکہ صوفیوں نے بھی خود ولی اللہ بننے کے لئے اور ولایت کا خرقہ علی (ع) سے کھینچ کر لانے کے لئے' حضرت علی کو اپنے مطلب کے مطابق ولی اللہ ثابت کرنے کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی انہیں کوششوں میں سے ایک ہو۔ اور یہ بات خود کو ولی بنانے اور ولایت کا خرقہ علی سے اپنے تک کھینچ کر لانے کے لئے کسی صوفی ہی نے گھڑی ہو' اس لئے کہ پیغمبر اکرم پر یہ ایک کھلا جھوٹ اور بہتان ہے' کیونکہ پیغمبر نے غدیر کے دن ہرگز ہرگز "علیا ولی اللہ" نہیں کہا تھا' بلکہ "ھو ولیکم" کہا تھا۔ یا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" کہا تھا۔ اور "ولیکم یا مولاہ" کا مطلب ہرگز ہرگز ولی اللہ نہیں ہے۔

چونکہ وہ لوگ جو پیغمبر کے بعد علی کو مومنین کا ولی و حاکم و فرمانروا نہیں مانتے یا مولا و آقا نہیں مانتے' بلکہ ولی کے معنی بھی دوست کرتے ہیں' اور مولا کے معنی بھی دوست لیتے ہیں' لہٰذا وہی ایسی روایتیں گھڑتے ہیں' جس میں ولی کے معنی دوست کے علاوہ اور کچھ نہ ہوں۔ البتہ صوفیہ و شیخیہ و مفوضہ کے نزدیک چونکہ ولی اللہ کے معنی قدرت اللہ ہیں' جو مقام ربوبیت ہے' لہٰذا ایسی روایات ان کے لئے کام آ جاتی ہیں اور وہ ان سے اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ اور بالخصوص وہ اذان و اقامت میں علیا ولی اللہ کہنے پر بڑے اصرار کے ساتھ زور دیتے ہیں۔ تاکہ یہ فقرہ مومنین کا معمول بن جانے کے بعد وہ اس فقرہ کو اپنے مطلب پر دلیل کے طور پر استعمال کر سکیں۔ حالانکہ اگر ہم مرزا حسین نوری کے روایات کو پرکھنے کے انداز میں غور کریں' تو ہمیں معلوم ہو گا' کہ حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ان دونوں بزرگ صحابہ پر جھوٹ بولا گیا ہے' اور ان پر بہت بڑی تہمت لگائی گئی ہے کیونکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے ان دونوں بزرگ صحابہ نے' ایک ایسی عبادت میں' جس کے فصول خدا کی طرف سے نازل کردہ تھے' خود اپنی طرف سے پیغمبر کی زندگی میں' پیغمبر کے کہے بغیر' اپنی مرضی سے خود بخود اضافہ کر لیا تھا۔

دوسرے اس روایت میں پیغمبر کی طرف سے یہ کہہ کر کہ کیا تم نے میرا غدیر کا اعلان نہیں سنا' پیغمبر اکرم پر بھی بھی تہمت لگائی گئی ہے' اور ان پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

کیونکہ حتماً و یقیناً نہ تو پیغمبر نے غدیر خم کے دن یہ کہا تھا کہ آج کا میرا یہ اعلان اذان میں "اشھد ان علیا ولی اللہ" کہنے کا اعلان ہے کیونکہ پیغمبر نے تو اپنی زندگی میں بہت سے اعلانات کئے ہیں۔ مگر پیغمبر کے اعلانات کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ تم اسے اذان میں کہنا۔ اور نہ ہی فی نفسہ علیا ولی اللہ کہا تھا۔ بلکہ "ولیکم" کہا تھا اور مولاہ کہا تھا جو ولی المومنین اور امیر المومنین تو بنتا ہے ولی اللہ نہیں بنتا۔ یعنی مومنین کا حاکم، مومنین کا امیر، مومنین کا فرمانروا بنتا ہے۔

خارج از موضوع بحث

مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں جہاں مذکورہ سنی عالم کی کتاب السلافۃ والخلافۃ کے حوالہ سے یہ کہا ہے کہ پیغمبر اکرم کے زمانے میں سلمان و ابوذر نے اذان میں "اشھد ان علیا ولی اللہ" کہا وہاں اذان میں "اشھد ان علیاً ولی اللہ" کہنے کے بعد اور بھی دلائل دیئے ہیں جو اس طرح ہیں۔

نمبر1: وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر41 پر مناقب ابن شاذان کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

آدم سرش را بلند کرد و دید در عرش خدا چنیں نوشتہ شدہ است: لا الہ الا محمد (ص) نبی الرحمۃ علی (ع) مقیم الحجۃ یعنی آدم علیہ السلام نے اپنا سر بلند کیا تو دیکھا کہ عرش خدا پر اس طرح لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ محمد (ص) نبی الرحمۃ علی (ع) مقیم الحجۃ

نمبر2: پھر صفحہ 41-42 پر عیون اخبار الرضا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آدم نے ساق عرش پر یہ لکھے ہوئے دیکھا۔

"لا الہ الا محمد رسول اللہ علی ابن ابی طالب امیر المومنین و زوجتہ فاطمہ سیدۃ نساء العالمین والحسن والحسین سید شباب اہل الجنۃ"

نمبر3: پھر صفحہ 43 پر مدینۃ المعاجز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب خدا نے قلم کو

پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ وہ بہشت کے تمام درختوں کے پتوں پر آسمانوں پر اور زمین پر' پہاڑوں پر اور درختوں پر لکھے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

نمبر 4: پھر اسی صفحہ 43 پر کفایتہ الاثر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر نے شب معراج ساق عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی و نصرتہ بہ

نمبر 5: پھر صفحہ 44 پر مدینہ المعاجز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا کہ انہوں نے شب معراج بہشت کے آٹھویں دروازوں پر نور سے لکھے ہوئے دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

نمبر 6-7: پھر صفحہ 47-48 پر شیخ عبداللہ مراغی کی کتاب السلافتہ فی امر الخلافتہ کے حوالے سے سلمان و ابوذر کے اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ کہنے کی روایت کو نقل کیا ہے جسے ہم سابق میں نقل کر آئے ہیں۔

نمبر 8: پھر صفحہ 48 پر ہی احتجاج طبرسی سے قاسم بن معویہ بن عمار سے ایک روایت نقل کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جبرئیل کے شہپر' آسمانوں پر اور زمین پر اور چاند اور پہاڑوں پر اور دریاؤں کے سرچشموں پر یہ لکھا ہوا ہے۔

لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب بھی تم میں سے کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اسے تما چاہئے کہ ساتھ ہی علی ولی اللہ بھی کہے۔ جب کہ آقای محسن حکیم طباطبای اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی کتاب المستمسک ج 4 صفحہ 14 طبع اول میں یوں لکھا ہے کہ:۔

لا باس بالا تیان بالشھادہ بالولایہ بقصد الا ستحباب المطلق لما فی خبر الاحتجاج: اذا قال احدکم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فلیقل علی امیر المومنین۔

آقائے محسن الحکیم کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک ولایت کے اقرار کا مطلب امیر المومنین ہونے کا اقرار ہے۔

دوسرے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ احتجاج طبرسی میں بھی علی امیر المومنین ہے

علی ولی اللہ نہیں ہے' اگرچہ انا قال احدکم لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کے بعد یہ کہنا کہ فلیقل علی امیر المومنین تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے عقیدے کا اظہار کرو' اور توحید کے ساتھ رسالت کی گواہی دو' تو اپنے عقیدہ کے اظہار کے طور پر' علی امیر المومنین بھی کہو۔ اس میں یہ بات نہیں کہی گئی' کہ اس کو اذان میں کہو اور اگر اس کو اذان میں کہنا لازم ہوتا' تو ضروری تھا کہ خود امام جعفر صادقؑ اور ان کے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ خود اذان میں اشھدان علیا ولی اللہ یا اشھدان علیا امیر المومنین کہتے' اور ہمیشہ نہ صحیح کبھی ایک آدھ دفعہ تو کہتے بلکہ قائم آل محمدؑ تک بارہ اماموں میں سے کوئی تو کہتا اور جب انہوں نے شیعوں کو یہ حکم دیا تھا "حتما بایدبگوید" تو شیعوں کو ہرگز امام کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے تھی' زور سے نہ صحیح چپکے سے صحیح' باہر نہ صحیح اندر صحیح' اور اس طرح کوئی تو ایسی روایت ہوتی کہ امام (ع) کے زمانے میں امام نے نہ صحیح فلاں شیعہ نے امام کے حکم سے ایسا کہا تھا مگر افسوس شیعوں کی حدیث کی تمام کتابیں اس قسم کی کسی روایت کے بیان کرنے سے قطعی طور پر خاموش ہیں اور محمد بن یعقوب کلینی سے لے کر شیعوں کے آخری محدث تک کسی نے یہ بات نہیں لکھی کہ آئمہ اطہار کے' زمانہ میں کسی امام نے یا کسی شیعہ نے اذان میں اس کا ذکر کیا ہو۔

یہ بات ہم نے صرف اظہار حقیقت کے لئے لکھی ہے ورنہ یہ ساری کی ساری بحث اس کتاب کے موضوع سے قطعی طور پر خارج از بحث ہے۔ چاہے علی ولی اللہ آسمانوں پر لکھا ہوا ہو یا لکھا ہوا نہ ہو۔ زمین پر لکھا ہوا ہو یا لکھا ہوا نہ ہو' چاند پر لکھا ہوا ہو یا لکھا ہوا نہ ہو' سورج پر لکھا ہوا ہو یا لکھا ہوا نہ ہو' درختوں کے پتوں پر لکھا ہوا ہو یا لکھا ہوا نہ ہو۔ یا ان چیزوں کے اوپر لکھا جا سکتا ہو یا نہ لکھا جا سکتا ہو۔

اور چاہے اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہ ہو کہ باختلاف الفاظ و معنی و مطلب جو کچھ ساق عرش پر لکھا ہوا ہے یا بہشت کے درختوں کے پتوں پر لکھا ہوا۔ یا آسمانوں پر اور زمین پر اور سورج پر اور چاند پر اور پہاڑوں پر اور درختوں پر اور دریاؤں کے سرچشموں پر لکھا ہوا ہے وہ اذان میں کہنے کے لئے ہے' یا اذان میں کہنے کے لئے نہیں ہے۔

اور چاہے امام جعفر صادق علیہ السلام کی احتجاج طبرسی کی دونوں روایتوں کا مطلب بھی جو امام کی طرف منسوب ہونے کے باوجود باہم مختلف ہیں۔ یہ ہو کہ جب تم اپنے عقیدے کا اظہار کے لئے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو تو ساتھ ہی محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرو اور جب محمد رسول اللہ کا اقرار کرو تو علی ولی اللہ یا علی امیر المومنین کا بھی اقرار کرو۔ اور چاہے یہ مطلب نہ ہو۔ اور چاہے اس سے مراد اذان میں اس کا کہنا ہو یا اس کا کہنا مراد نہ ہو۔ بہرحال یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے کیونکہ نہ تو مرزا عبدالرسول احقاقی کی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" کا یہ موضوع ہے اور نہ ہی ہماری اس کتاب یعنی "ولایت قرآن کی نظر میں" کا یہ موضوع ہے کہ اذان میں اسے کہنا چاہئے یا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ مرزا عبدالرسول احقاقی کی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" کا موضوع یہ ہے کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم" میں جس ولایت کا ذکر ہے وہ حضرت علی کی ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ ہے جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" پر ہے۔ از ازل تا ابد ہے۔ "من مبدء الوجود الی آخر مراتب الشہود" ہے۔ "علی حد ربوبیتہ" ہے اور "من الدرة الی الذرة" کے لئے ہے۔ جسے وہ ولایت تکوینی کا اعلان کہتے ہیں۔ یعنی اس ولایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ہی خلق کرتے ہیں رزق دیتے ہیں مارتے ہیں جلاتے ہیں عمریں تقسیم کرتے ہیں، اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرتے ہیں ان کاموں کو ازل سے وہی کر رہے ہیں اور ابد تک وہی ان کاموں کو انجام دیتے رہیں گے۔

اور ہماری کتاب "ولایت قرآن کی نظر میں" کا موضوع یہ ہے کہ پیغمبر اکرم نے آیہ مجیدہ "انما ولیکم" کے ذریعہ خدا کے حکم سے حضرت علی کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اپنا جانشین، لوگوں پر اپنی اور خدا کی طرف سے ان کا ولی، ان کا حاکم، ان کا فرمانروا، ان کا امیر، ان کا آقا اور ان کا مولا مقرر کیا تھا۔ اور حضرت علی "من مبدء الوجود" یا ازل سے تو کیا خود پیغمبر کی اس دنیا کی حیات کے زمانے میں بھی، اہل ایمان کے حاکم و فرمانروا نہ تھے، بلکہ وہ خود پیغمبر کے محکوم و مطیع و منقاد و فرمانبردار تھے، بلکہ حضرت علی سے بڑھ کر پیغمبر کا مطیع و منقاد و فرمانبردار اور کوئی نہ تھا۔

البتہ پیغمبر نے اپنے بعد کے لئے ان کو مومنین کا والی و امیر و حاکم و فرمانروا مقرر کر

کے تمام اہل ایمان کو ان کا محکوم و مطیع و منقاد قرار دیا تھا۔ اور ان کی اطاعت کو مومنین کے اوپر فرض قرار دیا تھا۔ اور اس آیت کا حضرت علی کی ولایت تکوینی یعنی خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جلانے، عمریں تقسیم کرنے، ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے اور امور ربوبیت انجام دینے سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

ہم اذان میں علیا ولی اللہ کیوں کہتے ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ احکام خداوندی کے بجالانے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے، کہ مکلف کو قرآن و احادیث پیغمبر اور احادیث آئمہ معصومین پر کامل عبور ہو۔ اور وہ قرآن اور احادیث معصومین علیہم السلام سے استنباط کر کے صحیح حکم خدا معلوم کرنے کی صلاحیت اور ملکہ رکھتا ہو۔ لہٰذا وہ اپنی تحقیق و استنباط کے مطابق عمل کر سکتا ہے ایسے شخص کو اصطلاح میں مجتہد کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی قرآن اور احادیث معصومین علیہم السلام سے استنباط کر کے صحیح حکم خدا معلوم کرنے کی صلاحیت اور ملکہ نہیں رکھتا تو اسے چاہئے کہ وہ ایسے شخص کی تقلید کرے، جو قرآن و احادیث معصومین علیہم السلام سے استنباط کر کے صحیح حکم خدا معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، یعنی وہ مجتہد ہو۔

میں 1941ء میں جب سن بلوغ کو پہنچا، تو اس وقت باب العلم اورینٹل کالج نوگانواں سادات ضلع مراد آباد میں زیر تعلیم تھا۔ لہٰذا میں نے اس وقت کے مرجع تقلید آیت اللہ آقائے ابو الحسن اصفہانی کی تقلید کر کے ان کا عملیہ سبقا سبقا پڑھا۔ آقائے ابو الحسن کے بعد میں نے آقائے بروجردی کی تقلید کی۔ آقائے بروجردی کے بعد آقائے محسن الحکیم کی تقلید کی۔ آقائے محسن الحکیم کے بعد آقائے ابو القاسم الخوئی کی تقلید کی اور آقائے ابو القاسم الخوئی کے بعد اب میں آقائے سید علی سیستانی کی تقلید میں ہوں۔

ان تمام مراجع عظام نے اذان کے 18 فصول لکھے ہیں اور سب نے بالفاظ واضح لکھا ہے کہ شہادت ثالثہ جزء اذان نہیں ہے۔ البتہ ان سب نے اس کا کہ لینا "خوب است" لکھا ہے یعنی اچھا ہے۔ لہٰذا ہم اپنے مراجع کی توضیح المسائل میں بیان کردہ مسئلہ کے

مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور اسے ہرگز ہرگز جزء اذان نہیں سمجھتے۔

لیکن اگر واقعا عبدالرسول احقاقی کی تحریر کے مطابق امام نے یہ فرمایا ہو کہ "حتما باید بگوید" اور اس سے مراد اذان میں کہنا ہو، تو یہ تو واجب ہو گیا۔ امام کہیں کہ حتما باید بگوید اور اسے واجب نہ سمجھا جائے، تو اور کس بات کو واجب سمجھا جائے گا؟ لیکن شیعوں کی حدیث کی کسی کتاب سے یہ بات ثابت نہیں ہے، کہ آئمہ اطہار میں سے کسی نے، کبھی بھی، اسے اذان میں کہا ہو، یا امام نے جب یہ کہا تھا کہ "حتما باید بگوید" تو کسی شیعہ نے ہی آئمہ کے زمانے میں کہا ہو، ظاہر نہ صحیح چھپ کر صحیح، باہر نہ صحیح اندر صحیح، کسی ایک بھی شیعہ کے بارے میں، شیعوں کی کسی ایک بھی کتاب میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے، جس میں یہ کہا گیا ہو کہ آئمہ کے دور میں فلاں شیعہ نے اذان میں یہ کہا تھا اور ایسا نہیں ہو سکتا، کہ امام کہیں اور شیعوں کو حکم دیں، کہ "حتما باید بگوید" اور شیعہ اسے کبھی بھی آئمہ کے زمانہ میں اذان میں نہ کہیں۔ اور مجتہدین اسے جزء اذان نہ سمجھیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام کی اس سے مراد اذان میں کہنا نہیں تھا۔ بلکہ امام کا اس سے مطلب یہ تھا کہ جب تم اپنا عقیدہ بیان کرو اور اپنے عقیدہ کا اظہار کرو تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ یا علی امیر المومنین (جونسی روایت صحیح ہو) کہا کرو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس عقیدے کے اظہار سے ہی شیعوں کو شیعہ کہا جاتا تھا۔

اور امام علیہ السلام کا یہ قول بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تم "اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله" کہو تو ساتھ ہی یہ بھی کہو کہ "اشهد ان الساعة آتية لا ريب فيها و ان الله يبعث من فی القبور۔" یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک قیامت آنے والی ہے، اور یقیناً اللہ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا، اور یہ بات مسلمہ اہل اسلام ہے، کہ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں صرف ان تین ہی عقائد کی تعلیم کی تھی، ایک توحید، دوسرے رسالت اور تیسرے قیامت۔ اور ہر اس شخص پر کہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا، یہ لازم تھا کہ وہ اپنے عقیدہ کے اظہار کے لئے، توحید و رسالت کے

ساتھ قیامت کا بھی اقرار کرے۔ اور توحید کے اقرار کے ساتھ آخرت یا قیامت کا اقرار کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کوئی شخص اس کے اذان میں کہنے کی بات نہیں کرتا' اور نہ ہی اذان کے فصول میں وحی کے ذریعہ اسے فصول اذان میں داخل کر کے پیغمبر کو پہنچایا گیا۔ اور نہ ہی کوئی اسے اذان میں کہتا ہے' تو اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح قیامت کے اقرار کی بات عقیدے کے اظہار کے لئے ہے' اسی طرح شہادت ثالثہ کے لئے "حتما باید بگوید" کی بات بھی عقیدے کے اظہار کے لئے ہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) صحابہ کرامؓ۔ آئمہ اطہار اور ان کے زمانے کے تمام علمائے ابرار اور محدثین اخیار بغیر شہادت ثالثہ کے ہی اذان و اقامت کہتے رہے۔ اور نمازیں پڑھتے رہے۔

جہاں تک عرش خدا پر' ساق عرش پر' کرسی پر' لوح پر' جبرئیل کے شہپر پر' آسمانوں پر' زمین پر' سورج پر' چاند پر' پہاڑوں پر اور دریاؤں کے سرچشموں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ لکھے ہوئے ہونے کی بات ہے تو اول تو اس لکھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم اسے اذان و اقامت میں اور نماز کے تشہد میں کہا کرو جیسا کہ آج پاکستان شیخی مبلغین نے یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ بلکہ اس لکھے ہوئے ہونے کا مطلب شیخ سعدی کے اس شعر کی طرح ہو سکتا ہے کہ ؎

ہر گیا ہے کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

یعنی تمام نباتات ہر گھاس اور ہر بوٹی جو بھی زمین سے اگتی ہے' وہ وحدہ لا شریک لہ کہتی ہوئی اس سے اپنا سر نکالتی ہے۔ اور اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ ساری نباتات کا اگانے والا سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہیں ہے' نہ یہ کہ وہ زبان سے یہ کہتی ہے۔

بہرحال ہم نے اپنی زندگی میں اب تک پانچ بزرگ ترین شیعہ مجتہدین عظام کی تقلید کی ہے۔ جن کے اسمائے گرامی ہم سابق میں لکھ آئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی شہادت ثالثہ کو جزء اذان و اقامت نہیں کہا۔ اور نہ ہی گذشتہ چودہ سو سال میں کسی

نے اس قسم کی جرأت کی۔ لیکن اب پاکستان میں مبلغین مذہب شیخیہ اپنی نشریات میں بڑے زور شور کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ فلاں مجتہد نے شہادت ثالثہ کو نہ صرف جزء اذان و اقامت قرار دے دیا ہے بلکہ نماز کے تشہد میں بھی اشهدان محمداً عبده و رسوله کے بعد شہادت ثالثہ کو تشہد کا جزء قرار دے کر اس پر عملدر آمد شروع کر دیا ہے، اور یہ سلسلہ اب پاکستان کے بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام میں پھلتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایسی باتیں محبت علی کی وجہ سے شیعہ عوام کی نظروں میں زینت پا جاتی ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ پیروان شیخ احمد احسائی میں سے وہ فرقے جو بابی بن کر اٹھے، یا بہائی بن کر ابھرے، یا رکنیہ کرمان کے عنوان سے سامنے آئے، وہ تقریباً سب کے سب ختم ہو گئے، یا گوشہ گمنامی میں چلے گئے، مگر شیخیہ احقاقیہ کویت چونکہ اجتہاد کے نام سے سامنے آئے ہیں اور ان کے سربراہ باب، یا بہاء، یا رکن رابع کہلانے کی بجائے خود کو مجتہد کہلاتے ہیں۔ اور بابی یا بہائی یا رکنیہ کہلانے کی بجائے شیعوں کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہیں، بلکہ صحیح شیعہ خود کو بتلاتے ہیں اور شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو مقصر اور اسی قسم کے دوسرے القاب سے یاد کرتے ہیں اور شیخ احمد احسائی کے عقیدہ تفویض کو جائز تفویض بتلاتے ہیں اور اسے آل محمدؐ کی فضیلت کے عنوان سے شیعوں میں نشر کرتے ہیں، لہٰذا یہ شیطان کی طرح شیعوں کو دھوکہ دینے میں بڑے کامیاب ہیں، چنانچہ روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت کے تمام سربراہ مجتہد کے عنوان سے ہی اپنے فرقے کی سربراہی کرتے ہیں اور موجودہ سربراہ مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کے پیروکار جو رسائل پاکستان میں شائع کر رہے ہیں ان کی پیشانی پر نمایاں طور پر حجتہ الاسلام۔ آیت اللہ۔ الامام المصلح مرزا حسن الاسکوئی الحائری الاحقاقی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور اسی لئے میں نے اپنی پہلی کتاب "العقاید الحقیہ" میں یہ لکھا تھا کہ ہمارے بعض مجتہدین نے بھی اب چونکہ معجزہ کی بجائے ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اختیار کر لیا ہے لہٰذا یہ ولایت تکوینی دو حدود کے درمیان ہے اگر ولایت تکوینی سے کسی مجتہد کی مراد معجزہ ہی ہے اور اس کو صرف اصطلاح کے طور پر ہی اختیار کیا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر کسی مجتہد کی مراد ولایت تکوینی سے تفویض ہے، تو مسلمہ طور پر تفویض شرک ہے اور روسائے مذہب

شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی ان کے عقیدہ تفویض کا ہی دوسرا نام ہے۔
بہرحال ان مبلغین مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کی یہ باتیں پڑھ کر قرآن کریم کی ایک آیت بڑے زور شور کے ساتھ تنبیہہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ آیت سورہ توبہ میں اس طرح ہے۔

"اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا الھاً واحداً لا الہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون۔"

(التوبہ:31)

یعنی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور راہبوں کو خدا بنا لیا تھا۔ اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ خدائے واحد کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کریں۔

سنی و شیعہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں۔ عدی بن حاتم کے واقعہ کو نقل کیا ہے۔ سنی مفسرین میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثانی میں لکھتے ہیں، کہ ان کے علماء و مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بتا دیتے، خواہ حلال کو حرام، یا حرام کو حلال کہہ دیتے، اس کو سند سمجھتے، کہ پس خدا کے ہاں ہمارا چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا۔ محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا، اور حکم شریعت کو بدل ڈالا۔ جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکورہ ہے۔ پس جو منصب خدا کا تھا یعنی حلال و حرام کی تشریح وہ علماء و مشائخ کو دے دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے عدی بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے۔ اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

یہ تو تھا اہل سنت کی تفسیر عثانی کا بیان۔ اب شیعہ تفسیر کا بیان ملاحظہ ہو۔
تفسیر مجمع البیان میں روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ"
"یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور اپنے راہبوں کو خدا بنا لیا ہے۔" تو عدی بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کیا

ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس چیز کو ان کا جی چاہتا تھا اس کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ اور جس کو جی چاہتا تھا حرام قرار دیتے تھے اور تم ان کی بات تسلیم کر لیتے تھے۔ انہوں نے عرض کی ایسا تو ضرور ہوتا تھا۔ فرمایا عبادت سے بس یہی مراد ہے۔

تعجب ہے ان مجتہدین پر۔ جن کا نام زیادہ تر مبلغین شیعہ سے ہی سننے میں آیا ہے۔ کہ انہوں نے کس طرح چودہ سو سال کے بعد نہ صرف اذان و اقامت میں شہادت ثالثہ کو جزء اذان کہا، بلکہ تشہد میں بھی، نماز کے اندر اسے تشہد کا جزء قرار دے دیا۔ جو بات چودہ سو سال سے بزرگ ترین شیعہ علماء و محدثین و فقہا و مجتہدین، عظام کو معلوم نہ ہوئی، وہ انہوں نے کیسے لکھ دی۔ کیا ان پر اب شیخ احمد احسائی کی طرح تازہ وحی آئی ہے، یا خدا نے اب انہیں شرعی عبادات میں مداخلت کا حق دے دیا ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ سے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ شیخی حضرات جو حتما مفوضہ ہیں، اور شیخ احمد احسائی کا فلسفہ اپنانے کی وجہ سے شیخی کہلاتے ہیں، یا شیخی کہے جاتے ہیں، کا ہمیشہ سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ شیعوں میں شیعہ کہلاتے ہوئے بدعات کو رواج دیتے ہیں اور بڑی سرگرمی کے ساتھ ان بدعات کو پھیلاتے ہیں اور جب وہ بدعت اچھی طرح پھیل جاتی ہے تو شیعہ حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کے مجتہدین کے بھی بس کی بات نہیں رہتی اور وہ بھی اس کے سامنے ہتھیار ڈال کر، کم از کم اس کی مخالفت کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں، اور ایسے الفاظ کے ساتھ اس کی تائید کر دیتے ہیں، جس سے ان کے خیال کے مطابق ان کی گرفت نہ ہو۔ البتہ شیعہ حقہ جعفریہ اثناء عشریہ کے ایسے عظیم فقہا بھی گذرے ہیں جنہوں نے ایسی بدعات کی دو ٹوک مذمت کی ہے، لیکن شیخی حضرات ان کو شیعوں میں بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

بہرحال ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے اس مطلب کو بھی یعنی اذان میں اشھدان علیا ولی اللہ کہنے کو بھی حضرت علی کی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کے عقیدہ کے اظہار کے لئے ضروری سمجھتے ہوئے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اس پر قدرے تفصیل سے لکھنا پڑا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ علی (ع) کے ولی اللہ ہونے کی گواہی میں، عقیدے کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن چونکہ روسائے مذہب شیخیہ اس کے معنی مراد اپنے

عقیدہ تفویض کے مطابق لیتے ہیں' لہٰذا وہ اس کے کہنے پر زور دیتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے اس کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے ورنہ اذان میں علیا ولی اللہ کہنا ان کی کتاب کا موضوع نہیں تھا۔

روسائے شیخیہ کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ موضوع کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ عرض کر دیا جائے کہ آئمہ اطہار اور جملہ شیعہ علمائے ابرار کے نزدیک غلو کفر ہے اور تفویض شرک ہے۔ اور تفویض کا عقیدہ رکھنے والے' آئمہ اطہار اور جملہ شیعہ علمائے ابرار کے نزدیک مشرک سمجھے جاتے ہیں۔ اور تفویض کا سادہ الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آئمہ اطہار کو پیدا کرنے کے بعد تمام امور تکوین یعنی خلق کرنے رزق دینے' مارنے اور جلانے' عمریں تقسیم کرنے' اور ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے کا کام آئمہ اطہار کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اس کے بعد سے تمام کام وہی انجام دیتے ہیں۔

مفوضہ نے یہ عقیدہ معصومین علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر قائم کیا تھا۔ غالی چونکہ علی (ع) کو خدا مانتے تھے' لہٰذا وہ تمام خدائی کاموں کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور ان باتوں کی نسبت بھی خود علی کی طرف دیتے تھے' کہ یہ علی نے کہا ہے کہ ہواؤں کا چلانے والا میں ہو۔ دریاؤں کا بہانے والا میں ہوں۔ درختوں کا اگانے والا میں ہوں وغیرہ جب خود حضرت علی نے اس غلو کا عقیدہ رائج کرنے والے کو خود علی نے آگ میں جلا کر موت کی سزا دے دی تو اس کے ماننے والے علی (ع) کو خدا ماننے کی بجائے' ان کو خدا کی مخلوق تو ماننے لگ گئے' لیکن انہوں نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ خدا نے بس صرف حضرت علی کو خلق کیا' اور ان کو خلق کرنے کے بعد سب کام ان کو سپرد کر دیئے' اور خدا کی طرف سے جو کچھ کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ اس طرح غالیوں کے حضرت علی کی طرف منسوب کردہ اقوال جوں کے توں ان کے کام آ گئے۔ بالفاظ دیگر پہلے وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت علی کی طرف منسوب ان الفاظ کا مطلب کہ ہواؤں کا

چلانے والا میں ہوں' دریاؤں کا بہانے والا میں ہو' درختوں کا اگانے والا میں ہوں' یہ ہے کہ علی خدا ہیں اور یہ بات انہوں نے خدا ہونے کی حیثیت سے کہی ہے۔ لیکن جب انہوں نے علی (ع) کو خدا کی مخلوق مان لیا اور یہ عقیدہ اپنا لیا کہ خدا نے ان کو پیدا کر کے سب کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں۔ تو وہ حضرت علیؑ کی طرف غالیوں کے منسوب کردہ اقوال کا مطلب یہ لینے لگے' کہ خدا نے انہیں یہ کام تفویض کر دیئے ہیں' لہٰذا ہواؤں کا چلانے والا میں ہوں' اور دریاؤں کا بہانے والا میں ہوں' اور درختوں کا اگانے والا میں ہوں' کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام حضرت علی نے خدا کی طرف سے سپرد ہونے کی حیثیت سے انجام دیئے ہیں۔ لہٰذا ابتداء میں اس قسم کی رویات صرف حضرت علی کی طرف نسبت دے کر گھڑی گئیں۔ لیکن آگے چل کر آئمہ اطہار کا دور آیا اور عقیدہ تفویض نے کچھ سادہ لوح شیعہ عوام کو متاثر کر لیا اور بارہ اماموں کو ماننے والے شیعوں میں سے بھی' کچھ نے عقیدہ تفویض اختیار کر لیا' تو انہوں نے حضرت علی کے ساتھ تمام آئمہ اطہار کو بھی شامل کر لیا۔ اور مفوضہ کے اس گروہ نے آئمہ اطہار کی طرف نسبت دے کر ایسی ایسی روایات گھڑیں کہ خود آئمہ اطہار ان کو سن کر لرز اٹھے اور ان سے برملا برات کا اظہار کیا۔ آئمہ اطہار کے دور کے مفوضہ کی گھڑی ہوئی روایات کی شناخت یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ اپنی طرف سے باذن اللہ کا لفظ بڑھا دیتے تھے۔ ان روایات کے چند نمونے ہم نے خود موسیٰ اسکوئی کی کتاب احقاق الحق سے اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں نقل کئے ہیں۔ اور ان کے چند نمونے اس کتاب میں بھی نقل کئے ہیں جن کا وضعی اور من گھڑت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اور ان روایات میں باذن اللہ کے لفظ کی موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ مفوضہ جن سے آئمہ اطہار نے شدت کے ساتھ برات کا اظہار کیا ہے۔ تفویض استقلالی کے قائل نہیں تھے بلکہ عقیدہ تفویض کے ساتھ باذن اللہ کہتے تھے لہٰذا شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ وہ مفوضہ جن سے آئمہ نے برات کا اظہار کیا ہے وہ تفویض استقلالی کے قائل تھے۔

تیرھویں صدی ہجری تک عقیدہ تفویض کے لئے مفوضہ کی گھڑی ہوئی مذکورہ روایات ہی کام دیتی رہیں لیکن تیرھویں صدی ہجری میں شیخ احمد احسائی نے۔ جو مفوضہ سے تعلق رکھتا تھا۔ عقیدہ تفویض کو مدلل کرنے کے لئے' فلسفہ یونان میں تھوڑی تبدیلی

کر کے علل اربعہ کے نام سے ایک جدید فلسفہ پیش کیا۔ جسے اس نے شرح زیارت اور شرح فوائد میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ الاسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق میں اس کی تائید میں ایک مفصل مقالہ "المقالہ الخامسۃ فی العلل الاربعۃ لجمیع الاشیاء" کے عنوان سے تحریر کیا۔ چنانچہ وہ اس کے آغاز میں لکھتا ہے۔

"اعلم ان من المعلوم انہ لا یوجد شئی فی الارض ولا فی السماء الا بعلل الاربعۃ" (احقاق الحق: 223)

یعنی معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات ایک حقیقت ہے' کہ نہ تو زمین میں اور نہ ہی آسمان میں کوئی چیز ایجاد نہیں ہو سکتی جب تک کہ چار چیزیں موجود نہ ہوں اور وہ چار علتیں یہ ہیں۔

1: علت فاعلی 2: علت مادی 3: علت غائی 4: علت صوری

شیخ احمد احسائی اور تمام روسائے شیخیہ یہ کہتے ہیں کہ محمد و آل محمد علیہم السلام ہی ساری کائنات کے لئے علل اربعہ ہیں' یعنی علت فاعلی بھی وہی ہیں۔ علت مادی بھی وہی ہیں' علت غائی بھی وہی ہیں' اور علت صوری بھی وہی ہیں' بالفاظ دیگر ساری کائنات کے خالق بھی وہی ہیں' اور ساری کائنات جس مادہ سے بنی وہ مادہ بھی وہی ہیں۔ اور کائنات کی غرض و غائت بھی وہی ہیں۔

حجتہ الاسلام السید محمد حسین المرعشی الشہرستانی نے اپنی کتاب "تریاق الفاروق" میں تفصیل کے ساتھ علل اربعہ کا رد و ابطال فرمایا ہے۔ اور ہم نے بھی اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں علل اربعہ کا تفصیل کے ساتھ رد و ابطال کیا ہے۔

شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے مطابق انہوں نے تمام مخلوق کو آٹھ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

نمبر 1: پہلا طبقہ محمد و آل محمد (ص) کا نور ہے جو خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے اس کی شعاعیں نکلتی ہیں۔

نمبر 2: دوسرا طبقہ انبیاء کا نور ہے جو محمد و آل محمد (ص) کے نور میں سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے اس کی شعاعیں نکلتی ہیں۔

نمبر3: تیسرا طبقہ انسانوں کا نور ہے جو انبیاء کے نور میں سے بطریق مذکور نکلا۔
نمبر4 چوتھا طبقہ جنوں کا نور ہے جو انسانوں کے نور میں سے بطریق مذکور نکلا۔
نمبر 5: پانچواں طبقہ فرشتوں کا نور ہے جو جنوں کے نور میں سے بطریق مذکورہ نکلا۔
نمبر 6: چھٹا طبقہ حیوانوں کا نور ہے جو فرشتوں کے نور میں سے بطریق مذکور نکلا۔
نمبر 7: ساتواں طبقہ نباتات کا نور ہے جو حیوانوں کے نور میں سے بطریق مذکورہ نکلا۔
نمبر 8: آٹھواں طبقہ جمادات کا نور ہے جو نباتات کے نور میں سے بطریق مذکور نکلا۔

یہ فرضی و قیاسی و من گھڑت فلسفہ پیش کر کے، جسے انہوں نے فلسفہ یونان میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے جدید رنگ دیا ہے، شیخ احمد احسائی اور اس کی پیروی کرنے والے تمام روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ چونکہ سب سے پہلے خدا کے نور میں سے محمد و آل محمد (ص) کا نور نکلا ہے، اور باقی کے تمام طبقات کے نور محمد و آل محمد کے نور میں سے نکلے ہیں۔ لہٰذا محمد و ال محمد ہی تمام کائنات کی علت فاعلی ہیں یعنی وہی تمام کائنات کے خالق و رازق و مدبر اور مقام ربوبیت پر فائز ہیں چنانچہ وہ محمد و آل محمد (ص) کو اپنے اس فرضی و قیاسی و من گھڑت اور بے بنیاد فلسفہ کے ماتحت ساری کائنات کی علت فاعلی قرار دینے کے بعد اپنے عقیدہ تفویض کو حسب ذیل طریقوں سے ثابت کرتے ہیں۔

نمبر1: مفوضہ کی جعلی و وضعی و من گھڑت روایات کو دلیل کے طور پر پیش کر کے اپنے فلسفہ پر چپکاتے ہیں۔

نمبر2: ان صحیح احادیث کو جن میں آئمہ اطہار علیہم السلام نے تفویض کی سختی کے ساتھ نفی فرمائی ہے، تاویل کر کے یہ کہتے ہیں کہ تفویض کی اس نفی سے مراد بالاستقلال تفویض ہے اور ہم جس تفویض کے قائل ہیں وہ غیر استقلالی یعنی خداداد طاقت کے ذریعہ اور اس کے اذن سے ہے۔

نمبر3: قرآنی آیات کے معانی لغت اور سیاق و سباق سے بالکل ہٹ کر اپنے عقیدہ اور نظریہ تفویض کے ماتحت کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم مذہب شیخیہ کی ان تینوں طریقوں سے اپنا مدعا کو ثابت کرنے کی مثالیں ذیل ہیں پیش کرتے ہیں۔

مفوضہ کی من گھڑت روایات سے استدلال

اگرچہ ہم نے اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں صفحہ 245 تا 258 پر موسیٰ اسکوئی کی کتاب احقاقی الحق سے مفوضہ کی ان من گھڑت روایات کے عکس دہدیئے ہیں جن کو شیخ احمد احسائی اور موسیٰ اسکوئی نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ کتاب مرزا عبدالرسول احقاقی کی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" کا رد و ابطال ہے لہٰذا اس میں ان کی کتاب سے بھی ایک استدلال ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی مذکورہ کتاب میں "ولا یت چہا ردہ معصومین برفرشتگا ن" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

شرح زیا رت شیخ احمد احسا ئی' اعلی اللہ مقا مہ' روا یت از مقداد است' می گوید۔ روزی مولا یم امیر المومنین بہ من فرمود۔ شمشیر مرا بیا ور من شمشیر را آوردم' و حضرت آں را برزا نو نہا د۔ و بر آسما ن عروج فرمود۔ من آں بزرگوا ررا می نگریستم۔ تا ایں کہ از نظرم نا پدید شد۔ نزدیک ظہر بو و کہ دیدم از آسما ن فرود آمد۔ در حا لیکہ قطرا ت خون از شمشرش می چکید۔ عرض کردم ای آقای من کجا بوید۔ فرمود: جمعی در عا لم با لا می جنگید ند رفتم وا نجا را از وجو آنا ن پا ک کردم: گفتم اے مولا ی من! آیا رسیدگی بہ امور عا لم با لا نیز با شما است۔ حضرت فرمود اے پسر اسود۔ من حجت خدا برہمہ مخلوقات او' در آسما نہا و زمینم و در آسما نہا فرشتہ قدم از قدم بلون اجا زئہ من برنمی دارد۔ و آنہا کہ دربا رئہ ولا یت من شک می کنند ا ہل با طل اند۔

(ولایت از دید گاہ قرآن: 83-84)

یعنی شیخ احمد احسائی اعلیٰ اللہ مقامہ کی شرح زیارت میں مقداد سے روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دن میرے آقا امیر المومنین نے مجھ سے فرمایا کہ میری شمشیر لے آؤ۔ میں شمشیر لے آیا۔ تو حضرت نے اس کو اپنے زانو پر رکھ لیا اور آسمان پر چڑھ گئے۔ میں ان بزرگوار کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے جب ظہر کا وقت ہوا، تو میں نے دیکھا کہ آپ آسمان سے نیچے اتر آئے ہیں۔ اور آپ کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے عرض کی اے میرے آقا آپ اب تک کہاں رہے۔ آپ نے فرمایا عالم بالا میں کچھ گروہوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی۔ لہٰذا میں نے وہاں جا کر اس جگہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا، میں نے کہا اے میرے آقا۔ کیا عالم بالا کے امور کا طے کرنا بھی آپ ہی کے ذمہ ہے۔ حضرت نے فرمایا اے پسر اسود میں آسمانوں اور زمین میں اس کی تمام مخلوقات پر خدا کی حجت ہوں اور آسمانوں میں کوئی فرشتہ میری اجازت کے بغیر قدم سے قدم نہیں اٹھا سکتا اور جو لوگ میری ولایت کے بارے میں شک کریں وہ اہل باطل ہیں۔

یہ روایت جس سے شیخ احمد احسائی نے بھی اور اس کی پیروی کرنے والے تمام روسائے شیخیہ نے استدلال کیا ہے۔ بچند وجوہ مفوضہ کی جعل کردہ من گھڑت جھوٹی اور باطل ہے۔

نمبر1: یہ روایت مرزا عبدالرسول احقاقی نے (ولایت چہاردہ معصومین برفرشتگان) کے عنوان کے تحت لکھی ہے۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ مرزا عبدالرسول احقاقی اس روایت سے چہاردہ معصومین (ع) کی فرشتوں پر ولایت ثابت کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ عالم بالا میں ان فرشتوں نے جو اس روایت کے مطابق امیر المومنین کی اجازت کے بغیر قدم سے قدم نہیں اٹھاتے، آپس میں جنگ کرنے کے لئے قدم کیسے اٹھا لئے؟ اگر وہ مولا کی اجازت سے آپس میں جنگ کر رہے تھے، تو مولا کا اجازت دینے کے بعد جا کر قتل کرنا ظلم ہے۔ اور اگر وہ مولا کی اجازت کے بغیر ہی جنگ کر بیٹھے تو مولا کا یہ کہنا غلط ہو جاتا ہے کہ کوئی فرشتہ میرے حکم کے بغیر قدم سے قدم

نہیں اٹھاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں خدا یہ فرماتا ہے کہ "لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون" (الانبیاء: 27)

یعنی فرشتے تو خدا کی کسی بات پر سبقت نہیں کرتے اور خدا انہیں جو کچھ حکم دیتا ہے بس وہ وہی کرتے ہیں۔ اور اس آیت اور دوسری بہت سی آیات و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور وہ آپس میں ایسی جنگ نہیں کر سکتے' کہ جس سے ان کا قتل واجب ہو جائے۔ اگر وہ ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے تھے کہ امیر المومنین پر ان کا قتل واجب ہو گیا تھا' تو ماننا پڑے گا کہ وہ فرشتے معصوم نہیں تھے بلکہ کافر تھے۔ کیونکہ امیر المومنین کسی معصوم کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اور ہم نے اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں شیخ احمد احسائی کی شرح زیارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ شیخ کے فلسفہ کے مطابق فرشتے بھی مومن و کافر ہوتے ہیں چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بھی مومن فرشتے اور کافر فرشتے لکھا ہے۔ مومن فرشتوں سے تو خدا نیک کاموں کا نظام چلاتا ہے اور کافر فرشتوں سے برے کاموں کا نظام چلاتا ہے۔ اور فرشتوں کی نوع میں کافر فرشتوں کا نظریہ صرف شیخ احمد احسائی کے فلسفہ اور عقیدے کی پیداوار ہے۔ ورنہ مذہب اسلام اس نظریہ سے قطعی طور پر بری اور بیزار ہے۔ پس چونکہ تما فرشتے کافر نہیں ہوتے لہٰذا ان کے قتل کرنے کا افسانہ لازمی طور پر مفوضہ کا گھڑا ہوا ہے۔ اور مفوضہ نے تیرہویں صدی ہجری میں مذہب شیخیہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ لہٰذا اب وہ اس نظریہ کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔

تیسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ فرشتوں میں خون نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کا جسم ایسا ہے جسے قتل کیا جا سکے' لہٰذا شمشیر سے خون ٹپکنے کی بات اور فرشتوں کو قتل کرنے کی بات ناممکن الوقوع ہے۔

چوتھی بات جو اس روایت میں قابل غور ہے' وہ یہ ہے کہ اس میں امیر المومنین کی طرف نسبت دے کر یہ کہا گیا ہے کہ کوئی فرشتہ میری اجازت کے بغیر قدم سے قدم نہیں اٹھا سکتا۔

مگر پیغمبر اکرم کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ جب پیغمبر اکرم نے ایک دفعہ

جبرئیل سے دیر میں آنے کا سبب پوچھا تو جبرئیل نے خدا کے حکم سے یہ جواب دیا کہ :۔

"وما نتنزل الا با مر ربک لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذالک وما کان ربک نسیا" (مریم: 64)

یعنی ہم نہیں اترتے مگر صرف تیرے رب کے حکم سے ہمارے آگے جو کچھ ہو گا وہ بھی اس کے حکم سے ہو گا۔ اور اس سے پیچھے جو کچھ ہوا وہ بھی اسی کے حکم سے تھا اور ان دونوں کے درمیان زمانہ حال میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کے حکم سے ہے۔ اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

یہ جواب ہے وہ جو اللہ نے وحی کے ذریعہ جبرئیل کو سکھایا کہ تم پیغمبر کے اس سوال کے جواب میں یہ کہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہم تو خدا کے حکم کے تابع فرمان ہیں' اس کے حکم کے بغیر ایک پر بھی نہیں ہلا سکتے' ہمارا چڑھنا اترنا سب اسی کے حکم سے ہے' وہ اپنی مصلحت اور حکمت کاملہ سے جب مناسب سمجھتا ہے' ہمیں نیچے اترنے کا حکم دیتا ہے' وہی جانتا ہے کہ فرشتے کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا ہے یعنی معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی فرشتے کو جب چاہے اپنے پاس بلا لے۔ اور جب اشرف ترین و افضل ترین و معظم ترین پیغمبر کو' جو چہاردہ معصومین (ع) میں سب سے بزرگ ہیں یہ اختیار نہ ہو' تو فرشتوں پر حکم چلانا اور فرشتوں کا قدم سے قدم نہ اٹھانا کسی اور کے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے؟

قارئین محترم! روسائے شیخیہ مفوضہ کی ان گھڑی ہوئی روایات کو' جو خالص عقیدہ تفویض کو ثابت کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کے نام سے۔ اور فضائل کے عنوان سے' شیعوں کی نظروں میں زینت دے کر' بہت سے شیعوں کے ذہنوں میں بٹھا چکے ہیں اور شیطان کا وہ کام کہ "لا زینن لھم فی الارض" میں زمین میں غلط اور باطل باتوں کو ان کی نظروں میں زینت دے دوں گا' روسائے مذہب شیخیہ اور مبلغین مذہب شیخیہ نے سنبھال لیا ہے' اور اس طرح وہ بہت سے شیعوں کو گمراہ کر چکے ہیں۔

نمبر2: صحیح روایات سے غلط استدلال

مرزا عبدالرسول احقاقی کے جد امجد اور مرزا حسن احقاقی کے والد بزرگوار مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق کے صفحہ 391 سے صفحہ 394 تک تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں پانچ روایات نقل کی ہیں۔ اور انہوں نے ان کی صحت سے انکار نہیں کیا ہے۔ اور خود بانی مذہب شیخیہ، شیخ احمد احسائی نے بھی مذکورہ احادیث کو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ان احادیث میں تفویض کی مطلق نفی وارد ہوئی اپنی کتاب شرح زیارت کے صفحہ 292 اور صفحہ 293 پر انہیں نقل کیا ہے۔

لیکن موسیٰ اسکوئی مذکورہ احادیث نقل کرنے کے بعد پھر اپنی اسی خیال بافی، قیاس آرائی، تنگ بندی اور انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے گمان سے کام لیتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ :-

"جب ایک منصف ان اخبار و احادیث میں تعصب کو چھوڑ کر وقت نظر کے ساتھ غور کرے گا تو وہ یہ جان لے گا کہ یہ احادیث اس تفویض حق کے منافی نہیں ہیں جن کے ہم قائل ہیں۔ بلکہ ان سب سے وہی تفویض ظاہر ہوتی ہے جو معروف ہے، اور وہ تفویض استقلالی ہے۔ مرزا موسیٰ اسکوئی کی احقاق الحق کی عبارت اس طرح ہے۔

"فالمنصف اذا نظر فی ھذہ الاخبار بعین الدقۃ والاعتبار وجانب التعصب والاغیار، عرف بلا غبار انھا لا تنا فی ما ذکرنا من التفویض الحق، بل کلھا ظاہرۃ فی التفویض المتعارف عندالعرف و ھو الاستقلال۔"

(احقاق الحق: 394)

مرزا موسیٰ اسکوئی کے اس بیان کے مطابق تفویض دو طرح کی ہے ایک ان کی تفویض جسے وہ حق کہتے ہیں اور دوسری تفویض باطل۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں، کہ وہ تفویض جو باطل ہے، وہ تفویض استقلالی ہے۔

اب ہم قارئین کے ملاحظ کے لئے ان احادیث میں سے، جو شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت میں اور مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق میں نقل کی ہیں۔ اور

انہیں صحیح قرار دیا ہے اور ان کی صحت سے انکار نہیں کیا ہے، نمونہ کے طور پر ایک حدیث نقل کرتے ہیں، جس سے آپ پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ اس حدیث میں امور تکوین کے لئے غیر استقلالی تفویض کی نفی ہے یا استقلالی تفویض کی نفی ہے۔

مرزا موسیٰ اسکوئی تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں احادیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وما فی البحار وعیون اخبار الرضا۔ روی عن یاسر الخادم، قال: قلت للرضا (ع) ما تقول فی التفویض؟ فقال: ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ فوض الی نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ امر دینہ فقال: "ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتہوا" فاما الخلق والرزق فلا، ثم قال علیہ السلام: ان اللّٰہ عزوجل خالق کل شئی و ہو یقول عزوجل: "الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ہل من شرکائکم من یفعل من ذالکم من شئی سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون، انتہی۔

(احقاق الحق: 394)

یعنی تفویض کی مطلق نفی کے بارے میں ایک وہ حدیث ہے جو بحار الانوار میں اور عیون اخبار الرضا میں یاسر خادم سے مروی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ تفویض کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ کو اپنے دین کے امور سپرد فرمائے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ جو کچھ رسول تمہیں حکم دے اسے لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے، اس سے رک جاؤ۔ رہا خلق و رزق کا معاملہ تو یہ اس نے ہمیں سپرد نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں ارشادہ فرمایا ہے کہ: اللہ ہی نے تم کو خلق کیا ہے پھر اسی نے تم کو رزق دیا پھر وہی تم کو موت دے گا اور پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو ان امور میں سے کچھ بھی کام سرانجام دیتا ہو؟ اللہ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک و منزہ ہے۔

امام علیہ السلام کی یہ حدیث کتنی واضح ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

نے اپنے نبی کو اپنے دین کے امور سپرد کئے ہیں رہا خلق و رزق کا معاملہ تو یہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں سپرد نہیں کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے دین کے امور سپرد کرنے کے ثبوت میں تو ایک آیت بیان کی لیکن خلق و رزق جیسے امور تکوینی کی تفویض کی نفی کے ثبوت میں قرآن کریم کی دو آیات بیان فرمائیں۔

اس حدیث پر چاہے ہزار بار غور کریں اس سے یہ بات ثابت ہے کہ امام علیہ السلام نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ آئمہ علیہم السلام کو خدا نے دین کے امور سپرد فرمائے ہیں۔ لیکن خلق و رزق وغیرہ تکوینی امور کا کام سپرد نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں امور دین کی تفویض کا اثبات ہے۔ اور خلق و رزق جیسے امور تکوینی کی تفویض کی نفی ہے۔ اور امور دین کی تفویض کا اثبات اور خلق و رزق جیسے امور تکوینی کی تفویض کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے۔ یعنی اگر امور دین کی تفویض کی نفی سے مراد تفویض استقلالی ہے' تو پھر خلق و رزق کی تفویض کی نفی سے مراد بھی تفویض استقلالی ہو گی اور اگر امور دین کی تفویض کے اثبات سے مراد غیر استقلالی اور وسائط کے طور پر ہے' تو پھر خلق و رزق وغیرہ جیسے امور تکوینی کی تفویض کی نفی سے مراد بھی غیر استقلالی اور وسائط کے طور پر تفویض کی نفی تھی۔

بالفاظ دیگر اگر آئمہ اطہار کو امور دین کی تفویض کا اثبات بطور استقلال ہے' تو پھر خلق و رزق کی تفویض کی نفی بھی بطور استقلال کے نفی ہے۔ اور اگر امور دین کی تفویض بطور وسائط کے ہے تو پھر لازماً و حتماً یہاں خلق و رزق وغیرہ امور تکوینی کی تفویض کی نفی بھی بطور غیر استقلال اور بطور وسائط کے کی گئی ہے۔ یعنی خلق و رزق جیسے تکوینی امور ہمیں بطور وسائط کے بھی سپرد نہیں ہوئے ہیں۔

اور یہ بات مسلمہ اہل اسلام ہے اور روسائے مذہب شیخیہ بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتے۔ کہ نبی اکرم (ص) اور آئمہ اطہار کو امور دین کی تفویض' بطور استقلال کے نہیں تھی' بلکہ حتماً اور قطعی طور پر بطور وسائل کے تھی۔ اور وہ دین کے امور اور احکام خداوندی پہنچانے میں بطور وسائط کے خدا کی طرف سے کار ہدایت انجام دیتے تھے۔

پس امام علیہ السلام کی مذکورہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے

اپنے دین کے امور تو وسائط کے طور پر ہمیں سپرد کئے ہیں لیکن خلق و رزق جیسے تکوینی امور بطور وسائط کے ہمیں سپرد نہیں کئے۔ للذا حتماً و یقیناً آئمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث میں جس تفویض کی نفی وارد ہوئی ہے وہ خلق و رزق جیسے تکوینی امور کے بارے میں وسائط کے طور پر تفویض ہی کی نفی ہے کیونکہ اگر آئمہ علیہم السلام کو خلق و رزق وغیرہ کی تفویض بطور وسائط کے حاصل ہوتی تو امور دین کی تفویض کے اثبات کے ساتھ خلق و رزق وغیرہ کی تفویض کی نفی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ امام کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ خدا نے جس طرح دین کے امور ہمارے سپرد کئے ہیں اس طرح خلق و رزق جیسے تکوینی امور بھی ہمارے ہی سپرد ہیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے دین کے امور کے سپرد ہونے کا تو اثبات کیا اور خلق و رزق جیسے تکوینی امور کے سپرد ہونے کا انکار کیا۔

پس اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آئمہ اطہار نے خلق و رزق وغیرہ کے بارے میں جس تفویض کو شرک قرار دیا ہے وہ یہی تفویض ہے، جس کے شیخ احمد احسائی، مرزا موسیٰ اسکوئی، مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی اور مرزا عبدالرسول احقاقی اور تمام مبلغین مذہب شیخیہ قائل ہیں۔ اور اسے تفویض حق کہہ کر اس کے قائل ہونے کا برملا اقرار کرتے ہیں۔ اور امور تکوین میں تفویض کا انکار کرنے والوں پر طرح طرح کے طعن اور طنز کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق کے صفحہ 396 پر لکھتے ہیں۔

"لیت شعری ما یال اقوام اذا قیل لھم۔ ان میکائیل یقسم الا رزاق، و عزرائیل یمیت، و جبرئیل یخلق و اسرافیل یحیی باذن اللّٰہ، و لا یستوحشون و یقبلون بقول حسن، مع انھم عبید و خدام لھم (ع) و اذا قیل علی امیر المومنین ولی اللّٰہ یخلق و یرزق و یحیی و یمیت باذن اللّٰہ یصدون الی السماء تارۃ و ینزلون الی الارض اخری۔ کانہ خولف بعقلھم، فما دعاک الی ھذہ الحالۃ ایھا المومن الموالی، اذا سمعت فی حق موالیک ما تعتقدہ فی حق عبیدھم و موالیھم، انکرت کل الانکار و تکلمت بکلام الاغیار، فان کان باطلا فانت غال فی حق موالیھم و عبیدھم و مقصر فی حق ساداتک و موالیک و ان کان حقا فلم تساوی فی الاقل ساداتک مع

عبیدلھم۔"

(احقاق الحق: 396)

ترجمہ : (رئیس مذہب شیخیہ موسیٰ اسکوئی کہتے ہیں کہ) معلوم نہیں اس قوم (یعنی علمائے شیعہ حقہ جعفریہ) کا کیا حال ہے۔ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ میکائیل رزق تقسیم کرتا ہے۔ عزرائیل مارتا ہے' جبرئیل خلق کرتا ہے۔ اور اسرافیل اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہے۔ تو اس بات پر ان کو وحشت نہیں ہوتی۔ اور اس کو خوشی خوشی قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کے غلام اور خادم ہیں۔ لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اللہ کے اذن سے خلق کرتے ہیں' رزق دیتے ہیں' زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ کبھی آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں کبھی زمین پر اتر آتے ہیں' تو ان کی عقلوں میں فتور آ جاتا ہے۔ اے مومن موالی یہ تیرا کیا حال ہے۔ جب وہ بات جس کا اعتقاد تو ان کے غلاموں کے بارے میں رکھتا ہے۔ اپنے مولا کے بارے میں سنتا ہے تو سختی کے ساتھ انکار کر دیتا ہے۔ اور غیروں جیسی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ پس اگر یہ عقیدہ باطل ہے۔ تو پھر تو ان کے غلاموں اور خادموں کے حق میں غلو کرتا ہے۔ اور اپنے آقا اور مولا کے حق میں مقصر ہے۔ اگر یہ عقیدہ حق ہے تو اس ذرا سی بات میں تو اپنے آقا و مولا کو ان کے غلاموں کے برابر بھی کیوں نہیں سمجھتا۔

قارئین محترم موسیٰ اسکوئی کے مذکورہ بیان کو غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ موسیٰ اسکوئی واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ: امیر المومنین علی ابن ابی طالب اللہ کے اذن سے خلق کرتے ہیں' رزق دیتے ہیں' زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں وغیرہ۔

موسیٰ اسکوئی کو امام کے اس ارشاد کا کوئی لحاظ نہیں ہے کہ امام نے فرمایا: خدا نے دین کے امور تو ہمیں سپرد کئے ہیں' رہا خلق و رزق وغیرہ امور تکوینی کا معاملہ' تو یہ ہمیں سپرد نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ علماء شیعہ حق جعفریہ اثناء عشریہ کی عقل میں فتور کا طعنہ دے کر' ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس ذرا سی بات میں تو اپنے آقا و مولا کو ان کے غلاموں اور خادموں کے باربر بھی کیوں نہیں سمجھتا؟

لیکن علماء شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ اپنے آقا و مولا کو ان کے خادموں اور غلاموں کے برابر کیوں سمجھیں؟ شیعوں کے آقا و مولا کو امور دین اور امت کی ہدایت کا بلند

مقام حاصل ہے۔ وہ غلاموں والا کام کیوں کریں؟ جب یہ کام ان کے غلام کر رہے ہیں تو ان غلاموں کو کرنے دیں۔ ان غلاموں میں سے ایک غلام کا کام وحی لانا ہے۔ اور جب جبرئیل کئی دن تک وحی لے کر نہیں آئے تو پیغمبر اکرم کے سوال پر خدا کا تعلیم کردہ جبرئیل کا دیا ہوا، جواب آپ سابق میں ملاحظ کر چکے ہیں۔ انہیں خادم کہو یا غلام۔ یہ اللہ کے حکم سے کام کرتے ہیں اور جبر طبیعی کے ماتحت اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ کسی کام کے کرنے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور ان کاموں کے کرنے میں اللہ کا حکم بجا لاتے ہیں۔ ان فرشتوں کو حکم دینے میں کسی اور واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر جبرئیل پیغمبر کے حکم سے وحی لاتے ہوتے تو پیغمبر کو انتظار کرنے اور جبرئیل سے وہ جواب سننے کی نوبت نہ آتی۔

قارئین محترم! موسیٰ اسکوئی کے مذکورہ بیان میں خوب اچھی طرح غور کریں۔ ان کے اس بیان سے بات قطعی طور پر واضح ہو گئی ہے کہ شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی سے مراد یہ ہے کہ خلق کرنے رزق دینے، مارنے، جلانے، عمریں تقسیم کرنے اور امور عالم کی تدبیر کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے کا کام آئمہ اطہار کے سپرد ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اسے ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کہتے ہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ موجودہ زمانہ میں جن شیعہ علمائے حقہ نے معجزہ اور کرامات کی اصطلاح کی بجائے، ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے، اگرچہ ان کی ولایت تکوینی سے مراد اور تعریف وہی ہے، جو قدیم سے علماء شیعہ معجزات و کرامات کی کرتے آئے ہیں۔ لیکن ان کا معجزہ کی بجائے ولایت تکوینی کی اصطلاح کا اپنانا، شیعوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیخی مبلغین کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کا کام دے رہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے معجزہ کی اصطلاح کی بجائے ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اختیار کر کے اچھا نہیں کیا۔

بہرحال مذہب شیخیہ کی ولایت تکوینی حقاً و یقیناً، تفویض کے عقیدہ کا دوسرا نام ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ دراصل شیخ احمد احسائی کے فلسفہ علل اربعہ کی علت فاعلی کا نتیجہ ہے۔ لیکن جب ان کے اس خود ساختہ اور من گھڑت فلسفہ کو رد کیا جاتا ہے۔ تو ایک نیا قیاس پیش کرتے ہیں۔ اور فرشتوں کے کاموں کی طرف آ جاتے ہیں۔ جن کا غلط اور باطل ہونا بے شمار آیات قرآنی و احادیث معصومین سے ثابت ہے۔ لہٰذا صحیح روایات سے

غلط استدلال کے بارے میں اتنا بیان ہی کافی ہے۔ اب ہم اپنے قارئین کو یہ دکھاتے ہیں کہ روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت قرآنی آیات کے معانی لغت اور سیاق و سباق سے بالکل ہٹ کر کس طرح اپنے عقیدہ اور نظریہ کے ماتحت کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں۔

قرآنی آیات کا مطلب اپنے عقیدہ کے ماتحت کرنا

اس عنوان کے تحت کچھ لکھنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ سے شیخیہ احقاقیہ کویت کی مراد کیا ہے۔ ولایت تکوینی کے بارے میں تو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ شیخیہ احقاقیہ کویت کے نزدیک ولایت تکوینی سے مراد یہ ہے کہ خلق کرنے رزق دینے مارنے اور جلانے' عمریں تقسیم کرنے اور امور عالم کی تدبیر کرنے کا کام آئمہ اطہار کے سپرد ہے۔ یعنی آسمان و رزمین۔ چاند سورج اور ستارے انہوں نے خلق کئے۔ تمام فرشتے سارے انبیاء کل انسان سارے جن انہوں نے خلق کئے۔ سارے حیوان کل نباتات اور تمام جمادات انہوں نے خلق کی بالفاظ دیگر ہر چیز کے خالق وہی ہی ہیں اور وہی ساری کائنات کا نظام چلا رہے ہیں۔

مفوضہ بھی یہی کہتے تھے لیکن اس نظریہ کو ولایت تکوینی کا نام' شیخ احمد احسائی کی پیروی میں روسائے شیخیہ احقاقیہ کویت نے دیا۔ شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت میں قدرت کو ولایت سے تعبیر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ : "و نور علی علیہ السلام محیطا بالقدرۃ ای الولایۃ" (شرح زیارت : 214) یعنی نور علی قدرت کو محیط تھا اور وہ قدرت ولایت ہے' اور پھر ولایت کو ربوبیت سے تعبیر کیا اور یہ کہا کہ : "ھو شان الولایۃ فانہ مقام ربوبیۃ" (شرح زیارت : 214) وہ شان ولایت ہے کیونکہ بلاشبہ وہ مقام ربوبیت ہے۔

پس شیخیہ احقاقیہ کویت ولایت کو شان ربوبیت سمجھتے ہیں اور اسے ربوبیہ کی صفت جانتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد سبطین صاحب سرسوی نے اپنی کتاب الصراط السوی میں ربوبیت کو ولایت کے ماتحت قرار دیا ہے۔

اب رہ گئی ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ تو اس کو سمجھنے کے لئے مرزا عبدالرسول احقاقی کا

"ولایت از دیدگاہ قرآن" کا یہ بیان ہی کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"اے بے خبراں ولایت کلیہ مخصوص خدا است و محمد و آل محمد (ص) بندگان خدایند۔ ولے خدای مہربان بہ نص آیہ مبارکہ: "انما ولیکم اللہ..." و سائر آیات و روایات متواتر کہ نمونہ ہائی از آنہا گذشت، آں بزرگواراں را ولی امر و خلیفہ خود در جمیع کائنات قرار دادہ و آناں را در بین بندگان خویش بہ ایں فضیلت امتیاز بخشیدہ و واسط فیض و رحمت بین خود و مخلوقاتش قرار دادہ و بہ تاج ولایت کلیہ مطلقہ مفتخر فرمودہ"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 97-98)

ترجمہ : اے بے خبروں، ولایت کلیہ خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور محمد و آل محمد خدا کے بندے ہیں۔ لیکن خدائے مہربان نے آیہ مبارکہ : "انما ولیکم اللہ..." کی نص کے ذریعہ اور دوسری آیات و روایات کے ذریعہ، جن کے نمونے سابق میں گذر چکے ہیں، ان بزرگواروں کو، تمام کائنات میں ولی امر اور اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ اور ان کو اپنے بندوں میں اس فضیلت کے ذریعہ امتیاز عطا کیا ہے۔ اور انہیں اپنے اور اپنی مخلوقات کے درمیان اپنے فیض اور رحمت کا واسطہ قرار دیا ہے، اور انہیں ولایت کلیہ مطلقہ کے تاج سے مفتخر کیا ہے۔

• مرزا عبدالرسول احقاقی کا یہ بیان بالکل صاف اور واضح ہے اور ان کے اس بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک خدا کی خدائی اور اس کی ربوبیت کا نام ولایت کلیہ مطلقہ ہے بالفاظ دیگر اللہ کے پاس جو کچھ ہے، اسے وہ ولایت کلیہ مطلقہ کہتے ہیں۔ اور یہ "ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ" خدا نے اپنی مہربانی سے آیہ مبارکہ "انما ولیکم..." کی نص اور دوسری آیات و روایات کے مطابق ان بزرگواروں کو عطا کر دی ہے۔ اور ان بزرگواروں کو تمام کائنات میں ولی امر اور اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔

اور ہم اپنے سابقہ بیان میں تفصیل کے ساتھ یہ بیان کر آئے ہیں کہ آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." میں لفظ "ولیکم" ہے جو اہل ایمان سے مخاطب ہے یعنی اے مومنین تمہارا ولی، تمہارا حاکم اور تمہارا فرمانروا۔

اور جس آیت میں انہیں "اولی الامر" کہا ہے وہ بھی "یا ایھا الذین آمنوا" کے الفاظ کے ساتھ اہل ایمان سے مخاطب ہے۔ یعنی اے اہل ایمان تمہارا ولی امر تمہارا حاکم اور تمہارا فرمانروا۔

اور حدیث غدیر میں بھی پیغمبر نے امیر المومنین کو اپنے بعد اپنا خلیفہ یعنی اپنا جانشین کہا تھا' اور دعوت عشیرہ کے موقع پر بھی پیغمبر نے "ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم" کہا تھا یعنی یقیناً یہ میرا بھائی ہے' میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔

پس ان آیات میں امیر المومنین کو پیغمبر کے بعد مسلمانوں کا ولی امر مسلمانوں کا حاکم مسلمانوں کا فرمانروا۔ اور پیغمبر کے بعد مسلمانوں میں پیغمبر کا جانشین کہا گیا ہے۔ لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت ان واضح آیات کا مطلب اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کرتے ہیں' حالانکہ ان آیات میں نہ ولایت تکوینی کی کوئی بات ہے' اور نہ ہی ساری کائنات پر ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کی کوئی بات ہے' ایسی ولایت جو "ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ہو اور "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" ہو' اور "علٰی حد ربوبیتہ" ہو اور "من الدرۃ الٰی الذرۃ" ہو' پس ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کا مطلب ان کا یہ ہے کہ خدا کی بجائے خدا کے سارے کام علی کرتے ہیں۔

اب ہم ان آیات کا ذکر کرتے ہیں' جن سے شیخیہ احقاقیہ کویت نے آئمہ معصومین کی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ مراد لی ہے۔ اور زبردستی ان قرآنی آیات کا مطلب اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کیا ہے۔

نمبر1: مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں آئمہ اطہار کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ پر سب سے پہلی آیت جو پیش کی ہے وہ آیہ "یا ایھا الرسول بلغ" ہے انہوں نے اس کی شان نزول بیان کرنے کے بعد سالم خطبہ غدیر احتجاج طبرسی سے نقل کیا ہے۔ جس کے 14 اقتباسات ہم نے سابق میں نقل کئے ہیں۔ اس میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جو ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ پر دلالت کرتا ہو۔

پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے اس خطبہ میں غدیر خم کے مقام پر حضرت علی کی امامت کا

اعلان فرمایا ہے' اور اپنے بعد انہیں اہل ایمان کا ولی و حاکم و فرمانروا قرار دیا ہے' یہ سارے اقتباسات سابقہ صفحات میں نقل کر دیئے گئے ہیں' انہیں غور سے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے' کہ اس میں ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کی کوئی بات نہیں ہے' لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت اس آیت کا مطلب بھی اپنے عقیدہ کے مطابق کرتے ہیں۔

نمبر 2: دوسری آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" والی آیت ہے' جس کو دلیل بنا کر شیخیہ احقاقیہ کویت نے حضرت علی (ع) کی ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ مراد لی ہے' اور ہم سابق میں ثابت کر آئے ہیں' کہ آیہ تکمیل دین میں' پیغمبر کے بعد اہل ایمان پر علی (ع) کی اطاعت کو فرض کیا گیا ہے۔ اور اس میں حضرت علی (ع) یا آئمہ معصومین (ع) کی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الیہہ کی کوئی بات نہیں ہے۔

نمبر 3: تیسری آیت "انما ولیکم اللہ۔۔" ہے جس سے شیخیہ احقاقیہ کویت نے آئمہ معصومین (ع) کی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الیہہ مراد لی ہے اور اس آیت پر ہم نے مکرر و سہ کرر سابقہ صفحات میں سیر حاصل بحث کی ہے' اور یہ ثابت کیا ہے' کہ اس آیت کا بھی آئمہ معصومین (ع) کی ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الیہہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

نمبر 4: چوتھی آیت "قل کفٰی باللہ شھیداً بینی و بینکم" ہے جو مسلمہ طور پر علی ابن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے' اس کے تحت مرزا عبدالرسول احقاقی نے جو موضوعات بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(ا) "آئمہ شیعیان اساتید حقیقی قرآن اند"
یعنی شیعوں کے آئمہ قرآن کریم کے حقیقی استاد ہیں۔

(ب) "علوم اولین و آخرین مندرج در قرآن است"
یعنی اولین و آخرین کے علوم قرآن میں لکھے ہوئے ہیں۔

(ج) "علوم اولین و آخرین نزد حضرات معصومین است"

یعنی اولین و آخرین کے علوم حضرات معصومین کے پاس
ہیں۔

ان موضوعات سے جو بات ثابت ہے' وہ مسلمات شیعہ سے ہے۔ اور ان کا ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ سے کوئی تعلق اور واسط نہیں ہے' لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت اس آیت کو بھی غلط طور پر اپنے مطلب پر چپکاتے ہیں۔

نمبر 5: پانچویں آیت "فلقّٰی آدم من ربہ کلمات" ہے اس کا عنوان ہے "کلمات علماء اعلام در فضیلت محمد و آل محمد (ع) برسائر انبیاء" "یعنی تمام انبیاء پر محمد و آل محمد کی فضیلت کے بارے میں علماء اعلام کے کلمات" اس عنوان سے جو بات ثابت ہوتی ہے اس سے کسی شیعہ کو انکار نہیں ہے۔ یقیناً محمد و آل محمد (ص) تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ مگر تمام انبیاء سے افضل ہونے کا ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ سے کوئی تعلق اور واسط نہیں ہے' اور نہ ہی محمد و آل محمد کا واسطہ دے کر دعا کرنے' اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لئے ان کا واسطہ دینے کا' ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ سے کوئی تعلق اور واسط ہے۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال بھی قطعی غلط اور بے بنیاد ہے لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت نے اس آیت کو بھی اپنے مطلب پر چپکایا ہے۔

نمبر 6: چھٹی آیت "عالم الغیب فلا یظہر علٰی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول" ہے اس آیت کا ترجمہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں یوں کیا ہے۔

"یعنی او (خدا) عالم غیب است و ہیچ کس را بر غیب خود مطلع نمی سازد مگر پیغمبری را کہ برگزیدہ باشد"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 254)

یعنی عالم غیب وہ (خدا ہی) ہے' اور وہ کسی کو بھی اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرتا' سوائے اس کے' جسے اس نے اپنے پیغمبروں میں سے (غیب کیلئے) برگزیدہ کر لیا ہے۔

اس کے بعد اصول کافی اور تفسیر صافی سے اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"حضرت رسول اکرم (ص) از کسانی است که خدای متعال او را برائے آگاہی از غیبش برگزیدہ است۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 254)

یعنی حضرت رسول اکرم (ص) ان ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے غیب سے آگاہ کرنے کے لئے برگزیدہ کیا ہے۔

قارئین محترم تمام شیعہ امام علیہ السلام کے اس ارشاد اور قرآن کریم کے اس فرمان پر ایمان رکھتے ہیں، اور یقین کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ غیب کے اتنے علوم سے ان کو آگاہ فرمایا تھا، جتنے علوم کی ان کو ضرورت تھی۔ اور جن کا ہم احصاء نہیں کر سکتے، لیکن یہ سارے علوم ان کو خدا نے وحی کے ذریعہ عطا فرمائے تھے۔ جیسا کہ خود مرزا عبدالرسول احقاقی نے آیہ مجیدہ :-

"وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (النجم: 3-4) کے تحت لکھا ہے: یعنی واو (رسول اکرم) ہرگز بہ ہوای نفس سخن نمی گوید، سخن او فقط وحی خدا است۔

این قسم از علوم کہ بہ تعلیم مستقیم خدا است و استاد آں ذات ذوالجلال می باشد، عالیترین درجہ علم است و آں را علم لدنی می گویند، یعنی علمی کہ مستقیماً از جانب خدا است و بہ استاد و مدرسہ و تعلیم و تجربہ احتیاجی ندارد۔

بنابریں علوم رسول اکرم (ص) و آئمہ اطہار (ع) بہ مغیبات و پنہانیہای جہان ہستی، بلکہ تمام دانشہای عالم خلقت، در اثر وحی و الہامات و تائیدات الہی بودہ و ہست، و ہرچہ دارد از تعلیمات مکتب ازل دارند"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 263-264)

ترجمہ : یعنی وہ (رسول اکرم) ہرگز اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی خدا سے کہتے ہیں۔

اس قسم کے علوم خدا کی براہ راست تعلیم کے ذریعہ ہوتے ہیں اور ان کا استاد

ذات ذوالجلال ہے' اور یہ علم کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور اس کو علم لدنی کہتے ہیں' یعنی وہ علم جو براہ راست خدا کی جانب سے حاصل ہوا ہے۔ اور اس کے لئے کسی اور استاد' مدرسہ اور پڑھنے اور تجربہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔

بنابریں رسول اکرم (ص) اور آئمہ اطہار (ع) کا مغیبات اور جہان ہستی کی پوشیدہ باتوں کا علم' بلکہ عالم خلقت کے تمام علوم' انہیں وحی و الہامات اور تائیدات الہی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے' اور ان کے پاس جتنے علوم ہیں' وہ خداوند تعالیٰ کے مکتب ازلی کے تعلیم کردہ ہیں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی نے علم غیب کے حصول کی جو مذکورہ صورت لکھی ہے' اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہے۔ اور واقعا رسول اکرم (ص) اور آئمہ اطہار کے پاس خداوند تعالیٰ کا بذریعہ وحی دیا ہوا اتنا علم ہے' جس کا کوئی احصا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ازل سے ہونے کی بات انہوں نے اپنے عقیدہ کے ماتحت لکھ دی ہے' لہٰذا اس کے آگے جو بات انہوں نے لکھی ہے وہ غلط ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن میں لکھے ہیں کہ :۔

پیغمبر اکرم (ص) و آئمہ طاہرین ہمہ غیبای جہان ہستی را می دانند بہ تعلیم الہی۔ و البتہ چوں ایں تعلیم و آموزش اختصاص بہ مکتب الہی دارد۔ و استاد آن خدای حکیم ذوالجلال است' حتما مانند مدارس معمولی حرف بہ حرف و کلمہ بہ کلمہ نبودہ' بلکہ بہ کاملترین وجہ ممکن' یک جا ویک مرتبہ و بہ طور تعلیم تکوینی می باشد۔ یعنی خدای متعال در اول خلقت علم را جزو ذاتیات آں بزرگوارن قرار دادہ' و خمیرہ و جودشان را بہ جوہر علم عجیبن نمودہ است' وہ سینہ مبارکشان را گنجینہ و مخزن اسرار و علوم اولین و آخرین قرار دادہ است۔

(ولایت از دیدگاہ قرآن : 264-265)

ترجمہ : پیغمبر اکرم (ص) اور آئمہ طاہرین خداوند تعالیٰ کی تعلیم کے ذریعہ جہاں ہستی کی غیب کی تمام باتوں کو جانتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تعلیم و تربیت مکتب الہی کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے' اور ان کا استاد خدای حکیم ذوالجلال ہے' حتما یہ تعلیم معمولی مدارس

کی طرح حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ نہیں تھی۔ بلکہ جہاں تک ہو سکتا تھا کامل طور سے ایک جگہ اور ایک ہی مرتبہ، تعلیم تکوینی کے طور پر تھا، یعنی خدای متعال نے، ان کی پیدائش کے وقت ہی علم کو ان بزرگواروں کی ذات کا جزو بنا دیا تھا اور ان کے وجود کے خمیر کو علم کے جوہر کے ساتھ گوندھا تھا۔ اور ان کے سینہ مبارک کو اولین و آخرین کے اسرار و علوم کا گنجینہ و خزانہ قرار دے دیا تھا۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا بیان کئی لحاظ سے غلط اور ناقابل تسلیم ہے۔ اس میں ان کی بس اتنی بات صحیح ہے کہ محمد و آل محمد (ص) کے پاس جو کچھ علم غیب سے ہے وہ خداوند تعالیٰ کی براہ راست تعلیم کے ذریعہ ہے۔ اور خدا نے یہ تعلیم ان کو بذریعہ وحی و الہام فرمائی ہے۔

بیشک ان کا استاد خدای ذوالجلال ہی ہے۔ لیکن خدای ذوالجلال نے انہیں یہ علم کامل طور پر ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت اور ایک ہی مرتبہ ان کی پیدائش کے وقت تکوینی طور پر ان کی ذات کا جوز نہیں بنایا تھا۔ بلکہ جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی وحی کے ذریعہ غیب کی وہ خبران کو پہنچا دی گئی۔

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور قرآن کا سارا علم محمد و آل محمد کو حاصل ہے۔ لہٰذا وہ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن خود ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت اور ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا۔ جیسا کہ خود خدا سورۂ فرقان میں ارشاد فرماتا ہے۔

”وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃً واحدۃ کذالک لنثبت بہ فوادک و رتلنٰہ ترتیلا، ولا یاتونک بمثل الا جئنک بالحق و احسن تفسیراً۔“

(الفرقان: 32-33)

اور جو لوگ کافر تھے انہوں نے یہ کہا کہ اس پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل کیا گیا، یہ (اس لئے نازل نہیں کیا گیا) کہ ہم اس کے ذریعہ سے تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھایا ہے اور یہ جو مثل (نئی بات) بھی تمہارے پاس لاتے ہیں، ہم اس کا ٹھیک جواب اور بہتر سے بہتر بیان پہنچا دیتے

ہیں۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کو توریت اکٹھی تختیوں پر لکھی ہوئی ایک ساتھ اور ایک ہی مرتبہ عطا ہوئی تھی۔ جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر دریائے نیل کو پار کر گئے۔ اور فرعون اور اس کا لشکر دریائے نیل میں غرق ہو گیا' تو دریائے نیل کے پار جانے کے بعد موسیٰ (ع) نے ہارون کو اپنی قوم میں اپنا خلیفہ مقرر کیا' اور خود 40 دن تک میقات کے لئے کوہ طور پر چلے گئے' وہاں پر خداوند تعالیٰ نے موسیٰ (ع) سے کلام کرتے ہوئے فرمایا۔

قال یا موسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسلتی و بکلامی فخذ ما آتیتک و کن من الشاکرین' و کتبنا فی الالواح من کل شئی موعظہ و تفصیل کل شئی۔

(الاعراف: 144-145)

خداوند تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بیشک میں نے تم کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے کل آدمیوں سے منتخب کر لیا ہے۔ پس جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے اسے لے لو اور شکر گزار رہو۔ اور ہم نے ان کے لئے الواح (تختیوں) میں نصیحت کی ہر بات اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے الواح میں لکھی لکھائی نصیحت کی باتیں اور ہر چیز کی تفصیل توریت کی صورت میں حضرت موسیٰ کو عطا کی تھی۔ کافر پیغمبر اکرم پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ جس طرح موسیٰ کو ایک ہی مرتبہ اکٹھی لکھی لکھائی الواح کی صورت میں توریت ملی تھی۔ اسی طرح پیغمبر کو قرآن اکٹھا ایک ہی مرتبہ لکھا لکھایا کیوں نہ دیا گیا۔ یہ ضرور سبق کے طور پر' کسی سے پڑھ لیتا ہے' اور ہمیں آ کر سنا دیتا ہے۔ خدا ان کے جواب میں کہتا ہے' کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن سارے کا سارا ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہ کیا گیا؟ یہ اکٹھا ایک ہی مرتبہ اس لے نازل نہیں کیا گیا' کہ اس میں ان کے اعتراضات کے جواب بھی ہیں۔ جیسا جیسا وقتاً فوقتاً وہ اعتراض کرتے رہے ہم اس کا برموقع اور برمحل بہتر سے بہتر جواب دیتے رہے۔ اور اس طرح تیرے دل کو مضبوط کرتے تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ خدا نے قرآن کی تعلیم' ان کی پیدائش کے وقت'

تکوینی طور سے، ان کی ذات کا جزو بنا کر نہیں دی تھی، اور موقع و محل کے مطابق بروقت جواب مل جانے کی صورت میں پیغمبر اکرم کی فضیلت میں کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوتی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ توریت کے بارے میں بھی خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:۔

"و کتبنا فی الالواح من کل شئی موعظته و تفصیل کل شئی" (الفرقان: 145)

یعنی ہم نے توریت کی تختیوں میں نصیحت کی ہر بات لکھ دی تھی، اور اس میں ہر چیز کی تفصیل تھی۔

یہاں پر "تفصیل کل شئی" ہر چیز کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ اس میں موسیٰ کی امت یعنی بنی اسرائیل کے لئے، یا اس زمانہ کے لوگوں کی ہدایت و رہبری اور رہنمائی کی ہر بات موجود تھی۔

خداوند تعالیٰ نے یہی بات قرآن کریم کے بارے میں کہی ہے، کہ اس میں "تفصیل کل شئی" ہے تو اس سے مراد بھی یہی ہے کہ پیغمبر اکرم کے زمانے سے لے کر آپ کے دامنہ نبوت یعنی قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت و رہبری و رہنمائی کے لئے ہر چیز موجود ہے۔

لیکن خداوند تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں ہم نے پیغمبر کی ذات میں تکوینی طور پر ان کی پیدائش کے وقت خمیر کے طور پر نہیں گوندھی تھیں، بلکہ کافر جیسا جیسا اعتراض کرتے، ہم ہر وقت اس کا بہتر سے بہتر جواب پہنچا دیتے۔ اور بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جن جن باتوں کی ضرورت تھی، ہم تھوڑا تھوڑا کر کے موقع و محل کے لحاظ سے اپنے پیغمبر کو پہنچاتے رہے۔ اور اس سے پیغمبر کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سابقہ صفحات میں قرآن کریم کی متعدد آیات نقل کی گئی ہیں۔

ان میں سے ایک آیت وہ ہے جس میں نوح کے زمانے کے حالات بیان کر کے یہ کہا گیا ہے کہ اے پیغمبر یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے اب تمہیں وحی کے ذریعہ بیان کی ہیں۔ اس وحی کے آنے سے پہلے، ان واقعات کا نہ تو تمہیں علم تھا، اور نہ ہی تمہاری

قوم کو اس بارے میں کوئی علم تھا۔

ان ہی میں سے ایک آیت وہ ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے، کہ جب موسیٰ کو ہم نے کوہ طور پر ندا دی تو تم وہاں پر موجود نہ تھے، اس واقعہ کو ہم نے اب تمہیں وحی کے ذریعہ بتایا ہے۔

ان ہی میں سے ایک آیت وہ ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب یوسف کے بھائی ان کے ساتھ بدسلوکی کے لئے تدبیریں کر رہے تھے، تو تم وہاں موجود نہ تھے، اور نہ ہی تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع اب ہم نے تمہیں وحی کے ذریعہ دی ہے۔

ان ہی میں سے ایک آیت وہ ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جس وقت کلیسا کے پادری مریم کی کفالت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، اور اس کی کفالت کے بارے میں قرعہ اندازی کر رہے تھے تو تم اس وقت بھی وہاں موجود نہ تھے، یہ اب ہم نے تمہیں وحی کے ذریعہ اس واقعہ سے آگاہ کیا ہے۔

یہ آیات اور بہت سی دوسری آیات سے بطور واضح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جیسا موقع پیش آتا تھا، اور جس بات کی ضرورت ہوتی تھی، خدا اس واقعہ کی خبر پیغمبر کو وحی کے ذریعہ دے دیتا تھا، اور بر موقع اور بر محل کسی بات کا علم ہو جانے سے، پیغمبر اکرم (ص) کی فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور پہلے سے علم ہونے کی صورت میں نہ تو اب وحی کے ذریعہ آگاہ کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی اس طرح احسان جتانا مناسب تھا۔

لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت چونکہ شیخ احمد احسائی کے فلسفہ علل اربعہ کے ماتحت محمد و آل محمد کو ہی ہر چیز کی علت فاعلی مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان کا نور خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے اس کی شعاعیں نکلتی ہیں، پس یہ وحی کے ذریعہ تعلیم دینے والی بات وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو سب کچھ کرنے والے وہی ہیں، اور وہ خدا کے نور میں سے اس کی ساری صفات کے ساتھ باہر نکلے ہیں، لہٰذا وہ تمام علوم کو تکوینا ان کی ذات کا جزو سمجھتے ہیں۔

لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا نے کسی بھی نبی کو، تکوینی طور پر علم ان کی ذات کا

جزو بنا کر عطا نہیں فرمایا۔ بلکہ جب اس کی مصلحت ہوتی اور جتنا علم وہ دینا چاہتا تھا، ہر نبی کو اس کی ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت یوسف کے بارے میں فرماتا ہے۔

"وکذالک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث، واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ولما بلغ اشدہ آتینٰہ حکما وعلما وکذالک نجزی المحسنین۔"

(یوسف: 20-21)

ترجمہ : اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس (پردیس مصر کی) زمین میں جگہ دے دی۔ اور یہ بھی غرض تھی، کہ اس کو خواب کی تعبیر سکھا دیں اور خدا اپنے معاملات میں سب پر غالب ہے۔ لیکن بہت سے لوگ سمجھتے نہیں۔ اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا، تو ہم نے اس وقت اس کو حکمت اور علم عطا کیا۔ اور نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ "ولما بلغ اشدہ آتینٰہ حکما و علما" یعنی جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا تو اس وقت ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"فرددناہ الیٰ امہ کی تقر عینھا ولا تحزن ولتعلم ان وعد اللہ حق، ولکن اکثرھم لا یعلمون، ولما بلغ اشدہ واستوی آتینٰہ حکما وعلما و کذالک نجزی المحسنین"

(القصص: 13-14)

پس ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہ رنج نہ کرے۔ اور وہ یہ بھی جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا۔ اور خوب ہاتھ پاؤں نکال لئے، تو ہم نے ان کو فیصلے کی قوت اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

معانی الاخبار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اشد سے مراد

ہے اٹھارہ برس کی عمر اور استویٰ کا یہ مطلب ہے کہ داڑھی نکل آئی تھی۔

حضرت موسیٰ کو اتنی عمر تک پہنچنے کے بعد علم عطا کرنے سے ان کی فضیلت میں کیا کمی واقع ہو سکتی ہے۔ جب اس علم کی انہیں ضرورت پڑی' اسی وقت وہ علم ان کو دے دیا گیا۔ اسی طرح ہر نبی کو حسب ضرورت جس وقت جس علم کی ضرورت پڑی وہ خدا نے بذریعہ وحی اس کو عطا کر دیا۔

یہ سارے کے سارے نبی مکتب الٰہی کے ہی تعلیم یافتہ تھے اور ان سب کو علم خدا کی طرف سے بذریعہ وحی حاصل ہوتا تھا اور کسی بھی نبی کی ذات میں ازل سے ان کے وجود میں علم کو گوندھا نہیں گیا تھا۔

لیکن مرزا عبدالرسول احقاقی کہتے ہیں کہ :۔

"آری بزرگترین گفتار ما درحق حضرات معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین ایں است کہ عالم بہ غیب ہستند و علمشاں حضوری و احاطی است"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 181)

یعنی ہماری سب سے بڑی گفتگو حضرات معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے حق میں یہ ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور ان کا علم حضوری اور احاطی ہے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا یہ کہنا کہ ان کا علم حضوری و احاطی ہے قطعی غلط ہے اور خود ان کے اپنے اس بیان کے بھی خلاف ہے جو انہوں نے صفحہ 263-264 پر لکھا ہے کہ رسول اکرم (ص) اور آئمہ اطہار کے علوم وحی کے ذریعہ حاصل شدہ ہیں اور ان کو علم لدنی کہتے ہیں۔ "و آں را علم لدنی می گویند" (ولایت از دیدگاہ قرآن: 263) لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ ان کا علم لدنی و وھبی اور حصولی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ :۔

"ولا یحیطون بشئی من علمہ الا بما شآء" (البقرہ: 255)

یعنی کوئی بھی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا سوائے اتنے علم کے جتنے علم کے لئے خدا چاہے اور جس چیز کے لئے چاہے۔

پس حضرات معصومین علیہم السلام کا علم وھبی و لدنی اور بذریعہ وحی خداوند

تعالیٰ کی طرف سے حاصل کردہ ہے۔ اور ان کا علم حضوری و احاطی کہنا شیخ احمد احسائی کے فلسفہ علل اربعہ کا شاخسانہ ہے اور اسی وجہ سے مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب "ولایت ازدیدگاہ قرآن" میں لکھتے ہیں کہ :۔

"وولایت آں بزرگوارا ن ازازل تا ابدبہ امرالہی جاری وساری بودہ وخواہدبود" (ولایت ازدیدگاہ قرآن : 146)

یعنی ان بزرگ ہستیوں کی ولایت خدا کے حکم سے ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کا یہ کہنا کہ ان کی ولایت خدا کے حکم سے ازل سے جاری ہے۔ شیخ احمد احسائی کے فلسفہ علل اربعہ کی علت فاعلی کا عقیدہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رو سے ولایت فرع رسالت و امامت ہے یعنی چونکہ خدا نے انہیں رسول بنایا ہے۔ لہٰذا ان کی اطاعت فرض ہے' اور پیغمبر خاتم کے بعد چونکہ معصومین علیہم السلام کو خدا نے امام بنایا ہے' لہٰذا ان کی پیغمبر کے بعد اطاعت فرض ہے۔ اور اسی چیز کا عہد خدا نے روز الست عالم ارواح میں بنی آدم سے لیا تھا اور انہیں تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا تھا کہ :۔

"یا بنی آدم اما یاتینکم رسلاً منکم یقصون علیکم آیاتی فمن اتقی واصلح فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون۔"

(الاعراف: 25)

یعنی اے اولاد آدم تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں گے۔ پس تم میں سے جو بھی تقویٰ اختیار کرے گا' یعنی اس رسول پر ایمان لا کر اس کی اطاعت کرے گا' اور نیک اعمال بجا لائے گا' تو اس کو نہ تو کوئی خوف ہو گا' اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہو گا۔

اور ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں کہ قرآن کریم کی بیشمار آیات کی رو سے جتنے بھی رسول آئے وہ سب کے سب پیغمبر اکرم (ص) سے پہلے آئے' لہٰذا پیغمبر اکرم سے پہلے ہر زمانے میں رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی اطاعت فرض تھی' یعنی اس وقت ان کی ولایت تھی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (النساء: 64)

یعنی ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور یہ اطاعت ہی وہ ولایت ہے جو ہر رسول کو اپنے اپنے زمانے میں حاصل تھی اور پیغمبر اکرم سب رسولوں سے آخر میں آئے ہیں۔ جس کا خداوند تعالیٰ نے بنی آدم سے عالم ارواح میں ان الفاظ کے ساتھ اقرار لیا تھا کہ:۔

"ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ و لتنصرنہ" (آل عمران: 81)

پھر سب سے آخر میں ہمارا "آخری" رسول آئے گا جو ان تمام باتوں کی تصدیق کرے گا جو اس سے پہلے رسول تمہیں دے کر گئے تھے۔ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی نصرت بھی کرنا۔

اور جب عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

"واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدق لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" (الصف: 6)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے یہ کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور مجھ سے پہلے جو کچھ تورات میں آچکا ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں' اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں' جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

پس پیغمبر اکرم (ص) آخری رسول ہیں ان سے پہلے اور بہت سے رسول گزرے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل" (آل عمران: 144)

محمد بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہیں مگر وہ بھی صرف ایک رسول ہیں۔ ایسے ہی رسول جیسے کہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزرے۔

مرزا عبد الرسول احقاقی نے اس آیت کا ترجمہ یہ کہتے ہوئے کہ: "آنان حتی

در آیه در ترجمه مبارکه جانب امانت و ادب را مراعات ننموده و آیه را صحیح ترجمه نه کرده اند" (ولایت از دیدگاه قرآن : 134) یعنی انہوں نے آیہ مبارکہ کا ترجمہ کرتے وقت امانت داری اور ادب کا لحاظ نہیں رکھا ہے اور آیت کا صحیح ترجمہ نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد وہ خود اپنی دانست میں اس کا صحیح ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

"یعنی محمد (ص) نیست مگر پیغمبری از طرف خدا که پیش از او نیز پیغمبرانی بودند" (ولایت از دیدگاہ قرآن: 135)

اس کا ترجمہ اردو میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "محمد (ص) نہیں ہے مگر خدا کی طرف سے صرف ایک پیغمبر کہ اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہوئے ہیں۔

اور اس آیت کی شان نزول کے باوصف ہر صورت میں پیغمبر اکرم آخری رسول ہیں' اور جتنے رسول آئے' وہ سب کے سب پیغمبر سے پہلے آئے' اور ان کے زمانے کے لوگوں پر' ان رسولوں کی خدا کے حکم سے اطاعت واجب اور فرض تھی۔ اور ہر رسول اپنے اپنے زمانہ میں خدا کی طرف سے اسی ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی کے منصب پر فائز تھا۔ اور کوئی بھی رسول خلق کرنے اور رزق دینے والی ولایت تکوینی کا کام انجام نہیں دیتا تھا۔ اور جب پیغمبر اکرم (ص) تشریف لائے تو لوگوں پر خدا کی طرف سے ان کی اطاعت فرض کی گئی' اور خدا کی طرف سے وہ اس ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی کے منصب پر فائز ہوئے۔

البتہ پہلے آنے والے رسول کوئی اپنی قوم کی طرف آتا تھا' کوئی ایک قبیلہ کی طرف آتا تھا' کوئی ایک بستی کی طرف آتا تھا' کوئی لوگوں کی ایک مخصوص تعداد کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا' لیکن پیغمبر اکرم چونکہ آخری نبی ہیں' اور اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا' لہٰذا آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے لہٰذا آپ کی اطاعت قیامت تک آنے والے لوگوں پر فرض ہے' اور پیغمبر اکرم کی یہی اطاعت آپ کے بعد' آپ کے جانشینوں' یعنی آئمہ اطہار (ع) کی طاعت کی صورت میں واجب اور فرض کی گئی ہے۔ اور پیغمبر کے بعد آئمہ اطہار اس ولایت یعنی حکومت و فرمانروائی کے حقدار قرار پائے ہیں۔ لیکن پیغمبر اکرم (ص) کے زمانے میں آئمہ اطہار میں سے کوئی حتیٰ کہ امیر

المومنین علی ابن ابی طالب بھی، اس منصب ولایت پر فائز نہیں تھے۔ ولایت بمعنی حکومت و فرمانروائی۔ کیونکہ آپ بھی اس وقت پیغمبر اکرم کی اطاعت کرنے والوں اور پیروی کرنے والوں میں سے تھے۔ بلکہ سب سے بڑھ کر حضور کی اطاعت کرنے والے اور پیروی کرنے والے آپ ہی تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا یہ قول مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"انا عبید من عباد محمد"

یعنی میں محمد (ص) کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

ہاں پیغمبر اکرم (ص) کے بعد آپ مومنین کے ولی امر اور حاکم و فرمانروا قرار پائے جس کا پیغمبر نے بارہا اس طرح سے اعلان کیا کہ :۔

"هو وليكم من بعدى" یعنی وہ میرے بعد تمہارا ولی و حاکم و فرمانروا ہے اور کبھی فرمایا "هو ولى كل مومن و مومنة من بعدى"

یعنی وہ میرے بعد ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کا ولی یعنی حاکم و فرمانروا ہے۔ پس علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور ان کی پاک اولاد کی ولایت جس کا خدا نے آیہ مجیدہ "انما وليكم الله.." میں اعلان فرمایا ہے اور پیغمبر نے خود "هو وليكم من بعدى" کے ذریعہ اعلان کیا ہے وہ ولایت خدا و رسول کے اعلان کے مطابق پیغمبر اکرم (ص) کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ ازل سے شروع نہیں ہوتی۔ اور پیغمبر اکرم کو جتنا بھی علم ملا، وہ خداوند تعالیٰ نے انہیں وقتاً فوقتاً بذریعہ وحی حسب ضرورت عطا فرمایا۔ یہ علم نہ تو ازل سے تھا اور نہ ہی ان کے علم کو ان کی پیدائش کے وقت آغاز سے ہی ان کی ذات کا جزو بنا کر ان کے وجود میں خمیر کی طرح گوندھا تھا، جیسا کہ عبدالرسول احقاقی نے لکھا ہے کہ :۔

"در اول خلقت علم را جزو ذاتیات آن بزرگوارا ن قرار دادہ۔" (ولایت از دیدگاہ قرآن: 264)

یعنی ان کی پیدائش کے وقت ہی علم کو ان کی ذات کا جزو قرار دے دیا تھا۔

علم کو ان کی ذات کا جزو بنانے کا مطلب کیا ہے؟

مرزا عبدالرسول احقاقی اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں اس موضوع کو ثابت کرنے کے لئے کہ خداند تعالیٰ نے علم کو ان کی پیدائش کے آغاز میں ہی ان کی ذات کا جزو بنا دیا تھا، اور ان کے وجود کے خمیر کو جو ہر علم کے ساتھ گوندھا تھا۔ اس طرح سے وضاحت کرتے ہیں کہ:۔

برائے روشن شدن موضوع متذکر می شویم: درهر موجودی بعضی اوصاف، ذاتی وبرخی عرض است، وخدای متعال هر مخلوقی را با داشتن عدئه از ذاتیات از سائر الخاء خلقت ممتاز نموده ست۔ مثلاً بقول علماء منطق، قوه ناطقه (درک کلیات) در انسان ما به الامتیاز این نوع از سائر انواع است، وچون این تیرو (نطق) در انسان ذاتی است، جنبه فعلیت دارد، یعنی انسان کامل در هر حال آمادگی برائے نطق (درک کلیات) دارد، مگر اینکه نقصان و یا یک ضابعه و جودی داشته باشد، همچنیں نور جزو ذاتیات خورشید، و حرارت جزو ذاتیات آتش و چربی جزو ذاتیات خورشید، وحرارت جزو ذاتیات آتش وچربی جزو ذاتیات روغن وشوری جزو ذاتیات نمک است، و این صفات همیشه جنبه فعلیت داشته وانفکاک آنها حتی برائے یک لحظ هم از موصوفاتشاں متصور نیست۔ بلکه با انتفاء صفت موصوف نیز منتفی است۔ هرجا آفتاب عالمتاب باشد حتما نورهم با آن همراه و توام است۔ بلکه نورانیت سائر موجودات مادی در روی زمین از خورشید است۔ ولی نورانیت خورشید از خود اوست۔ زیرا خدای متعال این صفت را جزو ذات آں قمرار داده ست۔ و به قول مشهور چربی هر شے از روغن است ولی چربی روغن از خود اوست۔

با کمی تامل در قرآن کریم و اخبار اسلامی به این نتیجه می رسیم که ما به الامتیاز سفرای الهی و حضرات معصومین (ع) با سائر طبقات خلقت به چند چیز است، که شریف ترین و با زر ترین آنها همیں صفت علم

است۔ و خدای متعال این سلسله جلیله را با مطلع ساختن بر علوم و مغیبات جہاں ہستی بر سائرافراد برتری بخشیده است به طوری که برتری و فضیلت جناب آدم را بر فرشتگان به وسیله علمی که در نہاد و فرا رداده بود۔ اثبات فرمود۔ و آدم در اثر برکت ہمیں علم خلیفه الله و مسجود ملائکه فرار گرفت۔

(ولایت از دیدگاه قرآن: 265)

ترجمہ: اس موضوع کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ ہر موجود میں بعض اوصاف ذاتی اور بعض عرضی ہوتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے۔ ہر مخلوق میں کچھ ذاتی صفات رکھ کر دوسری تمام مخلوق سے ممتاز کیا ہے۔ مثلاً علماء منطق کے قول کے مطابق قوت ناطقہ (کلیات کا ادراک کرنا) انسان میں اس نوع کی' تمام انواع سے مابہ الامتیاز ہے۔ اور چونکہ یہ قوت (نطق) انسان میں ذاتی ہے۔ تو یہ رو بہ عمل آتی ہے۔ یعنی انسان کامل ہر حال میں نطق (کلیات کے ادراک کرنے) کے لئے آمادہ ہوتا ہے' سوائے اس صورت کے کہ اس کے اندر کچھ نقص ہو' یا اس کے وجود میں سے کچھ ضائع ہو گیا ہو۔

اسی طرح نور خورشید کی ذات کا جزو ہے۔ اور حرارت آگ کی ذات کا جزو ہے۔ اور چربی روغن کی ذات کا جزو ہے اور نمکینی نمک کی ذات کا جزو ہے۔ اور یہ صفات ان سے ہمیشہ رو بہ عمل آتے ہیں۔ اور ان کا ان موصوف چیزوں سے جدا ہونا' ایک لحظہ کے لئے بھی تصور نہیں ہو سکتا' بلکہ صفات کے ختم ہونے سے موصوف ہی ختم ہو جائے گا۔ جہاں بھی سورج چمک رہا ہو گا حتما اس کی روشنی بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہو گی بلکہ روی زمین کی تمام مادی چیزوں کی روشنی بھی سورج ہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن سورج کی روشنی خود اس کی اپنی ذات سے ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس صفت کو اس کی ذات کا جزو قرار دیا ہے۔ اور ایک مشہور قول کے مطابق ہر چیز کی چربی تو روغن سے ہوتی ہے۔ لیکن روغن کی چربی خود اس کی ذات میں ہوتی ہے۔ قرآن کریم اور اسلامی احادیث میں تھوڑا سا غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سفرای الٰہی یعنی تمام انبیاء و رسل اور حضرات معصومین کا تمام طبقات خلقت کے ساتھ مابہ الامتیاز چند چیزوں

کی وجہ سے ہے کہ ان میں سے شریف ترین و افضل ترین یہی صفت علم ہے۔ اور خداوند تعالٰی نے اس سلسلہ جلیلہ یعنی انبیاء و رسل اور حضرات معصومین کو جہان ہستی کے علوم و اسرار و مغیبات سے آگاہ کر کے مخلوقات کے تمام انواع پر برتری عطا کی۔ جس طرح سے کہ جناب آدم کی فرشتوں کے اوپر برتری اور فضیلت اس علم کی وجہ سے ثابت ہوئی کہ جو ان کی ذات اور وجود میں قدرت نے قرار دے دی تھی۔ اور آدم اسی علم کی برکت سے خلیفتہ اللہ اور مسجود ملائکہ قرار پائے۔

مرزا عبدالرسول احقاقی کے اس غلط نظریہ کا ابطال کرنے سے پہلے یہ بات بیان کر دینا ضروری ہے کہ یقیناً خداوند تعالٰی نے تمام انبیاء و رسل اور حضرات معصومین کو حسب ضرورت وحی کے ذریعہ جہان ہستی کے بہت سے علوم و اسرار و مغیبات سے آگاہ کر کے، حتٰی انہیں نہ صرف مخلوقات کے تمام انواع پر برتری، اور فضیلت عطا فرمائی تھی، بلکہ خود بنی نوع انسان پر بھی انہیں برتری و فضیلت عطا کی تھی۔

قرآن کریم کی آیات سے حضرت موسیٰ کو علم و حکمت عطا کرنے کا معاملہ اور حضرت یوسف کو علم و حکمت عطا کرنے کا معاملہ ہم سابق اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ جس وقت وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے اور پوری طرح بالغ ہو گئے، تو اس وقت انہیں بذریعہ وحی علم عطا کیا گیا۔ اسی طرح پیغمبر اکرم (ص) کے علوم بھی مرحلہ وار اور بتدریج تھے۔ اور حسب ضرورت موقع و محل کے مطابق عطا ہوتے تھے۔ اور اسی لئے آپ کو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ "قل رب زدنی علمًا" یعنی اے میرے حبیب تم یہ دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اور زیادتی فرما۔ اور اس میں شک نہیں کہ زیادہ وہی ہوتا ہے جو پہلے علم میں اضافہ ہو۔

اب ہم مرزا عبدالرسول احقاقی کے باقی نظریات کا جو انہوں نے اپنے مذکورہ بیان میں پیش کئے ہیں رد و ابطال کرتے ہیں۔

کیا آدمؑ کی ذات میں اور وجود میں علم کو گوندھا گیا تھا

رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا عبدالرسول احقاقی کہتے ہیں۔ آدم کی ذات

اور نہاد میں علم کو گوندھا گیا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے آدم کو فرشتوں پر برتری اور فضیلت عطا کی تھی۔ اور ان کو اسی وجہ سے خلیفۃ اللہ اور مسجود ملا ئکہ بنایا تھا۔

خلافت کا موضوع تو ایک بہت وسیع موضوع ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "خلافت قرآن کی نظر میں" میں اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

یہاں پر صرف اس موضوع پر گفتگو ہو گی کہ کیا آدم کی ذات نہاد اور وجود میں علم کو گوندھا گیا تھا؟ یا وقتاً فوقتاً حسب ضرورت بذریعہ وحی عطا کیا گیا تھا۔

آدمؑ کو تعلیم دینے کی بات دو مرحلوں میں سامنے آئی ہے۔ پہلا مرحلہ اس وقت کا ہے جب خداوند تعالیٰ نے آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے کا اعلان کیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ خدا نے سالم قرآن میں کہیں بھی "خلیفۃ اللہ" یا "خلیفتی" نہیں کہا بلکہ صرف "فی الارض خلیفہ" کہا جس کا مطلب زمین میں پہلوں کا جانشین ہے۔ بہرحال آدم علیہ السلام عالم ارواح میں نبی اور ہادی منتخب ہو چکے تھے اور بدلیل آیہ مجیدہ "ان اللہ اصطفے آدم.." خدا کے مصطفے و برگزیدہ اور نبوت کے لئے منتخب بندوں میں شمار ہو چکے تھے۔

اور جب سارے انبیاء سے عالم ارواح میں "و اذا خذنا من النبین میثاقھم" کے مطابق عہد و میثاق لیا تو آدم علیہ السلام بھی اس عہد و میثاق میں شامل تھے۔

پس آدم علیہ السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے پہلے نبی ہیں جو "ان اللہ اصطفے آدم" کے مطابق نبوت کے لئے مصطفے بنائے گئے اور "اذا خذنا من النبین میثاقھم" کے مطابق خدا کے احکام پہنچانے کا عہد کر چکے تھے۔

اور قرآنی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین پر جن آباد تھے اور فرشتے ان کی ہدایت اور سرکوبی کے لئے زمین میں بھیجے ہوئے تھے اور انہیں کی ہدایت سے عزازیل جو جنوں کا سردار تھا ایمان لے آیا تھا اور فرشتوں کی صحبت میں رہنے لگا تھا۔

آخر خدا کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اب فرشتوں کو اوپر بلا لیا جائے اور ان کی جگہ آدم علیہ السلام کو زمین پر ہدایت کے لئے بھیجا جائے۔ اور زمین پر آدم علیہ السلام اور

ان کی اولاد کو آباد کیا جائے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے زمین پر رہنے والے فرشتوں کے سامنے اس بات کا اعلان اس طرح سے کیا۔

"وا ذقال ربک للملا ئکۃ انی جا عل فی الا رض خلیفہ" (البقرہ: 30)

یعنی جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں (تمہارا) جانشین مقرر کرنے والا ہوں۔

چونکہ زمین پر اس وقت صرف جن ہی آباد تھے جو فساد و خونریزی میں مصروف تھے' لہٰذا فرشتوں نے یہ سمجھا کہ ان کی جگہ ان جنوں میں سے ہی کسی کو ہمارا جانشین بنایا جا رہا ہے۔ چونکہ جن اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ کیا تو انہیں میں سے کسی کو ہمارا جانشین بنا دے گا؟ جو فساد و خونریزی کر رہے ہیں' تو خدا نے جواب دیا کہ میں جنہیں زمین میں تمہاری بجائے ہادی بنا کر مقرر کروں گا' ان کا تمہیں علم نہیں ہے۔

اس کے بعد فرشتوں کو' ان تمام ہادیوں کا تعارف کرانے کے لئے' جو آدم کی اولاد سے قیامت تک آنے والے تھے' پہلے مرحلہ میں آدم (ع) کو ان کے نام تعلیم فرمائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"و علم آدم الا سماء کلھا ثم عرضھم علی الملا ئکتہ فقال انبؤنی با سماء ھولاء ان کنتم صا دقین۔"

(البقرہ)

اور خدا نے آدم کو کل کے کل نام تعلیم کئے' پھر ان ہستیوں (کی ارواح) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا' اور ان سے کہا کہ تم ان ہستیوں کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو (اس بات میں کہ میں بس ان جنوں میں سے ہی کسی کو جانشین بنا سکتا ہوں اور ان کے سوا اور کوئی مخلوق ہے ہی نہیں)

چونکہ فرشتوں کو عالم ارواح کی اس مخلوق کا کوئی علم نہیں تھا اور جنوں کو غیر معصوم ہونے کی بنا پر وہ اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے لہٰذا جب انہوں نے ایک نئی مخلوق کو دیکھا جو جنوں کے علاوہ تھی اور ان کے نور سے عصمت ٹپک رہی تھی تو وہ پکار اٹھے۔

"قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم"

یعنی فرشتوں نے کہا کہ پاک ہے ذات تیری ہمیں عالم ارواح کی اس مخلوق کا کوئی علم نہیں ہے، ہمیں تو بس اتنا ہی علم تھا جتنا تو نے ہمیں تعلیم کیا تھا۔ بیشک تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ یعنی تیرا کوئی کام حکمت و مصلحت کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور چونکہ عالم ارواح کی اس مخلوق کا علم صرف تجھے ہی تھا، ہمیں نہیں تھا، لہٰذا ہم نے جنوں کے فساد و خونریزی کو دیکھ کر وہ بات کہی تھی۔ اس کے بعد خدا کے حکم سے آدم نے فرشتوں کے سامنے ان سبقوں کا نام بنام تعارف کرایا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اعلان خلافت کے بعد فرشتوں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا تو اس وقت خدا نے آدم (ع) کو ان کے نام تعلیم کئے، جنہیں آدم کے بعد قیامت تک ہادی بنا کر بھیجنا تھا۔

قرآن کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"و علم آدم الا سماء کلھا" یعنی آدم کو کل کے کل نام تعلیم کر دیئے موضوع بحث چونکہ زمین میں ہونے والے خلیفہ تھے، جنہوں نے فرشتوں کے بعد زمین میں قیامت تک ہدایت کا کام انجام دینا تھا اور فرشتوں کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ لہٰذا وہ یہ سمجھے تھے کہ خدا ان ہی جنوں میں سے، جو فساد و خونریزی کرنے والے ہیں، کسی کو ان کی جگہ جانشین مقرر کر دے گا، خدا نے کہا کہ ان میں سے نہیں۔ بلکہ وہ یہ ہیں، جو تمہارے سامنے موجود ہیں اور علم آدم الا سماء کلھا سے یہ بات ثابت ہے اگر آدم کی ذات میں، ان کی نہاد میں، اور ان کے وجود میں، خمیر کی طرح یہ علم گوندھا ہوا ہوتا، تو اب ان کے تعلیم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اور چونکہ اب صرف ان کے نام تعلیم کرنے کی ضرورت تھی جنہیں خدا نے آدم (ع) کے بعد قیامت تک زمین پر ہادی بنا کر بھیجنا تھا، لہٰذا آدم کو اس وقت صرف انہیں کے نام تعلیم کئے، اس وقت تمام علوم کے تعلیم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا علم آدم الا سماء کلھا سے تمام علوم اور دانش مراد لینا غلط ہے۔

چونکہ اس وقت صرف ان ہادیوں کا معاملہ درپیش تھا، لہٰذا اس وقت ان ناموں کی تعلیم دی گئی، اور اس کے بعد جس بات کی ضرورت پڑی اس کی بعد میں حسب ضرورت

تعلیم دی گئی۔

یہ قصہ تھا اعلان خلافت کے بعد کا اور اعلان خلقت سے پہلے کا' اب جسمانی طور پر اعلان خلقت کے بعد کا حال سنئے۔

آدم کی خلقت کا اعلان اور حکم سجدہ

خداوند تعالٰی سورہ ص میں ارشاد فرماتا ہے۔

واذقال ربک للملا ئکۃ انی خالق بشرا من طین فاذا سویہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین فسجد الملا ئکۃ کلھم اجمعون۔ الا ابلیس استکبر و کان من الکافرین۔

(ص :71 تا 74)

ترجمہ : جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گیلی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں' تو جب میں اس کو درست کر لوں' اور اس میں اپنی (پیدا کی ہوئی) روح پھونک دوں' تو تم سب کے سب اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔ تو کل کے کل فرشتوں نے تو سجدہ کیا' مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے' کہ خدا نے آدم کا مجسمہ درست کرنے کے بعد فرشتوں کو سجدہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا کہ فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین یعنی جب میں اسے درست کرنے کے بعد اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

اس میں "نفخت فیہ من روحی" کے جملہ سے خدا نے فرشتوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہی روح جس نے تمہیں پہلے ہادیوں کے ناموں سے آگاہ کیا تھا' وہی روح اس جسد بشری میں پھونکی جائے گی۔ وہی روح جسے تمہاری جگہ تمہارا جانشین بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔ وہی اس بشر میں داخل ہو گی۔ لہٰذا تم نے اس کی جانشینی کو قبول کرتے ہوئے میرے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ فرشتے چونکہ پہلے ہی اعلان خلافت کے وقت قائل ہو

چکے تھے اور ان ارواح کی صفات سے واقف ہو چکے تھے' لہٰذا انہوں نے خدا کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا' اور اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔

دوسری بات جو اس آیت میں قابل غور ہے وہ "الا ابلیس" ہے۔ خداوند تعالیٰ نے یہ لقب "عزازیل" کو دیا ہے اور یہ قوم جن سے تھا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ "کان من الجن ففسق عن امر ربہ" (الکہف : 51) یعنی وہ قوم جن سے تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی اور سرکشی اختیار کی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جب اس کا نام "عزازیل" تھا تو خدا نے اس کو ابلیس کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لغت میں ابلیس مکمل طور پر مایوس ہو جانے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ خدائے واحد پر ایمان لے آیا تھا' اور فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا' لہٰذا اعلان خلافت کے بعد وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ فرشتوں کے جانے کے بعد وہی ان کی جانشینی کا حقدار ہے۔ لیکن جب آدم علیہ السلام کے لئے جانشینی کا حکم آشکارا ہو گیا' تو وہ اس جانشینی کے حصول کی طرف سے قطعی طور پر مایوس ہو گیا۔ لہٰذا خدا نے اس کا نام عزازیل لینے کی بجائے' اسے ابلیس کے خطاب کے ساتھ پکارا یعنی مکمل طور پر مایوس ہو جانے والا۔

خدا کی ابلیس سے باز پرس اور اس کا جواب

خداوند تعالیٰ نے جب ابلیس سے آدم کو سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا تو کہا: "قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک" (الاعراف : 12) اے ابلیس جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا' تو پھر تجھے سجدہ کرنے سے کس بات نے روکا۔

"قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" (الاعراف : 12) ابلیس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے یہ کہا "قال ءاسجد لمن خلقت طینا" (بنی اسرائیل : 61) اس نے کہا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو

نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اور سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے یہ کہا۔

"قال لم اکن لا سجد لبشر خلقتہ من صلصال من حما مسنون۔" (الحجر :33)

ترجمہ : یعنی اس نے کہا کہ میں ایسا گیا گزرا نہیں ہوں، کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی کھنکھن ہولنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

قرآن کریم کی ان آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جیسا فرشتوں سے براہ راست خطاب تھا، یا جیسا کہ موسیٰؑ سے براہ راست خطاب تھا، ایسا ہی خدا اور عزازیل کے درمیان بلا واسطہ گفتگو ہوتی رہی ہے۔ خدا نے پوچھا اور اس نے جواب دیا۔ چنانچہ مذکورہ جواب سن کر خدا نے ابلیس سے کہا۔

"قال فاخرج منھا فانک رجیم ○ وان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین" (ص: 77-78)

ترجمہ : خدا نے فرمایا چل نکل دور ہو، تو یہاں سے، تو تو یقینی طور پر مردود (راندہ درگاہ الہٰی) ہے، اور تجھ پر روز جزا (قیامت) تک میری پھٹکار پڑتی رہے گی۔

ابلیس نے کہا۔

"قال رب فانظرنی الیٰ یوم یبعثون" (ص: 79)

ترجمہ : کہا اے میرے رب، تو مجھے اس دن تک کی مہلت دیدے، جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

خدا نے فرمایا۔

"قال فانک من المنظرین، الیٰ یوم الوقت المعلوم" (ص: 80-81)

ترجمہ : خدا نے فرمایا جا تجھے ایک وقت معین کے دن تک کی مہلت ہے۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ عزازیل خدا پر ایمان رکھتا تھا، اور خدا کی ربوبیت کا اعتقاد رکھتا تھا، اسی لئے دھتکارے جانے کے باوجود اس نے کہا۔ "قال رب فانظرنی" اے میرے رب، اے میرے پروردگار مجھے روز قیامت تک کی مہلت دیدے، اور وہ روز قیامت پر بھی ایمان رکھتا تھا اسی لئے روز قیامت تک مہلت کی

درخواست کی۔

اور امیرالمومنین کے ایک قول کے مطابق "اس نے بارگاہ خداوندی میں ایک ہی سجدہ اتنا طویل کیا، کہ چھ ہزار سال تک سجدے سے سر نہ اٹھایا" اور خدا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے "انی لا اضیع عمل عامل" میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر کوئی آخرت میں اجر کا مستحق قرار نہیں پاتا تو وہ اسے دنیا میں ہی نوازتا ہے۔ لہٰذا جب ابلیس نے یہ کہا کہ رب انظرنی الٰی یوم یبعثون اے میرے رب تو مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے تو اس کے انکار سجدہ کے باوجود خدا نے اسے مہلت دیدی۔

ابلیس خدا کی طرف سے مہلت حاصل کرنے کے بعد دلیر ہو گیا اور اس نے کہا۔

قال فبما اغویتنی لا قعدن لھم صراطک المستقیم (الاعراف: 16)

یعنی جس کی وجہ سے تو نے مجھے راستہ سے ہٹایا ہے، میں بھی ان کے بہکانے کے لئے تیری سیدھی راہ پر بیٹھ جاؤں گا۔

اور سورۂ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے کہا۔

"قال رب بما اغویتنی لا زینن لھم فی الارض ولا غوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین" (الحجر: 39-40)

یعنی ابلیس نے کہا اے میرے رب جس کے سبب سے تو نے مجھے راستہ سے ہٹا دیا ہے، میں بھی زمین میں (برائیوں کو، باطل کو، غلط باتوں کو) ان کی نظروں میں عمدہ کر کے دکھاؤں گا۔ اور ان سب کو ضرور ضرور بہکا کر رہوں گا، لیکن ان میں سے تیرے مخلص بندے (میرے بہکائے میں نہ آئیں گے)

اور سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے کہا۔

قال ارئیتک ھذا الذی کرمت علی لئن اخرتن الی یوم القیمتہ لا حتنکن ذریتہ الا قلیلا (بنی اسرائیل: 62)

یعنی اس نے کہا بھلا دیکھ تو سہی یہی وہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت تک کی ڈھیل دیدے تو میں قدرے قلیل کے سوا اس کی نسل کی جڑیں کاٹتا رہوں گا۔

کلام الٰہی کا طرز بیان، اور ان کا لب و لہجہ یہ بتلاتا ہے کہ فرشتے بھی اسی جنت میں موجود تھے، جو امام جعفر صادقؑ کے قول کے مطابق زمین ہی کے اوپر ایک باغ تھا، ابلیس بھی اسی جنت یعنی اسی باغ میں تھا، اور آدم بھی اسی جنت میں تھے، اور "ا ریتک ھذا الذی کرمت علی" یعنی بھلا دیکھ تو سہی، یہی وہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا ہے۔ میں "ھذا" کا اسم اشارہ یہ بتلاتا ہے کہ خدا میں اور ابلیس میں یہ باتیں آدم کے سامنے ہو رہی تھیں۔ اور آدم اس وقت جنت میں ہی تھے۔

لہٰذا ابلیس نے آدم علیہ السلام کے لئے جتنے سبک الفاظ استعمال کئے، ان کو سن کر۔ اور اس کی طرف سے خدا کی صراط مستقیم پر بیٹھنے کے دعوے کو سن کر، حتی کہ آدم کی نسل کی جڑیں تک اکھاڑنے کی بات سن کر آدم (ع) کو سمجھ لینا چاہئے تھا، کہ یہ ان کا دشمن ہے۔ اور اس نے جن الفاظ کے ساتھ آدم کی توہین کی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ آدم اس کو قریب بھی نہ لگنے دیتے اور اس کی بات تک سننے کے روادار نہ ہوتے، یہ بات اس صورت میں ہے، کہ آدم نے خدا اور ابلیس کی یہ تمام باتیں سنی ہوں لیکن اگر آدم نے خدا اور ابلیس کے درمیان ہونے والی یہ تمام باتیں نہ سنی ہوں، تو بھی آدم (ع) کو چاہئے تھا کہ ابلیس کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے، اور اس کی بات ہرگز نہ سنتے۔ کیونکہ خدا نے آدم (ع) کو خاص طور پر بھی اس بات کی نصیحت کر دی تھی۔

خداوند تعالیٰ کی آدم (ع) کو نصیحت

چونکہ ابلیس نے کھلم کھلا آدم اور اولاد آدم کے ساتھ اپنی دشمنی کا اعلان کر دیا تھا۔ لہٰذا خدا نے آدم (ع) کو بطور خاص بھی نصیحت کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ :۔

"واذقلنا للملائکتہ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس، ابیٰ، فقلنا یا آدم ان ھذا عدولک و لزوجک فلا یخرجنکما من الجنتہ فتشقیٰ ان لک الا تجوع فیھا ولا تعریٰ و انک لا تظموفیھا ولا تضحیٰ"

(طہ : 116 تا 119)

یعنی جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے تو سجدہ

کیا۔ لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے آدم سے کہا' اے آدم بیشک یہ تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری بیوی کا بھی دشمن ہے۔ کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ چھوڑے' تو تم دنیا کی مصیبت اور مشقت میں پھنس جاؤ گے' اس میں کچھ شک نہیں' کہ یہاں جنت میں' تمہیں یہ آرام ہے' کہ نہ تو تم یہاں بھوکے رہو گے' اور نہ ننگے۔ اور نہ یہاں پیاسے رہو گے' اور نہ ہی دھوپ میں رہو گے۔

قارئین محترم ابلیس نے بھی یہ کہا تھا کہ "ا ریتک ھذا الذی کرمت علی" اس میں ھذا الذی اشارہ قریب ہے اور خدا نے بھی آدم سے ابلیس کی طرف اشارہ قریب کے ذریعہ اشارہ کر کے کہا "یا آدم ان ھذا عدولک و لنوجک" اے آدم یہ تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری بیوی کا بھی دشمن ہے۔ لہٰذا ختما خدا نے آدم علیہ السلام کو ان باتوں کی تعلیم اور ان باتوں کی نصیحت اس وقت کی جب آدم کو ان باتوں کی ضرورت پڑی۔ اس سے پہلے آدم کو ان باتوں کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا مرزا عبدالرسول احقاقی کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ علم و دانش آدم کی ذات اور نہاد میں گوندھا گیا تھا۔

شیطان کا وسوسہ

آیات و روایات اسلامی سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جنت ارضی پر آدم (ع) کا جسد خاکی درست کیا گیا' اسی جنت ارضی کی ہواؤں میں آدم (ع) کے جسد خاکی میں روح پھونکی گئی' اور اسی جنت ارضی کی فضاؤں میں آدم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں تو ایک طرف تو اس جنت ارضی میں رہنے والے سارے ملائکہ کو اپنے سامنے سجدے میں پڑا ہوا پایا' اور اس جنت ارضی کے "کلھم اجمعون" فرشتوں کو اپنے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے دیکھا' اور دوسری طرف ابلیس کو خدا سے اپنے خلاف توہین آمیز باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ اور اسے اپنے اور اپنی اولاد کے' بلکہ قیامت تک آنے والی نسل کے خلاف زہر اگلتے ہوئے دیکھا' اس ماحول میں خدا نے آدم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"یا آدم ان ھذا عدولک ولزوجک....." الخ

اے آدم یقینی طور پر یہ تمہارا بھی دشمن ہے' اور تمہاری بیوی کا بھی دشمن ہے' خدا نے اس وقت اس کا نام نہیں لیا۔ بلکہ "ھذا" کے اشارہ قریب کے ساتھ کہا کہ یہ تمہارا دشمن ہے' اس سے معلوم ہوا کہ وہ یہ تمام باتیں آدم علیہ السلام کے سامنے کر رہا تھا' اور اسی لئے اس نے بھی یہ کہا تھا کہ "اریتک ھذا الذی کرمت علی" یہی ہے وہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ پس اگرچہ آدم سب کچھ دیکھ چکے تھے' لیکن پھر بھی خدا نے بتلایا اور سمجھایا کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ یہ تمہیں جنت سے نکلوانے کی کوشش کرے گا' پھر تم مشقت میں پھنس جاؤ گے۔ یہاں پر تمہیں یہ آرام ہے' کہ نہ تم بھوکے رہو گے' اور نہ ننگے ہوں گے' نہ پیاس لگے گی' نہ دھوپ کی تکلیف سہو گے' لیکن یہاں سے نکل کر' یہ سب چیزیں تمہیں بغیر مشقت کے حاصل نہ سکیں گی۔ اور ساتھ ہی وہ چیز بھی بتا دی جس کے ذریعہ ابلیس انہیں جنت سے نکلوانے کی تدبیر کرے گا چنانچہ فرمایا۔

"یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ فکلا من حیث شئتما و لا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین" (الاعراف: 19)

اے آدم تم اور تمہاری بیوی یہیں جنت میں رہا کرو۔ اور جہاں سے تمہارا دل چاہے کھاؤ پیو مگر خبردار تم اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم خود اپنا نقصان کر لو گے۔

آدم علیہ السلام کو اس وقت اس علم کی ضرورت تھی' کہ آدم کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے' کہ اس درخت کے قریب جانا ان کے لئے باعث نقصان ہو گا' لہٰذا خدا نے بروقت آدمؑ کو اس بات کا علم عطا کر دیا۔

لیکن ابلیس نے آدمؑ کو عجب انداز سے دھوکا دیا' خدا نے آدمؑ کو جس وجہ سے اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا وہ اور تھا۔ لیکن ابلیس نے وہی درخت کے پاس جانے سے منع کرنے کا ذکر کیا' اور مطلب اس کا اپنی طرف سے بیان کیا۔ یہی کام شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کرتے ہیں۔ آیت قرآن کی سامنے لاتے ہیں اور مطلب اس کا اپنی طرف سے بناتے ہیں' اور اس طرح شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو دھوکہ دے کر گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب دیکھئے ابلیس نے آدم کو کس طرح دھوکہ دیا۔

"قال یا آدم ھل ادلک علٰی شجرة الخلد و ملک لا یبلٰی" (الاعراف: 20)

ابلیس نے کہا اے آدم کیا میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں' جسے کھا کر تم ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو۔ اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ آئے۔ قارئین محترم! ذرا ابلیس کے بھکانے کی تدبیر میں غور کریں' کس طرح سے اس نے ایک غلط بات کو آدم کی نظروں میں زینت دے کر بیان کیا' خدا نے تو یہ کہا تھا' کہ اگر تم اس درخت کے پاس گئے' تو نقصان اٹھاؤ گے مگر ابلیس نے کہا کہ یہ ایک ایسا درخت ہے کہ گر تم اس میں سے کھالو' تو تم ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے' اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ آئے گا۔

لیکن ابلیس یہ سن چکا تھا' کہ خدا نے آدمؑ کو اس درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا ہے' لہٰذا وہ اس درخت کا پھل کھانے سے پس و پیش کریں گے۔ تو اس نے بھی اس منع کرنے کا حوالہ دیا' اور مطلب اس کا اپنی طرف سے بتایا اور اس نے یہ کہا کہ :-

"وما نھکما ربکما عن ھذا الشجرہ الا ان تکونا ملکین او تکون من الخالدین"

(الاعراف: 20)

یعنی تمہارے پروردگار نے تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو تم دونوں فرشتے بن جاؤ گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی جنت میں رہنے لگو گے۔

یہی کام شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کر رہے ہیں خدا نے تو آیہ بلغ کے ذریعہ پیغمبر سے اپنے بعد علی کی جانشینی کا اعلان کرایا مگر شیخیہ احقاقیہ کویت کہتے ہیں کہ یہ "علی ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ' "من مبدء الوجود الٰی آخر مراتب الشھود" ازل سے ابد تک "علی حد ربوبیتہ" ان کی ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الہیہ کا اعلان تھا' تاکہ اس طرح ان کا عقیدہ تفویض سیدھا ہو جائے۔

خدا نے تو "الیوم اکملت لکم دینکم" کے ذریعہ پیغمبر کے بعد کے لئے واجب الاطاعت امام کی امامت کا اعلان کرایا تھا مگر شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کہتے ہیں کہ یہ "علی ما سوی اللہ بلا استثناء شئی" ' "من مبدء الوجود الٰی آخر

مراتب الشہود" ، ازل سے ابد تک "علی حد ربوبیتہ" علی کی ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کا اعلان تھا اور اس طرح اس سے اپنے عقیدہ تفویض کو ثابت کرتے ہیں۔

خدا نے آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." کے ذریعہ حضرت علی کو پیغمبرؐ کے بعد اہل ایمان کا والی و حاکم و فرمانروا ہونے کا اعلان کیا مگر شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اسی آیت کو پیش کر کے شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو شیطان کی طرح ورغلاتے ہیں کہ یہ حضرت علی کی ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الہیہ کا اعلان تھا جو "علیٰ ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" اور ازل سے لے کر ابد تک' "علی حد ربوبیتہ" اور "من الدرۃ الی الذرۃ" تھی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے سوا اور کوئی بہکا ہی نہیں سکتا اور ابلیس بھی اس سے بہتر تدبیر نکال کر نہیں لا سکتا۔ کیونکہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت' شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے سامنے اپنے غلو و تفویض کے عقیدہ کو فضیلت قرار دے کر پیش کرتے ہیں' اور موالیان حیدر کرار جھوم جھوم کر اسے قبول کرتے ہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا نے تو آدم (ع) سے یہ کہا تھا کہ یہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ لیکن ابلیس نے ان سے قسم کھا کر یہ کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ و قاسمھما انی لکما لمن الناصحین (الاعراف: 20) آدم (ع) نے خدا کی بات کو تو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور شیطان کی بات کا یقین کر لیا۔ تو شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ بھی آخر آدم ہی کی اولاد ہیں۔ بیشک امام رضا نے انہیں بہ تاکید یہ فرمایا ہے کہ دین کے امور تو ہمیں تفویض ہوئے ہیں' لیکن خلق و رزق اور دوسرے تکوینی امور ہمیں تفویض نہیں ہوئے۔ بلکہ ہر شئی کا خالق اللہ ہی ہے' اسی نے تمہیں خلق کیا' اسی نے تمہاری روزی کا انتظام کیا' وہی مارتا ہے' اور وہی جلاتا ہے' جو کوئی ان کاموں کی کسی اور کی طرف نسبت دیتا ہے وہ مشرک ہے' لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت امام کی اس حدیث کو مانتے ہیں اس کو خود بھی بیان کرتے ہیں' مگر وہ امام کی اس حدیث کا مطلب اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کرتے ہیں۔ اور اس طرح کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ خلق نہیں کر سکتے' یا وہ رزق نہیں دے سکتے' یا وہ دوسرے

تکوینی امور انجام نہیں دیتے' اور شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو ابلیس کی طرح دھوکہ دینے کے لئے کبھی کہتے ہیں' کہ جب فرشتے یہ کام کرتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتے' کبھی کہتے ہیں کہ خدا کے کام بغیر سبب کے نہیں ہوتے' اور یہ سبب اعظم ہیں۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ امام کی اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ وہ بالاستقلال نہیں بلکہ اذن خدا سے کرتے ہیں۔ حالانکہ امور دین کی تفویض کے مقابلہ میں' خلق و رزق کی تفویض کی نفی کا مطلب یہ ہے' کہ ہمیں غیر استقلالی طور پر اور وسائط و آلات کے طور پر بھی یہ کام سپرد نہیں ہوئے ہیں' اور یہ وہ وسوسہ ہے جو شیخیہ احقاقیہ کویت ابلیس کی طرح شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے دلوں میں ڈالتے ہیں' جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے کہ

"فوسوس لهما الشيطان ليبدى لهما ما اورى عنهما من سواتهما" (الاعراف : 20) پس شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی ستر کی چیزیں' جو ان کی نظروں سے پوشیدہ تھیں' ان پر ظاہر کر دے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

"فازلهما الشيطن عنهما فاخرجهما مما كان فيه" (البقرہ: 36)

پس شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگا دیا۔ اور جس حالت میں وہ تھے' اس سے انہیں دونوں کو باہر کر دیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ وہی خدا کا عبادات گزار تھا جو فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا اور "عزازیل" کے نام سے معروف تھا' جب یہ خلافت کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تو خدا نے اسے ابلیس کا نام دیا' اور جب اس نے بہکانے کا کام شروع کیا تو خدا نے اسے شیطان کہا' شیطان اس کا نام نہیں ہے بلکہ جو بھی بہکانے کا کام کرے وہ شیطان ہے چاہے وہ جن ہو یا انسان۔

بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ آدم اپنے اس فعل پر نادم ہوئے' اور اپنے پروردگار سے توبہ و مغفرت کے لئے کچھ کلمات سیکھے' ارشاد خداوندی ہے۔

"فتلقٰى آدم من ربه كلمات فتاب عليه انه هو التواب الرحيم۔ قلنا اهبطو منها جميعا فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔"

(البقرہ: 37-38)

پس آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (جن سے) خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ہم نے ان سب کو حکم دیا، کہ تم سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ۔ اب تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچا کرے گی، تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا۔ تو ان کے لئے نہ آئندہ کا کوئی خوف ہو گا۔ اور نہ ہی انہیں کوئی حزن و ملال ہو گا۔

ان آیات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ آدم نے شیطان کے ڈگمگانے کے بعد اس درخت کا پھل کھانے، اور جو کچھ اس کے کھانے کا نتیجہ ہونا تھا وہ ظاہر ہونے کے بعد خدا سے وہ کلمات سیکھے، جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی، آدم کی طینت آدم کے وجود، آدم کی ذات اور آدم کی نہاد میں تمام علوم و دانش کو خمیر کی طرح گوندھا نہیں گیا تھا۔ بلکہ جس وقت جس ہدایت کی ضرورت پڑی، وہ خدا کی طرف سے ان کو مل گئی، لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کہتے ہیں کہ :۔

"بہ طوری کہ برتری و فضیلت جناب آدم را بر فرشتگان بہ وسیلہ علمی کہ در نہا دا و قرا ر دا دہ بود اثبات فرمود۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 266)

(یعنی تمام انبیاء و رسل کو تمام مخلوق پر اسی طرح سے برتری و فضیلت حاصل ہے) جس طرح سے کہ آدم کی فرشتوں پر برتری و فضیلت کو، اس علم کے ذریعہ جو ان کی نہاد میں ذاتی طور پر قرار دے کر ثابت فرمایا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

"و عصیٰ آدم ربہ فغویٰ۔ ثم اجتبہ ربہ فتاب علیہ و ھدیٰ قال اھبطا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقیٰ"

(طٰہ: 121 تا 123)

اور آدم نے اپنے رب کے کہنے پر عمل نہ کیا تو مشقت میں جا پڑے۔ اس کے بعد ان کے پروردگار نے ان کو مجتبےٰ بنایا اور ان کی توبہ قبول کی اور انہیں ہدایت دی اور

ان سے کہا کہ تم دونوں اکٹھے یہاں سے چلے جاؤ تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے اب میرے پاس سے تمہیں ہدایت پہنچا کرے گی (تو تم اس کی پیروی کرنا) کیونکہ جو بھی میری ہدایت پر چلے گا تو وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ ہی معیبت میں پھنسے گا۔

اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آدم (ع) کو شیطان کے ورغلانے' درخت کے پھل کھانے' اپنی کوتاہی کا احساس کرنے اور خدا کے حضور میں توبہ کرنے کے بعد مجتبیٰ بنایا گیا۔ اور یہ تمام واقعہ اس وقت ہوا جب وہ مجتبیٰ نہ تھے۔ اس سے پہلے وہ مطفےٰ تھے۔ اور آیہ مجیدہ "ان اللہ اصطفے آدم.." کے مطابق درجہ اصطفے پر فائز تھے۔ یعنی خدا کی طرف سے براہ راست ہدایت حاصل کرنے صلاحیت رکھتے تھے۔ لیکن ابھی اجتبےٰ کی منزل پر فائز نہ تھے یعنی ہمہ وقت خدا کی ہدایت کے زیر نظر نہ تھے۔ اب توبہ کرنے کے بعد "ثم اجتبٰہ ربہ" کے مطابق اجتبےٰ ہوا اور اس وقت جس ہدایت کی ضرورت تھی وہ توبہ کے کلمات کی تعلیم کے طور پر دی گئی اور آئندہ کے لئے بنا دیا کہ "فاما یاتینکم منی ھدی.." اب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آیا کرے گی۔

اس آیت نے واضح طور پر یہ بتلایا ہے کہ اب آئندہ بھی حسب ضرورت ہدایت پہنچا کرے گی خدا نے آدم کی طینت میں آدم کی نہاد میں آدم کی ذات میں اور آدم کے جود میں علم کو خمیر کی طرح نہیں گوندھا تھا۔ اور جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے یا نک میں نمکینی ہوتی ہے اس طرح سے علم کو ازل سے ان کی ذات کا جزو نہیں بنایا تھا۔

یہی حال ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل کا ہے کہ ان کو بھی حسب ضرورت تنے علم کی ضرورت ہوتی تھی وہ بر موقع ان کو عطا کر دیتا تھا۔ اب غیب کا جو علم ان کو نا مقصود ہوتا تھا وہ بتلا دیتا تھا۔ کسی بھی نبی یا رسول میں علم کو یا غیب کی باتوں کو گوندھ ر ان کی ذات اور ان کی نہاد کا اس طرح سے جزو نہیں بنایا تھا جس طرح سے روغن ں چکنائی ہوتی ہے' یا نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔ لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت' بعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو ورغلا کر اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈال کر' انہیں م کا ایندھن بنانے پر تلے ہوئے ہیں' ان کی یہ بات فرمان امام کے بھی خلاف ہے' اور ں خدا "رب زدنی علما" کے بھی خلاف ہے۔ اور تفویض استقلالی سے زیادہ قریب

ہے۔

شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو ورغلانے کے لئے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کے لئے بالکل وہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں جو ابلیس نے آدم کے لئے اختیار کیا تھا۔

خدا نے آدم کو درخت کے پاس جانے سے منع کیا تھا۔ ابلیس نے بھی آدم کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے لئے اس درخت کے قریب جانے سے منع کرنے کا حوالہ دیا۔ خدا نے کہا تھا کہ اس درخت کے قریب جانے سے تم نقصان اٹھاؤ گے۔ ابلیس نے کہا تمہیں اس درخت کے پھل کھانے سے اس لئے منع کیا تھا کہ تم اس درخت کے پھل کھا کر فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی جنت میں رہنے لگو گے۔ یہی کام شیخیہ احقاقیہ کویت کرتے ہیں قرآن کی آیت ہو یا امام کا فرمان' اور چاہے اس میں کتنی ہی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہو کہ انہیں خالق و رازق نہ کہو' مگر وہ اپنے مطلب پر چپکانے' اور اسے اپنی تفویض کے عقیدہ پر منطبق کرنے کے لئے طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتے ہیں اور طرح طرح کے مغالطے ڈالتے ہیں۔ سابقہ تمام آیات کے علاوہ ہم ایک آیت نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ خدا نے کس مطلب کے لئے اس آیت کو نازل کیا تھا' اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اس کو کس مطلب میں لیتے ہیں۔

شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا قرآنی آیت کا مطلب بدلنے کا ایک نمونہ

خداوند تعالیٰ سورۂ رحمٰن میں پہلے تمام جن و انس سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"سنفرغ لکم ایہا لثقلان" (الرحمٰن:31)

اے دونوں گروہوں ہم عنقریب تمہارے حساب کے لئے فارغ ہو جائیں گے' اس کے بعد ان دونوں گروہوں کو چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون

الا بسلطان (الرحمٰن:33)

یعنی اے گروہ جن و انس اگر تم میں اتنی طاقت ہے کہ تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے بچ کر نکل بھاگو۔ تو جاؤ نکل بھاگو۔ حالانکہ تم بغیر غلبہ پائے نکل کر نہ بھاگ سکو گے۔

اس کے بعد خدا فرماتا ہے۔

"یرسل علیکم شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران" (الرحمٰن:35)

تم پر آگ کی لپیٹ اور پگھلا ہوا تانبا بھیجا جائے گا پس تم دونوں نہ تو ایک دوسرے کی نصرت کر سکو گے اور نہ ہی اس عذاب کو ایک دوسرے سے روک سکو گے۔

یہ تینوں آیتیں ہم نے سیاق و سباق کلام اور قرینہ قریبہ سمجھنے کے لئے نقل کی ہیں پہلی آیت میں خدا جن و انس کے دونوں گروہوں کا حساب لینے کی بات کرتا ہے۔ پھر حساب لینے کے بعد جن پر عذاب ہونا متوقع ہے۔ ان کو چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے گروہ جن و انس تم میرے عذاب سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔ اور اگر تم میں اتنی طاقت ہے کہ تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے اپنے آپ کو میرے عذاب سے بچا کر نکال سکتے ہو۔ تو جاؤ خدا کے عذاب سے بچ کر نکل بھاگو۔ حالانکہ تم (مجھ پر) غلبہ پائے بغیر نکل نہ سکو گے۔ اس کے بعد اس عذاب کا ذکر کرتا ہے کہ تم دونوں یعنی گروہ جن و انس میں سے جو عذاب کے مستحق ہیں ان پر آگ کی لپیٹ اور پگھلا ہوا تانبا بھیجا جائے گا۔ پس تم دونوں نہ تو ایک دوسرے کی نصرت کر سکو گے اور نہ ہی اس عذاب کو ایک دوسرے سے روک سکو گے۔

مگر شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اس آیت کا مطلب جس طرح سے کرتے ہیں وہ مرزا عبدالرسول احقاقی کی کتاب ولایت از دیدگاہ قرآن سے ملاحظہ ہو۔

"واما برای سائر بشر نیز خدای متعال راہ تحصیل علم و کسب کمال را مسدود نہ کردہ بلکہ حکمت بالغہ اش اقتضا نمودہ کہ انسان در اثر تقوی و کوشش قوای مکنونہ در نہاد خود را از قوہ بہ فعل آرد و ہر چہ بیشتر در اقطار سموت و ارض نفوذ علمی نماید و انچہ را کہ نمی داند بداند۔ خدای متعال می فرماید: یا معشر الجن و الانس ان استطعتم ان تنفذوا

من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان" (الرحمن: 33) یعنی اے گروہ جن وانس اگر مایلید بدانید کہ در آسمانہا و زمین چہ ہست پس بدانید (یعنی امکان و اجازہ فہم و ادراک اسرار آفرینش در آسمانہا و زمین برائے شما دادہ شدہ است ولی سرسری و بدون تحمل زحمت بہ این آرزو نخواہید رسید و مظاہر) را بدون نیروی علم و سلطان دانش درک نخواہید کرد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 322)

ترجمہ: اور تمام نوع بشر کے لئے بھی خدای تعالٰی نے تحصیل علم اور کسب کمال کو مسدود نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کی حکمت بالغہ نے یہ تقاضا کیا ہے کہ انسان تقویٰ اور کوشش کے نتیجہ میں، اپنی ذات اور اپنی نہاد میں پوشیدہ قوتوں کو رو بہ عمل لائے۔ اور جتنا چاہے آسمانوں اور زمین کے اقطار میں نفوذ علمی کرے۔ اور جو وہ نہیں جانتا اسے جان لے۔ خداوند تعالٰی فرماتا ہے اے گروہ جن و انس اگر تم اس بات کی طرف مائل ہو کہ تم یہ جانو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے تو اسے جان لو (یعنی آسمانوں اور زمین میں خلقت کے اسرار کے فہم و ادراک کا امکان ہے اور اس کے حاصل کرنے کی تمہیں اجازت دے دی گئی ہے لیکن سرسری طور پر اور زحمت اٹھائے بغیر تمہاری یہ آرزو پوری نہ ہو گی اور مظاہر) کو علم کی طاقت اور دانش کی سلطان کے بغیر حاصل نہ کر پاؤ گے۔

ارباب دانش خود یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس آیت کا معنی وہ صحیح ہے، جو سیاق و سباق کلام کے مطابق بنتا ہے، یا یہ صحیح ہے، جو رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت نے کیا ہے۔

اب ہم اس موضوع کو یہیں پر چھوڑتے ہیں تاکہ ہم موضوع سے باہر نہ ہو جائیں کیونکہ ہمارا موضوع یہ ہے کہ ولی یا ولایت کے تینوں معنوں میں سے کون سا معنی صحیح ہے اور ہم کون سی ولایت کے مسئول ہیں۔

کون سی ولایت واجب ہے جس کے بارے میں پوچھا جائے گا

قارئین محترم ہم سابقہ اوراق میں بیان کر آئے ہیں کہ لفظ ولی اور ولایت کثیر المعنی لفظ ہے لیکن ہماری بحث تین معانی میں ہے ایک ولی و ولایت بمعنی دوست اور دوستی۔ دوسرے ولی و ولایت بدلیل "ولیکم من بعدی" بمعنی حاکم و فرمانروا اور تیسرے ولی و ولایت تکوینی جو فرع ربوبیت ہے یعنی خلق و رزق و احیاء و اماتت، عمریں تقسیم کرنے اور کائنات کے امور کی تدبیر کرنے والے جسے شیخیہ احقاقیہ کویت ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الیہہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی خدا کے پاس جو کچھ من باب اقتدار ہے وہ سب ان کو دیدیا ہے۔ اور خدا کے پاس اور کوئی چیز باقی نہیں ہے، سوائے اپنے نام کے۔ اور باقی نہیں ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔ اس کے پاس بھی ہے مگر وہ خود کچھ نہیں کرتا اس نے کرنے کرانے کا اختیار معصومین علیہم السلام کو سپرد کر دیا ہے۔ جسے اصطلاح میں تفویض کہتے ہیں۔ پس اب جو کچھ کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ خدا کچھ نہیں کرتا کیونکہ ان کا کرنا ہی خدا کا کرنا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی ولایت ہے وہ جس کے بارے میں انسان سے سوال کیا جائے گا۔

سب سے پہلے ہم ولی و ولایت بمعنی محبت و دوستی کو لیتے ہیں۔ یعنی کیا انسانوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ بتلاؤ تم یہ بات مانتے تھے یا نہیں کہ علی اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ اللہ کا ولی ہے۔ تو یقینی طور پر کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اس بات کا انکار کرتا ہو۔ سب مسلمان نہ صرف علی کو ولی اللہ مانتے ہیں بلکہ ہر مومن و متقی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ولی اللہ سمجھتے ہیں، کیونکہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وھم یتقون۔" (یونس: 63)

آگاہ ہو جاؤ جو اللہ کے ولی ہیں، اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہو گا اور وہ اللہ کے ولی وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار

کرتے ہیں۔ پس خدا خود یہ اعلان کر رہا ہے کہ ہر مومن و متقی ولی اللہ ہے تو پھر امیر المومنین اور امام المتقین کے ولی اللہ ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہر مومن و متقی خدا کے نزدیک ولی اللہ ہے تو علی (ع) کے بارے میں خدا کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے' اور یہ بات اہل ایمان سے پوچھنے کی ہے بھی نہیں کہ بتلاؤ علی اللہ کو دوست رکھتا تھا یا نہیں پس جب یہ بات مومنین سے پوچھنے کی نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ خدا نے اس ولایت کا اہل ایمان کو مکلف نہیں بنایا۔ بلکہ وہ ولایت وہ ہے جو خود اہل ایمان سے متعلق ہے۔ اور پیغمبر نے اس ولایت کا اہل ایمان سے مطالبہ کیا ہے اور خدا نے خود پیغمبر سے کہہ کر یہ مطالبہ کرایا ہے اور وہ مطالبہ یہ ہے۔

"قل لا رسلکم علیہا اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"

یعنی اے پیغمبر تم اہل ایمان سے یہ کہہ دو' کہ میں اجر رسالت کے طور پر تم سے کچھ نہیں مانگتا' سوائے اس کے کہ تم میرے قربیٰ سے محبت و مودت رکھو۔

اعلان غدیر کے بعد بھی پیغمبر نے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی کہ "اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ"

یعنی اے اللہ دوست رکھ تو اس کو جو دوست رکھے علی کو اور دشمن جان تو اس کو جو دشمن جانے علی کو۔

پس قرآن کریم کی مذکورہ آیت اور پیغمبر کی اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ ہر مسلمان مکلف ہے اس بات کا کہ علی اور ان کی پاک اولاد سے محبت رکھے کہ یہ اجر رسالت ہے' اور خود ان کا ولی اور دوست بنے۔ پس مسلمانوں سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گی کہ بتلاؤ علی خدا کو دوست رکھتا تھا یا نہیں۔ علی خدا کا ولی تھا یا نہیں' بلکہ اہل ایمان سے جس ولایت و محبت و مودت کا سوال ہو گا۔ وہ وہی ہے جس کا وہ مکلف ہے۔ یعنی تم خود علی اور ان کی پاک اولاد کو دوست رکھتے تھے یا نہیں۔ ان سے محبت کرتے تھے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر تم ان کے ولی تھے یا نہیں۔ پس روایات میں جہاں بھی یہ آیا ہے کہ کوئی شخص ہماری ولایت یعنی دوستی کے بغیر نجات نہیں پائے گا' اس سے یہی ولایت مراد ہے۔ یعنی تم خود علی کے ولی یعنی دوست بنو۔ تم خود علی سے محبت کرو۔ علی کی محبت

اور ولایت کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے لیکن یہ ولایت "انما ولیکم اللہ..." والی ولایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اجر رسالت والی، مودت و محبت والی ولایت ہے، اور "اللھم و آل من والاہ" والی ولایت ہے۔

اب ہم ولی کے دوسرے معنی میں غور کرتے ہیں جو "انما ولیکم اللہ.." میں مذکورہ ہوا ہے، اور جو حدیث پیغمبر "ھو ولیکم من بعدی" یعنی وہ میرے بعد تمہارا ولی ہے، اور "ھو ولی کل مومن من بعدی" وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے، میں بیان ہوا ہے۔

یہ ولی بمعنی حاکم و فرمانروا کے ہے۔ یعنی علی پیغمبر کے بعد تمہارا ولی ہے تمہارا حاکم ہے، تمہارا مولا ہے، تمہارا آقا ہے، تمہارا فرمانروا ہے، "و لیکم" کہا ہے "ولی اللہ" نہیں کہا ہے۔ پس اس آیت اور پیغمبر کی مذکورہ احادیث کی رو سے ہر مومن مسلمان مکلف ہے، اس بات کا کہ علی کو، اور ان کی پاک اولاد کو، پیغمبر کے بعد اپنا ولی مانے، اپنا حاکم مانے، اپنا مولا مانے، اپنا فرمانروا مانے۔ پس دوسری ولایت جس کے بارے میں سوال ہو گا وہ یہی ولایت ہے کہ تم نے علی (ع) کو اور ان کی پاک اولاد کو پیغمبر کے بعد ولی مانا تھا یا نہیں، اپنا حاکم و فرمانروا مانا تھا یا نہیں، اور اپنا امام و ہادی و پیشوا مانا تھا یا نہیں، اور تم نے ان کی اطاعت و پیروی کی تھی یا نہیں۔

جہاں تک تیسری ولایت کا تعلق ہے۔ جس کے شیخیہ احقاقیہ کویت شیخ احمد احسائی کی پیروی میں مدعی میں وہ ولایت تکوینی ہے جسے وہ ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کہتے ہیں جو "علیٰ ما سویٰ اللہ بلا استثناء شئی" ہے "من مبدء الوجود الیٰ آخر مراتب الشھود" ہے اور "علی حد ربوبیتہ" ہے ازل سے ابد تک ہے اور "من الدرة الی الذرة" ہے۔ اور جسے وہ خدا کی ساری قدرت کا حامل، اور خلق کرنے۔ رزق دینے، مارنے، جلانے، اور کائنات کے سارے امور کی تدبیر کرنے والا، اور ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا قرار دیتے ہیں، تو اس قسم کی ولایت پر ایمان لانے کا خدا نے کسی بھی انسان کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ بلکہ جو خدا کے سوا کسی اور کو خالق کہے کسی اور کو رازق کہے کسی اور کو محی و ممیت کہے اسے خدا نے بھی مشرک کہا ہے۔ اور آئمہ طاہرین نے بھی مشرک کہا ہے۔ لہٰذا ان امور کو خدا کی طرف منسوب

کرنا ہی صحیح ہے۔ اور ان امور کے لئے اسباب میں سے کسی بھی سبب پر خصوصی طور سے ایمان لانے کے لئے، کسی بھی انسان کو مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔ چاہے کوئی چھوٹا سبب ہو یا سبب اعظم ہو۔

لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو اسی طرح سے فریب دیتے ہیں جس طرح سے شیطان نے آدم کو فریب دیا تھا۔

کیونکہ خدا نے تو آدم (ع) سے یہ کہا تھا کہ اگر تم اس درخت کے پاس گئے تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔ لیکن ابلیس نے اس منع کرنے کا مطلب ہی بدل دیا اور یہ کہا کہ خدا نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ اگر تم نے اس درخت کے پھل کھا لئے تو تم دونوں کے دونوں فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ ہمیشہ یہیں جنت میں رہنے لگو گے۔ یہی طریقہ کار شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا ہے۔ کیونکہ خدا نے تو قرآن میں ہر جگہ یہ عقیدہ اختیار کرنے کی تاکید کی اس کے سوا اور کوئی خالق و رازق و محی و ممیت و مدبر کائنات نہیں ہے۔ اور آئمہ طاہرین نے بھی بالفاظ واضح یہ کہا کہ ہمیں خلق و رزق اور کائنات کے دوسرے امور کی تدبیر کا کام سپرد نہیں کیا گیا۔ لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو ابلیس کے طریقہ پر بہکاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ نہیں جی نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کو ان امور کی تفویض نہ ہو۔ جب کہ فرشتوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ یہ کام کرتے ہیں۔ یہ تو بالاستقلال تفویض کے بارے میں کہا گیا ہے اور ہم غیر استقلالی تفویض کے قائل ہیں۔ اور مفوضہ چونکہ بالاستقلال تفویض کے قائل تھے لہٰذا اس وجہ سے آئمہ اطہار نے انہیں مشرک کہا ہے۔ حالانکہ وہ روایات جنہیں وہ ثبوت میں پیش کرتے ہیں وہ مفوضہ ہی کی گھڑی ہوئی ہیں اور ان میں باذن اللہ کا لفظ موجود ہے۔ اور یہ بات مسلمہ ہے کہ مفوضہ یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ طاقت انہیں خدا نے نہیں دی تھی۔ پس مفوضہ کو بھی مشرک اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ خدا نے انہیں خلق و رزق اور تمام کائنات کے امور کی تدبیر کرنے کا کام سپرد کر دیا ہے۔ اور وہ بالکل اسی طرح سے تفویض کے قائل تھے جس طرح شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت آج تفویض کے قائل ہیں، اور شیعوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اس طرح سے تفویض کا قائل ہونا صحیح ہے۔ بلکہ فی

الحقیقت قدیمی مفوضہ یہی ہیں اور انہوں نے تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے عقیدہ تفویض کو فلسفہ یونان کے ذریعہ مدلل کر کے پیش کیا ہے۔ اور اس موضوع کو ہم نے اپنی کتاب "الشیخیۃ الاحقاقیۃ هم المفوضۃ المشرکون" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

دوسری بات جو انہوں نے ابلیس کی اپنائی ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے تو آدم کو یہ کہا تھا کہ یہ ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے، مگر ابلیس نے آدم سے یہ کہا تھا، کہ میں یقینی طور پر تمہارا خیرخواہ ہوں، اس طرح شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو فریب دیتے ہیں۔ کیونکہ خدا اور آئمہ طاہرین نے تو یہ کہا تھا کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔ لیکن شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فضائل ہیں۔ اور جو اس طرح نہیں مانتا وہ مقصر ہے۔ اس طرح وہ شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کو، تقصیر سے ڈرا کر شرک میں مبتلا کرتے ہیں، اور انہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جانے کے لئے تیار کرتے ہیں۔

بہرحال اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ وہ ولایت جس کے بارے میں مومنین سے سوال ہو گا۔ اور جس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔ یا بالفاظ دیگر وہ ولایت جسکے اہل ایمان مکلف ہیں وہ پہلی دو طرح کی ولایت ہے۔ ایک اجر رسالت کے طور پر مومنین کا حضرت علی اور ان کی پاک اولاد سے محبت و مودت رکھنا اور دوسری آیہ مجیدہ "انما ولیکم اللہ..." والی ولایت یعنی پیغمبر کے بعد مومنین کا علی (ع) کو والی و حاکم و فرمانروا ماننا۔ اور پیغمبر کے بعد علی (ع) اور ان کی پاک اولاد کی اطاعت و پیروی کرنا۔ پس مومنین سے ایک تو یہ پوچھا جائے گا کہ تم علی اور ان کی پاک اولاد سے دوستی رکھتے تھے یا نہیں اور دوسرے یہ پوچھا جائے گا کہ پیغمبر کے بعد تم نے علی (ع) کو اور ان کی پاک اولاد کو اپنا امام، اپنا رہبر، اپنا رہنما، اپنا پیشوا، اپنا والی و حاکم اور اپنا فرمانروا مانا تھا یا نہیں، اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اطاعت کے لئے سر تسلیم خم کیا تھا یا نہیں، ان دونوں معنی کے علاوہ اہل ایمان اور کسی ولایت کے لئے مکلف نہیں ہیں، اور نہ ہی ان سے کسی اور ولایت کے لئے بازپرس کا کہیں ذکر ہے۔

معجزہ اور شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی میں فرق

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں بسم اللہ کی "ب" سے لے کر والناس کے "س" تک نہ تو خدا نے کہیں معجزہ کا لفظ استعمال کیا ہے' اور نہ ہی ولایت تکوینی کا لفظ قرآن میں نازل کیا ہے۔

بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ان کو اپنے پاس سے کوئی نہ کوئی نشانی ضرورت دے کر بھیجا۔ اور وہ ایک طرح سے خدا کی طرف سے اس پیغمبر کے لئے سند سفارت ہوتی تھی۔ تاکہ لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ واقعاً نبوت کا یہ مدعی خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اور وہ نشانی ایسی ہوتی تھی۔ جو کسی بھی انسان سے ممکن الوقوع نہ ہو' اور تمام نوع انسانی اس کا مثل لانے سے قاصر ہو۔ اور اس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہ کرسکتا ہو۔ اسی لئے وہ فعل خدا کے فعل سمجھا جاتا تھا۔ اور ان تمام نشانیوں کو تمام علمائے اسلام خواہ شیعہ ہوں یا سنی' اس کام سے عاجز ہونے کی بنا پر' اصطلاح میں معجزہ کہا کرتے تھے' اور وہ معجزہ انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ' یا ان کا نوعی فعل نہیں ہوتا تھا' بلکہ خدا کی طرف سے اس کی نبوت کے ثبوت میں ایک سند اور نشانی ہوا کرتا تھا۔ اور شیعہ علمائے متقدین سے لے کر متاخرین میں علامہ مجلسی تک کسی نے بھی ان نشانیوں کے لئے ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کی اصطلاح استعمال نہیں کی۔

حجتہ الاسلام آیت اللہ آقائے ناصر مکارم شیرازی اپنی تفسیر نمونہ جلد 2 سورہ آل عمران کی آیت نمبر 49: "ورسولا الٰی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایتہ من ربکم" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جو افراد خدا کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور ہوتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مرحلہ میں علم و دانش کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دیں۔ اور زندہ اور انسان ساز آئین و قوانین پیش کریں۔ پھر دوسرے مرحلہ میں خدا سے اپنے ارتباط کے لئے واضح اسناد دکھائیں۔ اور یوں خدا کی طرف سے اپنے منصوب ہونے کا ثبوت پیش

کریں۔

اس مقصد کے لئے ہر پیغمبر اپنے زمانے کے ترقی یافتہ علوم کی قسم کے معجزے سے لیس ہوتا تھا' جہاں ماوراء طبیعت سے ان کا ارتباط زیادہ واضح ہو جائے۔ وہاں ہر زمانے کے علماء ان کے مقابلہ میں اپنے عجز کی وجہ سے ان کی دعوت کی حقانیت کا اعتراف کریں۔

یہ بات ایک حدیث میں امام علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ ان سے سوال کیا گیا تھا۔ ہر پیغمبر کے پاس کچھ نہ کچھ معجزات کیوں ہوتے تھے۔ اس سوال کے جواب میں آپ نے وضاحت فرمائی۔ جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

حضرت موسیٰ کے زمانے میں جادوگر بہت زیادہ تھے۔ حضرت موسیٰ نے ایسا عمل انجام دیا جس کے مقابلہ میں تمام جادوگر عاجز آ گئے۔ حضرت مسیح کے زمانے اور دعوت کے موقع پر' اطباء بیماروں کے علاج معالجے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ جناب عیسیٰ نے لاعلاج بیماروں کو مادی وسائل کے بغیر شفا دے کر اپنی حقانیت کو ثابت کر دیا' پیغمبر اسلام کے زمانے میں خطباء و شعرا اور سخنور بہت زیادہ فصاحت و بلاغت کے مالک تھے اور ان سب نے قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

(ترجمہ تفسیر نمونہ جلد 2 صفحہ :31-33)

آقای ناصر مکارم شیرازی کی اس تفسیر سے اور امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اس حدیث پاک سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ معجزہ کو معجزہ کیوں کہتے تھے؟ پیغمبروں کو معجزہ کیوں دیا جاتا تھا؟ اور ہر پیغمبر کو کس قسم کا معجزہ دیا جاتا تھا؟ یہ بیان تھا حجتہ الاسلام آیت اللہ آقای ناصر مکارم شیرازی کا اب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا بیان سنئے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ مذہب شیعہ کے بزرگ ترین علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اعتقادات کے موضوع پر ایک کتاب نکت اعتقادیہ لکھی ہے جو "ان قلت" و "قلت" کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ اس کی شرح علامہ ھبۃ الدین نے کی ہے اور اس کا ترجمہ بزبان فارسی علامہ غلام حسین تبریزی نے کیا ہے۔

اس ترجمہ میں "ان قلت" و "قلت" کی بجائے سوال و جواب کی طرز پر ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا سوال نمبر 83 اور اس کا جواب ہم اردو زبان میں ترجمہ کر کے ذیل میں

نقل کرتے ہیں۔

س -83: ہمارے پاس اس بات کے لئے کیا دلیل ہے کہ جو شخص دعوے پیغمبری کرے اور اس سے معجزات کا ظہور ہو وہ پیغمبر ہے۔

ج - یہ بات بدیہی ہے۔ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہم غافل لوگوں کی بیداری کے لئے اس کی دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ معجزہ خداوند تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اور یہ پیغمبر کی تصدیق کے لئے ہوتا ہے۔ اور جس کی خداوند تعالیٰ تصدیق کر دے۔ وہ اپنے دعوائے نبوت میں سچا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی جھوٹے نبی کی تصدیق کرے۔

(ا م) مزید وضاحت اس کی یہ ہے کہ معجزہ یا خداوند تعالیٰ کی نشانی اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو قوت بشری سے مافوق ہو۔ اور انسانی طاقت کی حدود سے باہر ہو۔ پس اگر کوئی شخص خداوند تعالیٰ کی طرف سے برگزیدگی اور اس کی نمائندگی کا دعویدار ہو تو لوگ یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ یہ کہیں کہ ہم نے اس قادر مطلق کو دیکھا نہیں ہے۔ اور ہم نے اس کو اس کے قدرت و جلال کے آثار سے پہچانا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ تعلیمات اور وہ احکام جو تم بیان کر رہے ہو' فکر بشر کے آثار سے ہیں' اور طبیعی طور پر' اپنی فکر و دانش کے ذریعہ تم نے ان تک رسائی حاصل کی ہے' یا دوسروں سے سیکھ کر حاصل کئے ہے۔ یا خداوند تعالیٰ نے اپنے فیض خاص سے تم کو یہ چیزیں عطا کی ہیں۔ اور تمہارا علم مافوق قدرت بشری ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ کے جلال کبریائی کے آثار میں سے ہے۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ کو اپنی حکمت و لطف خاص کے اقتضاء سے' اپنی قدرت کی کوئی نشانی تجھ کو عنایت کرنی چاہئے۔ تاکہ یہ بات سب پر واضح و روشن ہو جائے کہ تم جو علوم و معارف و احکام و قوانین لوگوں تک پہنچا رہے ہو' طبیعت بشری سے مافوق ہیں۔ اور فقط خدائی اور غیبی فیضان کی وجہ سے ہیں۔ ان بیانات سے بہت سے اہم نکتوں کا استفادہ ہوتا ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ معجزہ پیغمبر کی صفت (فعل) نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ خدا کا کام ہوتا ہے۔ جو وہ اپنے نمائندہ کے ہاتھ پر اس کے لئے ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ اس کی حقانیت اور سچا ہونا اہل عالم پر واضح و آشکارا ہو جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس مطلب کی طرف

اشارہ فرماتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کے قصہ میں فرماتا ہے کہ :-

موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گیا۔ موسیٰ ڈرے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اتنا ڈرے کہ پیٹھ پھیر کر بھی نہیں دیکھا' سورہ مبارکہ نحل میں ہے کہ "فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبراً ولم یعقب۔ یا موسیٰ اقبل و لا تخف"

اور یہ بات صاف طور پر واضح اور روشن ہے' کہ اگر موسیٰ نے خود اپنے عصا کو اژدھا بنایا ہوتا' تو کیوں ڈرتے؟ اور ڈر کر کیوں بھاگتے؟

مزید واضح عبارت کے طور پر خدا اس قصہ کو اس طریقہ سے ہم سے بیان فرما رہا ہے کہ تاکہ وہ ہمیں اچھی طرح سے سمجھا دے کہ عصا کو سانپ بنانا موسیٰ کا کام نہیں تھا۔ اور ہم نے اس کی طاقت اور قدرت اس کو نہیں دی تھی۔ کیونکہ اگر یہ کام خود انہوں نے ہی کیا ہوتا تو اس طرح سے کیوں ڈرتے؟ کہ پیٹھ پھیر کر بھی نہیں دیکھا۔

(نکت اعتقادیہ شیخ مفید علیہ الرحمہ جواب سوال نمبر83)

یہاں تک شیخ مفید کی نکت اعتقادیہ کا بیان ختم ہوا۔ اب حجتہ الاسلام آیت اللہ آقائے ناصر مکارم شیرازی کا بیان ملاحظ ہو۔

آقائے شیرازی اپنی معروف تفسیر نمونہ جلد پنجم سورہ الانعام کی آیت نمبر109 کی تفسیر میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

109: واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیومنن بھا قل انما الآیات عنداللہ۔ وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یومنون۔

(الانعام : 109)

ترجمہ : انہوں نے بہت ہی اصرار سے اللہ کی قسم کھائی کہ اگر کوئی نشانی (معجزہ) ان کے لئے آجائے تو وہ یقینی طور پر اس پر ایمان لے آئیں گے (اے رسول تم یہ) کہہ دو کہ معجزات خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں تمہاری خواہش پر معجزہ لے آؤں اور تم نہیں جانتے کہ وہ معجزات کے آجانے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔

(اردو ترجمہ تفسیر نمونہ جلد پنجم: 319)

شان نزول: مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ قریش کا ایک گروہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ تم موسیٰ اور عیسیٰ کے بڑے بڑے معجزات بیان کرتے ہو۔ اور اسی طرح دوسرے انبیاء کے بھی۔ تم بھی ہمیں کوئی ایسا ہی کام کر کے دکھاؤ۔ تاکہ ہم ایمان لائیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کون سا کام چاہتے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے انجام دوں۔ انہوں نے کہا کہ تم خدا سے درخواست کرو، کہ وہ کوہ صفا کو سونے میں تبدیل کر دے۔ اور ہمارے بعض پہلے کے مرے ہوئے مردے زندہ ہو جائیں۔ اور ہم ان سے تیری حقانیت کے بارے میں سوال کریں، اور ہمیں فرشتے بھی دکھا۔ جو تیرے بارے میں گواہی دیں۔ یا خدا اور فرشتوں کو اکٹھا اپنے ساتھ لے آ۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ان میں سے بعض کام انجام دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ایسا کریں گے (یعنی ایمان لے آئیں گے) مسلمانوں نے جب مشرکین کا اس سلسلہ میں اصرار دیکھا تو پیغمبر سے تقاضا کیا کہ آپ ایسا کریں شاید یہ ایمان لے آئیں۔ جونہی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دعا کرنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ ان میں سے بعض مطالبات کے لئے خدا سے دعا کریں (کیونکہ ان میں سے بعض تو نامعقول اور محال تھے) کہ امین وحی خدا نازل ہوئے اور یہ پیغام لائے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کی دعا قبول ہو جائے گی لیکن اس صورت میں (چونکہ ہر لحاظ سے اتمام حجت ہو جائے گا) اور یہ حسی طور پر ظاہر بظاہر کھل کر سامنے آ جائے گا۔ اگر پھر بھی ایمان نہ لائے تو سب کو سخت عذاب ہو گا۔ اور نیست و نابود ہو جائیں گے، لیکن اگر ان کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے۔ اور تم انہیں ان کی اپنی اسی حالت پر چھوڑ دو تو ممکن ہے کہ ان میں سے بعض آئندہ توبہ کر لیں اور راہ حق اختیار کر لیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے قبول کر لیا۔ اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

(اردو ترجمہ تفسیر نمونہ جلد پنجم 319-320)

تفسیر: گذشتہ آیات میں توحید کے بارے میں متعدد منطقی دلیلیں بیان ہوئی

ہیں، کہ جو خدا کی وحدانیت کے اثبات، اور شرک و بت پرستی کی نفی کے لئے کافی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ہٹ دھرم اور متعصب مشرکین کی ایک جماعت نے سر تسلیم خم نہ کیا۔ اور وہ بہانے تراشنے لگے۔ اور منجملہ ان کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عجیب و غریب خارق عادات کے لئے، کہ جن میں سے بعض تو بنیادی طور پر محال تھے، مطالبہ کرنے لگے۔ اور دروغ بیانی کے ساتھ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ قرآن پہلی آیت میں ان کی کیفیت اور وضع کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ انہوں نے انتہائی اصرار کے ساتھ یہ قسم کھائی کہ اگر ان کے لئے معجزہ آ جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے، "واقسموا باللہ جھدا یمانھم لئن جاءتھم آیۃ لیومنن بھا" قرآن ان کے جواب میں دو حقیقتوں کو بیان کرتا ہے، پہلی بات تو یہ ہے، کہ وہ پیغمبر کو حکم دیتا ہے، کہ تو ان سے یہ کہہ دے کہ یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے، کہ میں تمہارے ہر مطالبے اور ہر تقاضے کو پورا کر دوں، بلکہ معجزات تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتے ہیں، اور اسی کے فرمان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ "قل انما الآیات عند اللہ" آیت اللہ آقائے ناصر مکارم شیرازی کی اس تفسیر میں جو بات خاص طور پر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر نے خدا سے یہ معجزات دکھانے کے لئے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور پیغمبر کو دعا کرنے سے منع کر دیا۔

اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا قطعی غلط ہے، کہ ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ان بزرگواروں کی نہاد ان کے وجود، اور ان کی ذات میں، خمیر کر کے گوندھی ہوئی ہے، اور ان کی ذات کا اس طرح سے جزو ہے، جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے، اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے، بلکہ اس سے تو واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ نہ صرف ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ان کی نہاد میں ان کے وجود میں، خمیر کر کے گوندھی ہوئی اور ان کی ذات کا اس طرح سے جزو نہیں ہے جس طرح روغن میں چکنائی اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے، بلکہ دعا کرنے پر بھی خدا کے نزدیک اگر اس میں مصلحت اور حکمت نہ ہو، تو پیغمبر کو دعا کرنے سے بھی روک دیا جاتا ہے۔ اور ان سے یہ اعلان کرایا جاتا ہے، کہ تم یہ کہہ دو کہ معجزات کا دکھانا میرے

اختیار میں نہیں ہے بلکہ معجزات کا دکھانا تو اللہ ہی کا کام ہے۔

اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہے' کہ تیرہویں صدی ہجری تک تمام شیعہ علمائے متقدمین جو معجزے کو خدا کے فعل کہتے تھے' وہی صحیح تھا اور تیرہویں صدی ہجری کے بعد بلکہ چودھویں صدی ہجری کے آخر میں بعض شیعہ علماء کا شیخیہ احقاقیہ کویت کے زبردست پروپیگنڈے اور تبلیغات سے متاثر ہو کر یہ کہنا کہ "انبیاء کے بہت سے معجزات تو ایسے افعال ہیں' جو خود انہی کے ذریعہ انجام پاتے ہیں' اگرچہ وہ فرمان خدا کے تحت اور خدا کی طاقت کی مدد سے ہوتے ہیں۔ اس لئے حقیقت میں کہا جا سکتا ہے کہ معجزہ انبیاء کا فعل بھی ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ انجام پاتا ہے اور خدا کا کام بھی ہے کیونکہ پروردگار کی قدرت سے مدد طلب کرتے ہوئے اس کے اذن سے انجام پاتا ہے۔"

ہم یہ بات تو آئندہ چل کر ثابت کریں گے کہ انبیاء کے وہ معجزات جو خود انہی کے ذریعہ انجام پاتے ہیں' ان کی کیفیت کیا تھی۔ لیکن یہاں پر بھی مختصر طور پر ایک ایسے معجزہ کے بارے میں عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں' کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ ایسا نہیں ہے جس کی نسبت معجز نما کی طرف سے دی جا سکے' اور اسے انہی کا فعل کہا جا سکے۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے بے شمار معجزات کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی معجزہ ایسا نہیں ہے۔ جو آج ہمارے سامنے موجود ہو' سوائے قران کریم کے' اور بلاشک و شبہ حتما و یقیناً قرآن کریم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اور اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کی ہر آیت اور قرآن کریم کا ہر لفظ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی زبان سے پڑھ کر سنایا ہے' اور کم از کم یہ ایک ایسا فعل ہے کہ جسے یہ کہا جا سکے' کہ یہ پیغمبر اکرم نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص قرآن کریم کی کسی ایک بھی آیت کے کلام خدا ہونے سے انکار کرے گا' اور یہ عقیدہ رکھے گا' کہ یہ پیغمبر کا خود اپنا کلام ہے۔ تو وہ کافر ہو گیا۔ جب کہ کافر بھی اسے خود پیغمبر ہی کا اپنا کلام کہتے تھے۔ اسی لئے تمام علمائے متقدمین شیعہ علامہ مجلسی تک ہر معجزے کو فعل خدا کہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے علامہ مجلسی نے اپنی کتاب "سبیل النجات فی اصول الاعتقاد" میں اس طرح سے لکھا ہے کہ

"من اعتقد ان المعجزات والکرامات من فعل النبی والامام فلیس فی

کفرہ ریب ولا شک" (سبیل النجات: 41)

یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ معجزات و کرامات نبی و امام کا اپنا فعل ہے، اس شخص کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

تیرہویں صدی ہجری کے بعد اور اغلبا چودھویں صدی ہجری میں بعض شیعہ علماء نے، جہاں شیخیہ احقاقیہ کویت کے زبردست پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر، یہ نظریہ اپنا لیا کہ معجزہ پیغمبر کا فعل بھی ہے۔ وہاں معجزہ کی اصطلاح کو چھوڑ کر ولایت تکوینی کی اصطلاح کو بھی اپنا لیا۔ اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے، کہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت فریب دینے اور دھوکہ دینے میں، ابلیس سے بھی بڑھ کر ہیں، کیونکہ انہوں نے دکھاوے کے طور پر یہ کہا ہے کہ ولایت معجزہ کا ہی دوسرا نام ہے، جیسا کہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے کچھ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور خاص طور پر حضرت موسیٰ کے معجزات کو بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں لکھا ہے کہ:۔

حال آنان اسمش را ہرچہ می خواہند بگزارند، معجزہ، کرامت خارق العادت یا ولایت، مناقشہ در الفاظ نداریم، منکر اصل موضوع و حقیقت مطلب نباشند۔

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 146)

یعنی اب وہ (یعنی علمائے شیعہ حقہ جعفریہ اثنا عشریہ) اس کا نام جو کچھ چاہیں رکھیں۔ معجزہ، کرامت، خارق العادت یا ولایت ہمارا الفاظ کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں، بس وہ اصل موضوع اور مطلب کی حقیقت کا انکار نہ کریں۔

مرزا عبدالرسول احقاقی رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کا اس بیان میں واضح فریب اور صریح دھوکہ یہ ہے، کہ ان کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ معجزہ، کرامت یا ولایت ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، اور وہ اسی چیز کو ولایت کہتے ہیں، جسے چودہ سو سال سے تمام مسلمان شیعہ و سنی معجزہ یا کرامت یا خارق العادت کہتے چلے آئے ہیں۔ اور دوسرا جھوٹ اور الزام علمائے شیعہ حقہ جعفریہ پر، پر فریب انداز میں یہ لگایا ہے جیسا کہ وہ معجزات یا کرامات انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے منکر ہیں حالانکہ ان کی ولایت تکوینی یا ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ نہ تو معجزہ کے ہم معنی ہے، اور نہ ہی ان کے

نزدیک معجزہ کی وہ تعریف ہے جو تمام اہل اسلام شیعہ و سنی کے نزدیک ہے۔ اور اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی کہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت جس چیز کو ولایت تکوینی، اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کہتے ہیں، وہ اور چیز ہے، اور تمام اہل اسلام شیعہ و سنی، جس چیز کو معجزہ کہتے ہیں، وہ اور چیز ہے۔ اور ہم اپنی اس کتاب میں شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی اور معجزہ کا فرق واضح طور پر دکھا کے رہیں گے۔ لیکن یہاں پر جو بات کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے اس فریب میں آ کر کہ معجزہ، کرامات، خارق العادت یا ولایت تکوینی ایک ہی چیز ہے۔ بعض شیعہ علماء نے بھی چودھویں صدی ہجری میں آ کر معجزہ کی بجائے ان کی ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے۔ اور اس سے مبلغین شیخیہ کو شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کے عوام کو گمراہ کرنے میں بڑی مدد ملی ہے، اگرچہ انکے نزدیک ولایت تکوینی سے مراد معجزہ ہی ہے۔ اور اس سے ان کی مراد شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی نہیں ہے۔ جیسا کہ حجتہ الاسلام آیت اللہ آقائے ناصر مکارم شیرازی کے بیان سے ظاہر ہے۔ وہ اپنی تفسیر نمونہ کی جلد دوم میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر 49: "انی قد جئتکم بآیہ من ربکم" کی تفسیر میں "ولایت تکوینی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"ولایت تکوینی سے بھی اس کے علاوہ کچھ مراد نہیں ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام ضرورت کے وقت اذن پروردگار سے عالم خلقت میں تصرفات کر سکتے ہیں۔ اور یہ چیز ولایت تشریعی۔ یعنی عوام پر حکومت۔ قوانین کی نشر و اشاعت اور براہ راست دعوت و ہدایت سے بالاتر ہے۔"

(اردو ترجمہ تفسیر نمونہ جلد دوم: 333)

اور اس مذکورہ آیت کی تفسیر میں ولایت تکوینی کے عنوان سے پہلا عنوان یہ ہے کہ کیا یہ معجزات باعث تعجب ہیں؟ گویا وہ بھی آج ولایت تکوینی اسی چیز کو کہتے ہیں جس چیز کو شیخ احمد احسائی سے بارہ تیرہ سو سال پہلے تک، تمام شیعہ علماء معجزہ کہا کرتے تھے۔ اور یہ بات ان کے عنوان "کیا یہ معجزات باعث تعجب ہیں؟" سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی ولایت تکوینی کا جو صرف معجزہ کی اصطلاح کا بدل ہو، شیعیان جہاں میں سے کوئی بھی منکر نہیں ہے، ہاں شیعیان جہاں، جس ولایت تکوینی، یا ولایت مطلقہ کلیہ

الٰہیہ کے منکر ہیں وہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کی وہ ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ ہے' جسے وہ اپنے عقیدہ تفویض کے بدل کے طور پر اصطلاح میں لائے ہیں۔

قارئین محترم! جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں' تو ہمیں معلوم ہوتا ہے' کہ قرآن کریم میں بسم اللہ کی (ب) سے لے کر والناس کے (س) تک کہیں بھی نہ تو لفظ "معجزہ" کہیں آیا ہے' اور نہ ہی "ولایت تکوینی" کا لفظ سالم قرآن میں کہیں ہے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو ان کی نبوت کی تصدیق کے لئے جو چیز عطا کی تھی' اس کو اکثر مقام پر کہیں آیت یا آیات سے تعبیر کیا ہے' جس کے معنی نشانی کے ہیں۔ اور اسی چیز کو کہیں "سلطان" کہا ہے۔ کہیں "بینہ" کہا ہے۔ اور کہیں "برہان" کہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

معجزہ کے لئے قرآن میں کیا کیا الفاظ آئے ہیں؟

نمبر1: حضرت موسیٰ کو خداوند تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم فرعون کے پاس جا کر کہنا:

"قد جئناک بایۃ من ربکم" (طہ: 47)

ہم دونوں تیرے رب کے پاس سے ایک نشانی یعنی معجزہ لے کر آئے ہیں۔

نمبر2: حضرت عیسیٰ جب بنی اسرائیل کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: "انی قد جئتکم بایۃ من ربکم" (آل عمران: 49)

میں تمہارے رب کے پاس سے ایک آیت یعنی معجزہ لے کر آیا ہوں۔

نمبر3: خدا نے تو یہ کہا تھا کہ اے موسیٰؑ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر یہ کہنا کہ ہم تیرے رب کے پاس سے ایک نشانی (آیت) لے کر آئے ہیں لیکن موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں جا کر یہ کہا کہ:۔

"قد جئتکم ببینۃ من ربکم" (الاعراف: 105)

میں تمہارے رب کے پاس سے تمہارے لئے ایک ثبوت لے کر آیا ہوں۔

نمبر4: جب خدا نے کوہ طور پر' عصا کا اژدھا بنانا' اور ید بیضا کا عملی نمونہ ظاہر کر کے دکھا دیا تو فرمایا۔

"فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائه" (القصص: 32)

اے موسیٰ یہ دونوں دلیلیں ہیں، فرعون اور اس کے سرداروں کو دکھانے کے لئے تیرے رب کی طرف سے۔

نمبر5: اور گذشتہ رسولوں کا مجموعی حیثیت میں ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

"قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہ، وما کان لنا ان تاتیکم بسلطان الا باذن اللہ و علی اللہ فلیتوکل المومنون" (ابراہیم: 11)

(پچھلی امتوں کو) ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم تو تم ہی جیسے بشر ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے، اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم خدا کے اذن کے بغیر کوئی سلطان (دلیل یا معجزہ) پیش کر سکیں۔

نمبر6: اور کلی طور پر ایک اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"وما کان لرسول ان یاتی بایتہ الا باذن اللہ" (الرد: 38)

یعنی کسی بھی رسول کا یہ ذاتی خاصہ اور اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر آیت (نشانی یا معجزہ) دکھا دے۔

نمبر7: پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں مطلوبہ معجزات نہ دکھانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

"وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون، وآتینا ثمود الناقتہ مبصرۃ فظلموا بھا وما نرسل بالآیات الا تخویفا" (بنی اسرائیل: 59)

اور ہم نے آیات (نشانیاں یا معجزات) ظاہر کرنے اس لئے روک دیئے، کیونکہ اگلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔ اور ہم نے قوم ثمود کو ایک صریح نشانی، اونٹنی دی تھی۔ مگر انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور آیات (نشانیاں) تو ہم ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں۔

نمبر8: اور کفار قریش کی طرف معجزہ دکھانے کے مطالبہ کے جواب میں خود پیغمبر اکرم (ص) سے کہلوایا۔

"وقالوا لولا انزل علیہ آیت من ربہ قل انما الآیات عنداللہ وانما انا نذیر مبین" (العنکبوت: 50)

اور ان کفار قریش نے مطالبہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی آیت کوئی نشانی کوئی معجزہ کیوں نہ اتارا گیا۔ اے میرے حبیب تم ان سے یہ کہہ دو کہ آیات یعنی نشانیاں یا معجزات تو خدا ہی کے پاس ہوتی ہیں (اور وہی بوقت ضرورت انہیں دکھاتا ہے) اور سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔

نمبر 9: اور سورہ الانعام میں کفار و مشرکین کے جواب میں پیغمبر کو یہ کہنے کی ہدایت کی کہ :-

"واقسموا باللہ جھدا یما نھم لئن جاء تھم آیتہ لیومنن بھا۔ قل انما الآیات عنداللہ" (الانعام: 109)

اور انہوں نے بہت ہی اصرار کے ساتھ اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر انہیں کوئی آیت (نشانی یا معجزہ) دکھایا جائے تو وہ یقینی طور پر ایمان لے آئیں گے۔ اے میرے حبیب تم ان کفار و مشرکین سے یہ کہہ دو کہ آیات (نشانیاں اور معجزات) تو خدا ہی کے پاس ہیں۔

ان تمام مذکورہ آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ معجزہ یا ولایت تکوینی، کسی بھی نبی و رسول یا امام کے وجود میں، خمیر بنا کر، نہیں گوندھا گیا تھا، اور نہ ہی کسی نبی و رسول و امام کا اس طرح سے جزو تھا، جیسا کہ روغن میں چکنائی ہوتی ہے، یا نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ چیز، جو ہر پیغمبر کو نمائندہ الہی ہونے کی حیثیت سے، اور خدا کا فرستادہ ہونے کے ثبوت میں دے کر بھیجی گئی۔ اسے خداوند تعالیٰ نے قران کریم میں یا آیت کہا ہے، یا بینہ کہا ہے، یا برہان کہا ہے، یا سلطان کہا ہے اور ہر نبی سے ان کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ ان کے دکھانے کا اختیار ہمیں نہیں ہے، بلکہ یہ سب اللہ ہی کے پاس ہیں اور وہی دکھا سکتا ہے۔ اور لغت میں ان الفاظ کے معنی اس طرح آئے ہیں۔

"**آیت**" نشانی کو کہتے ہیں اور آیات اس کی جمع ہے۔

"**برہان**" ثبوت اور سند کو کہتے ہیں۔

"بینہ" گواہ اور ثبوت کو کہتے ہیں۔
"سلطان" دلیل اور حجت اور غلبہ کو کہتے ہیں۔

اور تیرہ سو سال تک تمام شیعہ علماء اعلام۔ آیت کا' برہان کا بینہ' اور سلطان کا معنی و مطلب اصطلاح میں' معجزہ ہی لیتے رہے۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہوتا تھا اور تمام بنی نوع انسان کو عاجز کرنے والا ہوتا تھا۔ اور سورۂ رعد کی آیت نمبر 38 اور سورہ العکبوت کی آیت نمبر 50 کے ذریعہ واضح طور پر یہ بتا دیا کہ آیت و برہان و بینہ و سلطان کا پیش کرنا رسولوں کا ذاتی خاصہ اور ان کے اختیار کا کام نہیں ہے۔ اور "قل انما الایات عنداللہ" کہنے کے بعد "وانما انا نذیر مبین" کا اعلان کرا کے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام پیغمبروں کے اختیار کا کام نہیں ہے' اور "انما" کے حصر کے ذریعہ بتا دیا کہ یہ صرف خدا کے پاس ہے' اور صرف دوسرا کام ان کے ذمہ ہے۔ اور یہ صرف خدا ہی کا کام ہے کہ وہ انبیاء و رسل کو اپنا نمائندہ اور بھیجا ہوا' ثابت کرنے کے لئے' ثبوت میں جو چیز چاہے پیش کرے۔ لیکن قرآن کریم میں اس چیز کو' جسے خدا نے اپنے پیغمبروں کی نبوت و رسالت کے ثبوت میں پیش کیا' کہیں بھی ولایت تکوینی نہیں کہا۔ اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ تو رہی ایک طرف۔ کسی ایک بھی آیت' کسی ایک بھی بینہ' کسی ایک بھی برہان' اور کسی ایک بھی سلطان' کو اپنے پیغمبروں کا ذاتی خاصہ' ان کے اختیار کی چیز' اور موجودات کے تمام طبقات کے لئے ولایت تکوینی نہیں کہا۔ لیکن رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا عبدالرسول احقاقی انبیاء کے لئے' خدا کی طرف سے ظاہر کردہ انہیں آیات و بینات و برہان و سلطان کو' دلیل بنا کر اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں اس طرح سے لکھتے ہیں۔

"حال ضعفائے کہ منکر ایں مقامات برائے پیامبران و آئمہ اطہار نہ۔ بروند و داستنہائے شگفت انگیز انبیاء اولوالعزم را در قرآن کریم بخوانند۔ و ولایت تکوینیہ آناں را در انحاء موجودات مشاہدہ نمایند' و در برابر عظمتی کہ خدای ذوالجلال بہ آں بزرگواران کہ برگزیدگان عالم خلقت اند عنایت فرمودہ است' سر خجلت و شرمساری فرود آورند' و از گفتہ ہائے بے اساس و ضد قرآن خودشان استغفار نمایند'

ولا محالہ بدون توبہ از دنیا نروند کہ بہ عذاب الٰہی دچار خواہند شد"

(ولایت از دید گاہ قرآن: 144)

یعنی اب پیغمبروں اور آئمہ اطہار کے لئے، ان مقامات کے منکر، ضعیف العقیدہ لوگ جائیں، اور انبیاء اولوالعزم کے حیرت انگیز واقعات کو قرآن کریم میں مطالعہ کریں، اور ان کی ولایت تکوینی کا تمام موجودات کے تمام طبقات میں مشاہدہ کریں۔ اور اس عظمت کے سامنے، جو خدائے ذوالجلال نے عالم خلقت کی ان برگزیدہ ہستیوں کو عنایت فرمائی ہے۔ خجل اور شرمساری کے ساتھ سر جھکالیں اور اپنی بے بنیاد اور خلاف قرآن باتوں سے استغفار کریں اور ہر حال میں توبہ کئے بغیر دنیا سے نہ جائیں ورنہ وہ عذاب الٰہی سے دوچار ہوں گے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

آیا آناں در قرآن کریم داستان اعجاب انگیز جناب عیسٰی (ع) را نخواندہ اند؟ آیا خدای متعال قدرت احیاء بہ آں بزرگوار عنایت نفرمودہ بود؟ آیا جناب عیسٰی بیماراں لا علاج را شفا نمی داد؟ آیا کوراں مادر زاد را بینائی نمی بخشید؟ آیا مردگاں چندہزار سالہ را زندہ نمی کرد۔

آیا جناب موسٰی بہ امر الٰہی بہ وسیلہ نیروی کہ خدا بہ او عنایت فرمودہ بود چوب خشک را بارہا تبدیل بہ اژدھای دماں نکرد۔ آیا او آبہائے مصر را، بہ خون مبدل ننمود۔ آیا او بارہا در انحاء مخلتف موجودات، در نباتات در جمادات در دریا ھا وغیرہ نفوذ نکرد، و تصرف تکوینی ننمودو.....

(ولایت از دید گاہ قرآن 144-145)

کیا انہوں نے قرآن کریم میں حضرت عیسٰی کی حیرت انگیز داستان نہیں پڑھی ہے؟ کیا خداوند تعالٰی نے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت ان کو عنایت نہیں کی تھی؟ کیا حضرت عیسٰی لا علاج بیماروں کو شفا نہیں دیتے تھے؟ کیا مادر زاد اندھوں کو بینائی عطا نہیں کرتے تھے؟ آیا ہزاروں سال پہلے کے مرے ہوئے مردوں کو زندہ نہیں کرتے تھے؟ وغیرہ وغیرہ

کیا حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے، اور اس قدرت و طاقت کے ذریعہ جو خدا نے انہیں عنایت فرمائی تھی، خشک لکڑی کو بارہا غضبناک اژدھے میں تبدیل نہیں کیا؟ کیا انہوں نے مصر کے پانیوں کو خون میں نہیں بدلا؟ کیا انہوں نے موجودات کی مختلف انواع میں، نباتات میں، جمادات میں، اور دریا وغیرہ میں نفوذ نہیں کیا؟ اور ان میں تصرف تکوینی نہیں کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ قارئین محترم اگرچہ ان تمام باتوں کے جواب میں خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے، جو اس نے قاعدہ کلیہ، اور ایک اصول کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے کہ:۔ "وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ" (الرعد: 38) یعنی کسی بھی رسول میں یہ ذاتی صفت یا قدرت یا اختیار نہیں ہے، کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی آیت، کوئی نشانی، یا کوئی معجزہ پیش کر سکے۔

لیکن چونکہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (ع) کے تمام معجزات اور ان کے ظہور کے طریقوں کو مفصل طور پر بیان کیا ہے، لہٰذا ہم یہ دکھانے کے لئے کہ آیا حضرت موسیٰ نے خشک لکڑی کو خود اژدھا بنایا تھا؟ اور کیا انہوں نے مصر کے پانیوں کو خود خون میں بدلا تھا؟ اور کیا انہوں نے موجودات کی تمام انواع میں، نباتات میں، جمادات میں اور دریا میں خود نفوذ کیا تھا؟ قرآن کریم سے حضرت موسیٰ کے تمام کے تمام معجزات کو نقل کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے معجزات

خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کے تمام معجزات کو، اور جس جس طریقہ سے وہ وقوع پذیر ہوئے، انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جن میں وقت نظر کے ساتھ غور کرنے سے، کسی صاحب ایمان اور کسی صاحب عقل کو، ان کی حقیقت و کیفیت کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی اور ابتدائی طور پر ان کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ (ع) مدین سے لوٹ رہے تھے۔ تو رات کی تاریکی چھا گئی موسم بھی سردی کا تھا۔ کہ یکایک حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر آگ دیکھی۔ یہ آگ کسی انسان کی جلائی ہوئی نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے حضرت موسیٰ نے جلایا تھا۔ اس

آگ کو دیکھ کر موسیٰ (ع) نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے' میں اس سے تاپنے کے لئے کچھ آگ سلگا کر لے آوٴں۔ یا آگ کے پاس جا کر رستہ کا پتہ چلاوٴں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آگ کے پاس اس کا جلانے والا بھی ہو۔ پس جونہی موسیٰ آگ کے قریب پہنچے تو خدا نے آواز دی' اے موسیٰ یہ تو میں ہوں' تمہارا رب' جس نے تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے یہ آگ جلائی ہے "انی انا ربک" (طہ: 12) "و انا اخترتک فاستمع لما یوحیٰ' اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلواۃ لذکری" (طہ: 13-14)

اور (اے موسیٰ) میں نے تم کو (نبوت و رسالت کے لئے) منتخب کیا ہے پس جو کچھ تمہیں وحی کے ذریعہ حکم ہو اسے غور سے سنو' بیشک میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تم میری ہی عبادت کرو' اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

اس کے بعد موسیٰ (ع) سے خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"وما تلک بیمینک یا موسیٰ" (طہ: 17)

اے موسیٰ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا۔

"قال ھی عصای' اتوکوا علیھا' واھش بھا علی غنمی ولی فیھا ما رب اخری" (طہ: 18)

کہا یہ میرا عصا ہے۔ اس پر میں سہارا لیا کرتا ہوں۔ اور اسی کے ذریعہ اپنی بھیڑوں کے لئے پتے جھاڑا کرتا ہوں۔ اور اس سے میرے اور بھی کئی کام نکلتے ہیں۔

جب موسیٰ نے یہ بتایا کہ ان کے ہاتھ میں کیا ہے' اور وہ کام بھی بتا دیئے' جو وہ اس سے لیا کرتے تھے' تو اب خدا نے انہیں یہ دکھانے کے لئے' کہ اب تم نے اس سے اور بھی کام لینے ہیں' جس کا انہیں ابھی تک علم نہیں ہے' موسیٰ سے فرمایا۔

"قال القھا یموسیٰ" (طہ: 18)

کہا اے موسیٰ تم اسے زمین میں ڈال دو۔

"فالقھا فانا ھی حیۃ تسعیٰ۔ قال خذھا و لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ' واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء آیۃ

اخری لنریک من آیا تنا الکبریٰ"

(طہ: 49-50)

پس موسیٰ نے اپنے عصا کو زمین میں ڈال دیا۔ تو وہ فوراً ہی دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ خدا نے فرمایا اے موسیٰ اسے پکڑ لو' اور اس سے نہ ڈرو۔ ہم اس کو (تمہارے پکڑتے ہی) فوراً اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے (یعنی عصا بنا دیں گے) اور اپنا ہاتھ بغل کے نیچے دے لو' تو یہ بالکل بے عیب سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسری آیت (یا نشانی اور معجزہ) ہے (یہ تو ابتدائی آیات و معجزات ہیں جو تمہیں جاتے ہی دکھانے ہیں اور یہ آغاز اس لئے کیا ہے کہ تاکہ ہم آئندہ چل کر) تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

اسی واقعہ کو سورہ القصص میں ایک دوسرے عنوان سے ہمیں سنانے کے لئے بطور واقعہ کے یوں بیان کیا ہے۔

"وان الق عصاک فلما راءھا تھتزز کانھا جان وتی مدبراً ولم یعقب یموسیٰ اقبل ولا تخف انک من الا منین"

(القصص: 31)

اور (ہم نے جب موسیٰ سے یہ کہا کہ اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین میں) ڈال دو' (عصا کو ڈالتے ہی) جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ تو اس طرح لہرا رہا ہے' جیسے بہت بڑا اژدھا ہو' تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ تو ہم نے کہا اے موسیٰ آگے بڑھو اور ڈرو نہیں (تمہیں یہ کچھ نہیں کہے گا اور) یقیناً تم امن میں رہو گے۔

سورہ طہ کی مذکورہ آیات میں خود موسیٰ سے خطاب تھا اور ان کو عملاً دکھایا جا رہا تھا تاکہ دربار فرعون میں جا کر یقین کے ساتھ اعلان کر سکیں۔ اور اس کے ظاہر ہونے پر خود ہی نہ ڈر جائیں۔ لیکن دوسری جگہ سورۂ قصص میں ہمیں سنانے کے لئے' پیغمبر (ص) کو' بذریعہ وحی غیب کی خبر دیتے ہوئے' قصہ کے طور پر موسیٰ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

سورہ طہ میں خود موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ڈرو نہیں اس کو پکڑ لو' ہم اس کو پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ سورۂ القصص میں بطور واقعہ ہمیں سنا رہا ہے' کہ باوجود اس کے کہ ہم نے موسیٰ سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کو پکڑ لو' ڈرو نہیں' ہم تمہارے پکڑتے ہی

اس کو پہلی حالت میں لوٹا دیں گے، مگر موسیٰ پھر بھی ڈر گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ آگے بڑھو ڈرو نہیں، یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا اور تم امن میں رہو گے۔

پھر اسی واقعہ کو سورۂ نمل میں ہمیں سنانے کے لئے ایک دوسرے عنوان سے بیان کیا کہ :-

"والق عصاک فلما راءھا تھتز کانھا جان ولی ملبر و لم یعقب یموسیٰ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون"

(النمل: 10)

اور (ہم نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ) تم اپنے عصا کو زمین میں ڈال دو، (زمین میں عصا کے ڈالنے کے بعد) جب موسیٰ نے دیکھا کہ یہ تو اس طرح سے لہرا رہا ہے جیسے کہ بہت بڑا اژدھا ہو، تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (تو ہم نے کہا) اے موسیٰ ڈرو نہیں، میرے پاس میرے رسول ڈرا نہیں کرتے۔

"سنعیدھا" کے الفاظ سے ثابت ہے کہ نہ عصا کا سانپ بنانا موسیٰ کا کام تھا اور نہ ہی اس کو پکڑنے کے بعد دوبارہ عصا میں بدلنا موسیٰ کا کام تھا اور اگرچہ ان الفاظ سے، کہ موسیٰ پیٹھ پھیر کر ایسے بھاگے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ یہ ثابت ہے کہ موسیٰ اس اژدھے کو دیکھ کر ڈر گئے تھے، لیکن خدا نے واضح الفاظ میں بھی کہا "لا تخف" ڈرو نہیں۔ کیا اس صورت میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس چوب خشک کو موسیٰ نے خود اژدھا بنایا تھا؟ اور یہ صفت ولایت تکوینی کی صورت میں ان کی نہاد میں ان کے وجود میں خمیر کر کے گوندھی گئی تھی؟ اور یہ صفت ان کی ذات میں اس طرح سے تھی جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے؟ اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں!

بہرحال پھر اس کے آگے سورۂ نمل میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیات الیٰ فرعون وقومہ انھم کانوا قوما فاسقین"

(النمل: 12)

اور (ہم نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ) تم اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال

لو۔ تو یہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دونوں آیات ان نو آیات میں سے ہیں، جو فرعون اور اس کی قوم کے سامنے دکھائی جائیں گی۔ بیشک وہ نافرمان قوم تھی۔ اس آیت سے ثابت ہوا، کہ خدا نے پہلے ہی دن یہ بتلا دیا تھا۔ کہ فرعون اور اس کی قوم کو ہماری طرف سے نو (9) نشانیاں دکھائی جائیں گی۔ اور سورہ القصص میں ارشاد ہوا۔

"فذانک برھانان من ربک الیٰ فرعون و ملا ئہ" (القصص : 32) یعنی ان نشانیوں میں سے، جو تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کی قوم کو دکھائی جائیں گی، دو نشانیاں یہ ہیں، جو تم نے جاتے ہی فرعون اور اس کے درباریوں کو دکھانی ہیں۔

موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم

خداوند تعالیٰ نے مذکورہ دونوں معجزے عطا کر کے، اور عملی طور پر انہیں موسیٰ کو دکھا کر، حکم دیا کہ اب تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کے دربار میں جاؤ۔

"اذھب انت و اخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری" (طہٰ : 42) اے موسیٰ اب تم میری ان دونوں آیات کو ساتھ لے کر، اپنے بھائی ہارون کے ہمراہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اور تم دونوں میری یاد سے غافل نہ رہنا۔ اور انہیں جا کر کہنا کہ :۔

"قد جئتک بآیۃ من ربک" (طہٰ : 47) ہم تیرے رب کے پاس سے نشانی لے کر آئے ہیں۔

چنانچہ جب موسیٰ فرعون کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرعون سے کہا۔

"قد جئتک ببینہ من ربک" (الاعراف : 105)

یعنی موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ میں تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے گواہ اور ثبوت لے کر آیا ہوں۔

"قال ان کنت جئت بآیۃ فاءت بھا ان کنت من الصادقین" (الاعراف : 106)

یعنی فرعون نے موسیٰ سے کہا، کہ اگر تو اپنے خدا کے پاس سے کوئی نشانی، کوئی گواہ، اور ثبوت لے کر آیا ہے، تو اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے اسے پیش کرو۔

"فالقٰی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین و نزع یدہ فاذا ھی بیضآء للناظرین" (الاعراف: 107-108)

• پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک ظاہر بظاہر اژدھا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ جو نکالا تو وہ یکایک دیکھنے والوں کے لئے روشن ہو گیا۔

یہ ہے موسیٰ کے چوب خشک کو اژدھا بنانے کا واقعہ' کیا کوئی بھی ذی شعور' جس میں ذرا سی بھی عقل ہو' یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ وہ ولایت تکوینی ہے جو موسیٰ کی نہاد میں' خمیر بنا کر گوندھی گئی ہو' اور ان کی ذات کا اس طرح سے جزو ہو' جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے' یا نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔

موسیٰ نے خدا کے حکم سے صرف عصا پھینکا اور بس' عصا کو سانپ بنانا ہرگز موسیٰ کا کام نہیں تھا۔ عصا کو سانپ بنانا اور پھر اسے اپنی اسی حالت پر لانا صرف اور صرف خدا کا کام تھا' "سنعیدھا سیرتھا الاولی" (طہ: 19) لہٰذا نہ تو موسیٰ نے عصا کو سانپ بنایا' اور نہ ہی خود اپنے ہاتھ کو روشن چمکدار کر کے دکھایا۔

موسیٰ نے فرعون کے دربار میں خدا کے حکم سے وہ دونوں نشانیاں پیش کر دیں' جو خدا نے کوہ طور پر عطا کی تھیں' ان میں سے ید بیضاء کے دکھانے کی دوبارہ ضرورت نہ پڑی۔ لیکن عصا کو سانپ بنانے کا معجزہ ایک دفعہ اور دکھانا پڑ گیا۔ جب جادوگروں سے مقابلہ ہوا' اس کا حال خداوند تعالیٰ نے حکایتاً یوں بیان فرمایا ہے' کہ جادوگر بولے اے موسیٰ بتاؤ پہلے تم ڈالو گے' یا ہم ہی پہلے ڈال لیں۔ اس پر موسیٰ نے جواب دیا۔

"قال بل القوا فاذا حبالھم و عصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعٰی" (طہ: 66)

موسیٰ نے کہا پہلے تم ہی ڈال لو۔ تو یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے ایسی معلوم ہونے لگیں کہ دوڑ رہی ہیں۔

"فاوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ" (طہ: 67) پس موسیٰ دل ہی دل میں ڈرے۔

حضرت امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں کہ موسیٰ ان کے سانپوں سے نہیں ڈرے تھے۔ بلکہ ان کو خوف یہ ہوا کہ کہیں جادوگروں کے بنائے ہوئے اتنے سانپوں کو دیکھ کر

تماشائی ان کے غالب آنے کا گمان کر کے گمراہ نہ ہو جائیں۔ اور یہی بات خدا کے کلام سے ثابت ہے کیونکہ اس سے آگے خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"قلنا لا تخف انک انت الا علیٰ و الق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا، انما صنعوا کید ساحر، فلا یفلح الساحر حیث اتی"

(طٰہ: 68-69)

ہم نے کہا اے موسیٰ ڈرو نہیں بیشک غالب تو تم ہی رہو گے اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دو کہ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ اسے ہڑپ کر جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادوگروں کا کرتب ہی تو ہے۔ اور جادوگر جیسے بھی آئے گا، کامیاب نہ ہو گا۔

موسیٰ کوہ طور پر پہلی مرتبہ عصا کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر تو اس لئے ڈرے تھے۔ کہ یہ کام ان کا اپنا نہیں تھا۔ اور سانپ ہر صورت میں انسان کو اذیت پہنچانے والا جانور ہے۔ مگر جب خدا نے بتا دیا کہ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ تم اس سے امن میں رہو گے۔ اور تمہارے پکڑتے ہی ہم اسے پھر عصا بنا دیں گے۔ تو پھر فرعون کے دربار میں بے دھڑک لاٹھی پھینک دی اور اس کے اژدھے بننے سے بالکل نہیں ڈرے۔ مگر جادوگروں کے مقابل میں ان کے سانپوں سے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ نے یہ تو جان لیا تھا کہ میرے عصاء کے زمین پر ڈالتے ہی خدا اس کو اژدھا بنا دے گا، مگر جادوگروں کے بے شمار سانپوں کو دیکھ کر یہ سمجھے، کہ تماشائی لوگوں کا تاثر یہ ہو گا، کہ موسیٰ نے تو صرف ایک ہی سانپ بنایا ہے، مگر جادوگروں نے سانپوں سے میدان کو بھر دیا ہے۔ لہٰذا یہ بات کہیں تماشائیوں کی نظروں میں جادوگروں کا غلبہ نہ دکھائی دے لہٰذا خدا نے فرمایا۔

"لا تخف انک انت الا علیٰ، و الق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا"

(طٰہ: 68) اے موسیٰ ڈرو نہیں غالب تم ہی رہو گے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دو، انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ انہیں ہڑپ کر جائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ (ع) کو یہ علم تو تھا کہ میرے عصا کے ڈالتے ہی خدا اس کو اژدھا بنا دے گا۔ مگر ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ یہ جادوگروں کے بنائے ہوئے

سارے سانپوں کو نگل جائے گا۔ اور اگر انہیں اس بات کا علم ہوتا۔ کہ یہ عصا اژدھا بن کر ان کے سارے سانپوں کو نگل جائے گا تو پھر موسیٰ کے لئے ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ یہ بات اب بتائی گئی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا کے کلام اور امیر المومنین کے ارشاد سے تو بطور واضح یہ ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کا عصا جادوگروں کے بنائے ہوئے سارے سانپوں کو نگل لے گا۔ مگر شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت یہ کہتے ہیں کہ خدا نے علم کو انبیاء کے وجود میں خمیر کر کے گوندھا تھا' اور علم و دانش ان کی ذات کا اس طرح سے جزو تھا جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح وہ قرآن کریم کی تمام آیات کا مطلب اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق کرتے ہیں اور موسیٰ کے عصا کے معجزہ کو ولایت تکوینی قرار دیتے ہیں۔ جو ان کی ذات کا جزو لا ینفک بنا کر ان کے وجود میں رکھی گئی تھی۔ جس طرح روغن میں چکنائی اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔ کیا کوئی معمولی سی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ چوب خشک کو سانپ بنانے والی ولایت تکوینی' خدا نے موسیٰ کی نہاد میں' ان کے وجود کے خمیر میں گوندھی تھی' اور ان کی ذات کا اس طرح سے اسے جزو لا ینفک بنایا تھا جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے اور مک میں ںینی ہوتی ہے۔

اگر کوئی مغرض قرآن کی ہر آیت کو اپنے عقیدہ تفویض کے مطابق زبردستی ڈھالنے پر تل جائے' تو کسی بھی صاحب عقل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے' کہ وہ بھی ان کے ساتھ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے آمادہ ہو جائے' کیونکہ جو بھی اپنی عقل پر ذرا سا زور دے گا تو وہ معلوم کر لے گا کہ چوب خشک کو سانپ بنانا موسیٰ کا کام نہیں تھا۔

خدا کی دوسری نشانیوں کا ظہور

جب فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ دیکھا کہ موسیٰ کے پاس خداوند تعالیٰ کی دو نشانیاں یا معجزات ہیں تو انہوں نے ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کہا۔

"وقالوا مهما تاتنا به من آية لتسحرنا بها فما نحن لك بمومنين'

فارسلنا علیہم الطوفان' والجراد و القمل والضفادع و الدم آیات' مفصلت' فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین"

(الاعراف: 132-133)

اور (فرعون نے موسیٰ سے) کہا کہ جب بھی تم ایسی کوئی نشانی (یا معجزہ) لاؤ گے کہ اس سے تم ہم پر جادو کر دو' تو ہم تو (اسے دیکھ کر) تم پر ایمان لائیں گے نہیں۔ پس ہم نے (ان کی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے) ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں بھیجیں اور چیچڑیاں بھیجیں اور مینڈک بھیجے اور خون بھیجا۔ یہ ہماری کھلی ہوئی آیات (نشانیاں) تھیں۔ پھر بھی وہ اکڑے ہی رہے' اس لئے کہ وہ گنہگار لوگ تھے۔

ان آیات میں پانچ نشانیوں یا معجزات کا بیان ہوا ہے۔ ایک طوفان' دوسرے ٹڈیوں' تیسرے چیچڑیاں' چوتھے مینڈک اور پانچواں خون' ان آیات یا نشانیوں یا معجزات کے ظاہر کرنے کے لئے نہ تو موسیٰ کا ہاتھ استعمال ہوا۔ نہ موسیٰ نے اس کے لئے دعا کی اور نہ ہی دل میں کسی نیت کا کہیں تذکرہ ہے بلکہ خداوند تعالیٰ نے ازخود اپنی طرف سے فرعون اور اس کی قوم کو ان کے جرم کی سزا دینے کے لئے طوفان بھیجا۔ گھر برباد ہو گئے کھیتیاں اجڑ گئیں۔ باغات تباہ ہو گئے۔ پھر ٹڈیاں کا لشکر بھیجا' جس نے ساری فصلیں اور باغات چٹ کر ڈالے۔ قحط پڑ گیا۔ اس کے بعد چیچڑیاں بھیجیں' جو ان کا خون چوستی رہیں۔ پھر مینڈکوں کا لشکر بھیجا' اور پھر ہر جگہ خون ہی خون ہر برتن کا پانی خون میں بدل گیا۔ پیاس کے مارے ہلکان ہو گئے۔ ان آیات کو اگرچہ خدا نے ازخود ظاہر کیا۔ لیکن چونکہ یہ آیات فرعون کے موسیٰ سے اکڑنے کی وجہ سے دکھائی تھیں۔ لہٰذا خدا نے ان کی نسبت بھی موسیٰ کی طرف دی۔ اور ان کی خبر پہلے ہی دن جب کہ موسیٰ کو دو آیات دی تھیں۔ اسی وقت دیدی تھی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"لنریک من آیاتنا الکبریٰ" (طٰہٰ: 23)

تاکہ (اے موسیٰ اس کے بعد) ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں اور دوسری جگہ یہ بتلایا کہ :۔

"فی تسع آیات الی فرعون وقومه" (النمل: 12)

یعنی یہ (دونوں نشانیاں) ان نو نشانیوں میں سے ہیں جو ہم فرعون اور اس کی قوم کی

طرف (بھیجیں گے)۔

اور سورۂ بنی اسرائیل بھی ان نشانیوں کے بارے میں فرعون کے روبرو موسیٰ سے یہ اعلان کرایا کہ اے فرعون یہ نشانیاں میں نے تجھ پر نازل نہیں کی ہیں' بلکہ یہ تو آسمانوں اور زمین کے رب نے خود تجھے سمجھانے کے لئے نازل کی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینٰت فسئل بنی اسرائیل از جاءھم فقال لہ فرعون انی لا ظنک یموسیٰ مسحورا ' قال لقد علمت ما انزل ھولاء الا رب السموات والارض بصائر وانی لا ظنک یفرعون مثبورا"

(بنی اسرائیل :101-102)

ترجمہ : اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو (9) کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں۔ پس تم بنی اسرائیل سے دریافت کر لو' کہ جب وہ ان کے پاس آئے۔ تو فرعون نے ان سے کہا۔ کہ اے موسیٰ میرا خیال یہ ہے' کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے' (موسیٰ نے) کہا کہ اے فرعون اتنا تو تو بھی سمجھ گیا ہے' کہ ان نشانیوں کو کسی اور نے نہیں اتارا' مگر آسمانوں اور زمین کے ربّ نے' انہیں دلیلیں بنا کر تجھے سمجھانے کے لئے نازل کیا ہے' اور اے فرعون میرا تو خیال یہ ہے کہ اب تیری شامت آئی ہے۔

بیشک یہ نشانیاں وہ ہیں جن کے نازل کرنے کے لئے نہ تو موسیٰ نے عصا ڈالا' نہ موسیٰ کی طرف سے کسی بد دعا کا کہیں ذکر ہے' اور نہ ہی دل میں ان کے لئے نیت کرنے کا کہیں پتہ چلتا ہے' بلکہ یہ خود خداوند تعالیٰ نے' فرعون کے موسیٰ پر ایمان نہ لانے' اور ہٹ دھرمی کرنے کی وجہ سے' فرعون اور اس کی قوم پر سزا و عذاب کے طور پر نازل کی تھیں۔ اور ان نشانیوں کو موسیٰ کے لئے فرعون کی طرف بھیجی گئی نشانیاں کہا ہے' لہٰذا ان نشانیوں سمیت اب تک کل سات نشانیاں ظاہر ہو گئیں۔ کیا کوئی بھی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا نے انہیں ولایت تکوینی کی صورت میں ان کے وجود میں خمیر بنا کر گوندھا تھا اور یہ ان کی ذات کا اس طرح سے جزو لا ینفک تھیں جس طرح روغن چکنائی ہوتی ہے یا نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔

اب نو میں سے باقی کی دو نشانیوں کا حال سنئے۔

دریائے نیل کو شگافتہ کرنے کا معجزہ

حضرت موسیٰ ایک رات خداوند تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب فرعون کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان سے آگے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر آن پہنچا ہے۔ تو وہ بہت گھبرائے۔ اس موقع کا نقشہ خداوند تعالیٰ نے یوں کھینچا ہے۔

"فلما تراء الجمعن قال اصحب موسیٰ انا لمدرکون۔ قال کلا ان معی ربی سیھدین' فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطور العظیم"

(الشعرا: 61 تا 63)

پس جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا۔ اے موسیٰ ہم تو پکڑے گئے موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں۔ بے شک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ وہ عنقریب میری رہنمائی کرے گا۔ اور مجھے کوئی تدبیر بتا دے گا۔ پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی' کہ تم سمندر پر اپنے عصا کو مارو۔ (عصا کا مارنا تھا کہ) وہ پھٹ گیا۔ اور اس پر ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا۔

اسی کے بعد اس سے آگے اسی سورہ میں فرماتا ہے۔

"وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین' ثم اغرقنا الاخرین' ان فی ذالک لآیۃ وما کان اکثرھم مومنین"

(الشعرا: 65 تا 67)

اور ہم نے موسیٰ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے نجات دی اور انہیں غرق ہونے سے بچا لیا۔ اس کے بعد دوسروں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس میں ایک نشانی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

اسی بات کو خداوند تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

"واذفرقنا بکم البحر فانجینکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون"

(البقرہ:50)

اے بنی اسرائیل اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تھا۔ پس ہم نے تم کو تو ڈوبنے سے نجات دی تھی' اور تمہیں غرق ہونے سے بچالیا تھا۔ اور فرعون کے لشکر کو تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے غرق کر دیا تھا۔

ان آیات میں قابل غور بات یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے یہ کہا کہ ہم تو پکڑے گئے تو موسیٰ نے یہ نہیں کہا کہ گھبراؤ نہیں میں تمہارے لئے دریا میں اپنا عصا مار کر ابھی راستہ بنائے دیتا ہوں' بلکہ یہ کہا کہ "ان معی ربی سیھدین" بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ میری اس سلسلے میں رہنمائی کرے گا' اور مجھے کوئی تدبیر بتا دے گا۔ اور یہ بات خداوند تعالیٰ نے فرعون کی طرف بھیجتے وقت واضح طور پر بتا دی تھی۔ جب خدا نے موسیٰ وہارون کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا' تو انہوں نے کہا۔

"قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی" (طہ:45)

انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ وہ ہمارے ساتھ زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی پر اتر آئے گا۔

"قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری" (طہ:46)

خدا نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو' بیشک یقینی طور پر میں ہر دم تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری ہر بات کو سنتا رہوں گا اور جو مشکل تمہیں درپیش ہو گی اسے دیکھتا رہوں گا۔

اسی لئے موسیٰ نے خدا پر بھروسا کرتے ہوئے انتہائی اطمینان قلب کے ساتھ فرمایا۔

"کلا ان معی ربی سیھدین" (الشعرا:62) ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے' وہ بہت جلد اس سلسلے میں میری ہدایت فرمائے گا۔ اور مجھے کوئی تدبیر بتا دے گا۔

کتنی مماثلت ہے حضرت موسیٰ کے اس قول میں' اور مثیل موسیٰ پیغمبر اکرم (ص) کے اس قول میں' جو آپ غار ثور میں اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔

"اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" (التوبہ:40)

نے اپنے حبیب کی اس وقت مدد کی) جب وہ اپنے صحابی سے فرما رہے تھے' کہ

حزن نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہمیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اللہ پر توکل اور خدا کی ذات پر کامل بھروسہ، پیغمبرؐ کے اطمینان قلب سے نمایاں ہے۔ کتنی خطرناک حالت تھی وہ جس طرح موسیٰ کے اصحاب نے کہا تھا کہ "انا لمدرکون" کہ ہم تو پکڑے گئے۔ پیغمبر کے غار کے ساتھی نے بھی، کفار قریش کے دہانے پر کھڑے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ "ہم تو پکڑے گئے" لہٰذا ایک طرف تو پیغمبر کے ساتھی نے رونا شروع کیا۔ دوسری طرف پیغمبر نے تسلی دینے کے انداز میں فرمایا "لا تحزن ان اللہ معنا" (التوبہ : 40) غور طلب ہے یہ بات، کہ ایک آدمی رو رہا ہو، اور دوسرا اسے یہ کہہ رہا ہو کہ نہ رو۔ حزن نہ کر، اور دشمن غار کے دھانے پر کھڑا ہو، نہ انہیں دیکھ سکے نہ ان دونوں میں سے کسی کے رونے یا بولنے کی آواز سن سکے، خداوند تعالیٰ نے اس غار کو ایسا "ساؤنڈ پروف" اور "سائٹ پروف" بنایا کہ نہ وہ رونے کی آواز سن سکے، نہ پیغمبر کے تسلی آمیز الفاظ ان کے کانوں تک پہنچے، نہ وہ غار میں جھانک کر دیکھنے کا تصور کر سکے، کیونکہ اسلامی روایات میں یہ آیا ہے کہ جب کفار قریش غار کے دہانے پر پہنچے تو اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے، لہٰذا انہوں نے غار میں جھانکنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی یہ تو اسلامی روایات کہتی ہیں، لیکن خداوند تعالیٰ کا قرآن میں کہنا یہ ہے کہ:-

"وایدہ بجنود لم تروھا" (التوبہ : 40)

ہم نے اپنے حبیب کی ایسے لشکروں سے مدد کی جنہیں تم نے دیکھا تک نہیں۔

لیکن شیخیہ احقاقیہ کویت کے نزدیک یہ سب باتیں پیغمبرؐ نے خود کی ہیں، اور یہ ولایت تکوینی ان کے وجود میں خمیر کے طور پر گوندھی گئی تھی، اور ان کی ذات کا اسی طرح سے جزو لا ینفک تھی جس طرح سے روغن میں چکنائی گھولی ہے، اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔

بہرحال موسیٰ نے فرمایا کہ بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ اس سلسلے میں ضرور عنقریب میری رہنمائی کرے گا چنانچہ خدا نے وہ رہنمائی کی اور فرمایا۔

"فاوحینا الیٰ موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فالفلق" (الشعراء : 63)

پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو۔ مارا تو وہ پھٹ گیا۔ ولایت تکوینی کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ دریا کو موسیٰ نے پھاڑا تھا' اور یہ قدرت و طاقت خدا نے ان کی نہاد میں رکھ دی تھی اور ان کے وجود میں خمیر بنا کر گوندھی گئی تھی' اور ان کی ذات کا اس طرح سے جزو لا ینفک تھی جس طرح روغن میں چکنائی ہوتی ہے' اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔

لیکن خدا یہ کہتا ہے کہ موسیٰ کو اس وقت تک پتہ بھی نہ تھا کہ کیا کرنا ہے؟ اور آئندہ کیا ہو گا؟ یہ ہم تھے جس نے دریا کو پھاڑا' اور بنی اسرائیل کو ڈوبنے سے بچایا' اور فرعون کے لشکر کو غرق کیا۔

"واذفرقنا بکم البحر فانجینکم واغرقنا آل فرعون" (البقرہ: 50)

دریا کو شگافتہ بھی ہم نے کیا۔ تمہیں موسیٰ سمیت ڈوبنے سے نجات بھی ہم نے دی' اور فرعون کا لشکر بھی غرق ہم نے کیا۔

جس راستے پر چل کر بنی اسرائیل نے نجات پائی تھی' اسی راستے پر چل کر فرعون کا لشکر ڈوب گیا۔ یہ کام موسیٰ نے کیا تھا یا خدا نے کیا تھا۔

بس یہی بات سمجھنے کی ہے۔ یقیناً یہ کام خدا ہی نے کیا تھا۔ لیکن موسیٰ کے لئے کیا تھا اور موسیٰ کی خاطر کیا تھا۔ اسی لئے سورۂ الشعراء میں اس واقعہ کو بیان کر کے کہتا ہے۔

"ان فی ذالک لایۃ وما کان اکثرھم مومنین" (الشعراء: 67)

بیشک اس واقعہ میں ضرور ایک نشانی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ نہ تو فرعون والے ایمان لائے اور نہ ہی شیخیہ احقاقیہ کویت اللہ کی اس بات پر ایمان لائیں گے۔ اب اس نشانی کے بیان تک نو نشانیوں میں سے خدا کی آٹھ نشانیوں کا بیان ہو گیا ہے۔

پتھر سے چشمے پھوٹنے کا معجزہ

دریائے نیل کو عبور کرنے کے بعد بنی اسرائیل صحرائے سینا میں پہنچے۔ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ لہٰذا جب پیاس نے ستایا' تو انہوں نے موسیٰ سے اپنی پیاس کی شکایت

کی' اور ان سے کہا کہ ہمارے لئے پانی کا انتظام کرو' خداوند تعالیٰ ان کے موسیٰ سے پانی طلب کرنے کے واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے۔

"واوحینا الیٰ موسیٰ اذا ستسقہ قومہ ان اضرب بعصاک الحجر' فانبجست منہ اثنا عشرہ عینا قد علم کل اناس مشربھم' و ظللنا علیھم الغمام و انزلنا علیھم المن والسلویٰ کلوا من طیبات ما رزقنکم و ما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون"

(الاعراف: 160)

جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا' تو ہم نے موسیٰ کو وحی کو' کہ تم اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو۔ لاٹھی کا مارنا تھا کہ فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ اور (اس کے علاوہ اس تپتے ہوئے صحرا میں) ہم نے ان (کے سروں) پر ابر کا سایہ کر دیا' اور (انکے کھانے کے لئے) من و سلویٰ اتارا' (اور ان سے کہا کہ) جو پاک اور طیب چیزیں ہم نے تمہیں روزی کے طور پر دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور انہوں نے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑا لیکن انہوں نے اپنا ہی نقصان کر لیا۔

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ جب موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے پانی طلب کیا تو خدا نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم پتھر پر اپنا عصا مارو۔ دوسرے خدا نے پانی تو طلب کرنے پر دیا۔ لیکن اس تپتے ہوئے صحرا میں ان کی درخواست کے بغیر ہی' ان کے سروں پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اور چونکہ وہاں کھانے کا بھی کوئی انتظام نہ ہو سکتا تھا' لہٰذا از خود آسمان سے ان پر من و سلویٰ بھی بھیجنا شروع کر دیا۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی طرف سے' پانی طلب کرنے کا ذکر ہے' لیکن سورہ بقرہ میں یہ کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی درخواست پر موسیٰ نے خدا سے دعا کی تھی' "واذ استسقے موسیٰ لقومہ" (البقرہ: 60) یعنی موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کے واسطے دعا کی۔

بہرحال پانی تو بنی اسرائیل کی طلب' اور موسیٰ کے خدا سے دعا کرنے پر ملا' لیکن سینا کے تپتے ہوئے صحرا میں' سروں کے اوپر بادلوں کا سایہ کرنا۔ اور اس سرزمین میں' جہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی از خود آسمان سے من و سلویٰ نازل کرنا۔ یہ موسیٰ کا

اکرام اور بنی اسرائیل کی ناز برداری تھی۔ اور اس کے لئے بنی اسرائیل کو بھوک کی شکایت کرنے، اور دھوپ میں تپنے کی فریاد کرنے، اور موسیٰ کو دعا کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی۔

یہاں تک کے بیان میں، موسیٰ کے لئے، خدا نے جو نو نشانیاں ظاہر کرنے کا اعلان کیا تھا، ان سب کا بیان ہو گیا، اور ان میں سے ایک بھی بات ایسی نہیں ہے جس کے لئے یہ کہا جا سکے، کہ یہ خصوصیات ولایت تکوینی کے طور پر موسیٰ کی نہاد میں، ان کے وجود میں، خمیر کر کے گوندھی گئی تھیں، اور ان کی ذات کا اس طرح سے جزو لاینفک تھیں جیسے کہ انسان میں نطق اور روغن میں چکنائی اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے اور ان نو معجزات کے علاوہ بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور ان کے کھانے کے لئے من و سلویٰ کا نزول، قدرت کی طرف سے بنی اسرائیل پر ایک علیحدہ انعام تھا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی تھی کہ سینا کے اس تپتے ہوئے صحرا میں، اور گرم ریگزار میں، اگر بنی اسرائیل کے لئے گھروں اور درختوں کا کوئی سایہ نہیں تھا۔ اور کھانے کے لئے کوئی چیز انہیں مہیا نہیں ہو سکتی تھی تو حضرت موسیٰ و ہارون اور ان کے گھر والوں کے لئے سایہ اور کھانے کا انتظام کیسے ممکن تھا۔ لہٰذا اسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برکت اور اکرام بھی کہا جا سکتا ہے جسے عرف عام میں کرامات کہتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ نے بادلوں کا سایہ کرنے اور آسمان سے من و سلویٰ نازل کرنے کے لئے نہ تو ہاتھ ہلایا، نہ زبان سے دعا مانگی، نہ دل میں نیت کی، بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور ان کے گھر والے دوسرے بنی اسرائیل کی طرح دھوپ میں تپ رہے تھے۔ اور بھوک کی وجہ سے غذا کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف سے طلب کئے بغیر ہی یہ اکرام کیا۔ اور ان کی برکت سے بنی اسرائیل پر یہ انعام کیا۔ کہ ان کے سروں کے اوپر بادلوں کا سایہ کر دیا، اور ان کے کھانے کے لئے آسمان سے ان پر من و سلویٰ نازل کیا۔ اور یہ اس وقت تک ان کو ملتا رہا۔ جب تک وہ ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے کھاتے اکتا نہ گئے۔ اور زمین سے اگنے والی ترکاریاں۔ ککڑی۔ کھیرے۔ گیہوں اور پیاز وغیرہ مانگنے پر اصرار نہ کرنے لگے۔ اس قسم کے اکرام کو اصطلاح میں کرامات کہا جاتا ہے جو خداوند تعالیٰ بغیر مانگے از خود کسی بزرگ

کی برکت سے عطا کرے اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے دعائے عدیلہ کے ان فقرات میں جسے مرزا عبدالرسول احقاقی نے ولایت تکوینی کے ثبوت میں نقل کیا ہے اور جو اس طرح ہے کہ :۔

"الذی ببقائه بقیت الدنیا و بیمنه رزق الوری و بوجوده ثبتت الارض والسماء"

یعنی بہ وسیلہ بقای حضرت صاحب الزمان جہان باقی ماندہ و بہ یمن و برکت او بہ مخلوقات روزی دادہ شد' و بہ وسیلہ وجود او زمین و آسمان ثابت است۔

(ولایت از دیدگاہ قرآن : 159)

ترجمہ : یعنی حضرت صاحب الزمان کے زندہ اور باقی رہنے کی وجہ سے دنیا باقی ہے' اور آپ کی برکت سے مخلوقات کو روزی مل رہی ہے۔ اور آپ کے وجود کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ لیکن اس عبادت کا شیخیہ احقاقیہ کویت کی ولایت تکوینی کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی طرح کی برکت اور کرامات کی طرف اشارہ ہے جو وہ ان برگزیدہ بندوں کی برکت سے بطور اکرام کے ازخود کرتا ہے' اور اسے کرامات کہتے ہیں اور چونکہ معجزہ اور کرامات دونوں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں لہٰذا اسی وجہ سے علامہ مجلسی نے یہ فرمایا ہے کہ :۔

"من اعتقد ان المعجزات والکرامات من فعل النبی والامام فلیس فی کفره شک ولا ریب"

یعنی جو یہ عقیدہ رکھے کہ معجزات اور کرامات نبی و امام کا فعل ہوتا ہے' اس کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

امام زمانہ (عج) کو خدا نے کیوں زندہ رکھا ہوا ہے؟

مرزا عبدالرسول احقاقی ولایت تکوینی کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کی پر زور الفاظ میں مذمت کرنے کے بعد' ولایت تکوینی کے لئے ایک اور نئی دلیل پیش کرتے ہیں' اور وہ یہ

امام کے غیبت کبریٰ میں تبلیغ احکام کا وظیفہ تو مجتہدین والا مقام اور فقہائے اسلامی انجام دے رہے ہیں۔ اور ولایت تکوینی کو تم مانتے نہیں ہو۔ تو امام زمانہ کے زندہ رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ چنانچہ اپنی اس دلیل کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"حضرت امام زمان (ع) به عقیده شما ولایت تکوینی ندارد ولایت تشریعی در عصر غیبت کبریٰ به عهده مجتهدین است و مسائل دین را مجتهدین به مردم می آموزند' پس در این میان وظیفه امام چیست؟ و این وجود مقدس که به اندیشه باطل شما انجام دهنده هیچ وظیفه در جهان نیست' وجودش به چه درد می خورد' و چرا متجاوز از هزار سال است' که خدای مهربان او را زنده نگه داشته' و اعتقاد به زنده بودن و امامت او از ضروریات مذهب شیعه اثنا عشری می باشد۔"

(ولایت از دیدگاہ قرآن: 157)

ترجمہ : حضرت امام زمان (ع) تمہارے عقیدہ کے مطابق ولایت تکوینی نہیں رکھتے۔ اور غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ولایت تشریعی بھی مجتہدین کے ذمہ ہے' اور مسائل دین کو مجتہدین لوگوں کو سکھاتے ہیں پس اب امام کا کیا کام رہ گیا ہے؟ اور یہ وجود مقدس' جو تمہارے باطل خیال کے مطابق دنیا میں کسی بھی وظیفہ کے انجام دینے والا نہیں ہے' تو اس کا وجود کس مرض کی دوا ہے۔ اور خدائے مہربان نے اسے ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے سے کیوں زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور ان کے زندہ ہونے اور ان کی امامت کا عقیدہ' مذہب شیعہ اثنا عشری کی ضروریات میں سے ہے۔

رئیس مذہب شیعہ کویت کے اس بیان کا واضح مطلب یہ ہے' کہ چونکہ مسائل دین سکھانے کا وظیفہ تو مجتہدین ادا کر رہے ہیں اور امام یہ وظیفہ ادا کرنے سے فارغ ہو چکے ہیں' اور اب وہ یہ وظیفہ انجام نہیں دے رہے' لہٰذا یا تو یہ مانو کہ امام ولایت تکوینی رکھتے ہیں۔ اور ولایت تکوینی سے مراد وہ نہیں' جو معجزہ کا بدل ہے' اور جو بوقت ضرورت دکھایا جاتا ہے' بلکہ ولایت تکوینی سے مراد ان کی یہ ہے کہ وہی خلق و رزق اور احیاء و اماتت کا وظیفہ انجام دیتے ہیں' وہی ساری کائنات کا نظام چلا رہے ہیں' اور وہ ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کے مالک ہیں یا یہ مانو کہ ان کے زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے'

گویا ولایت تکوینی ان کے نزدیک بوقت ضرورت موجودات میں تصرف کا نام نہیں ہے' جیسا کہ حجتہ الاسلام آیت اللہ آقای ناصر مکارم شیرازی نے اپنی تفسیر نمونہ میں "ولایت تکوینی" کے بارے میں لکھا ہے' اور جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے' بلکہ ان کی ولایت تکوینی سے مراد ان تمام کاموں کو بطور وظیفہ کے انجام دینا ہے۔ جو خدا کی طرف منسوب ہیں' اور وہ خدا ہی کے کام کہلاتے ہیں' اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ ہر لفظ کو' ہر فقرے کو' اور کسی بھی روایت کے ہر جملہ کو' اپنے عقیدہ تفویض پر چپکاتے ہیں' چنانچہ وہ دعائے عدیلہ کے اس فقرہ کا کہ "بیمنہ رزق الوری" کا مطلب بھی یہ لیتے ہیں' کہ رزق کی تقسیم کا کام امام انجام دے رہے ہیں۔ حالانکہ کسی کی برکت سے رزق ملنا اور بات ہے' اور کسی کا خالق و رازق ہونا' اور رزق تقسیم کرنے کا وظیفہ انجام دینا' اور بات ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا' کہ اگر امام ولایت تکوینی نہیں رکھتے' اور وہ ولایت کلیہ مطلقہ الہیہ کے مالک نہیں ہیں' یعنی خدا کے سارے کام' یعنی خلق و رزق' احیاء و امات کائنات کے امور کی تدبیر کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے کا کام بطور وظیفہ کے انجام نہیں دے رہے ہیں' تو پھر وہ کس مرض کی دوا ہے؟ اور انہیں زندہ رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے ٹھیکیدار نہیں ہیں' کہ جو کام وہ تجویز کریں اور جو باطل عقیدہ وہ خود سے اپنا لیں' وہی خدا کے نزدیک بھی امام کے زندہ رکھنے کی حکمت و مصلحت ہو سکتی ہے۔

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں دو انبیاء اور انبیاء کے دو خانوادوں کے اصطفےٰ کا ذکر کیا ہے۔ انبیاء میں ایک آدم ہیں' دوسرے نوح ہیں' اور خانوادوں میں ایک آل ابراہیم میں دوسرے آل عمران ہیں قرآن کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"ان اللہ اصطفے آدم و نوحا و آل ابراہیم و ال عمران علی العالمین"
(آل عمران: 33)

یعنی بیشک اللہ نے برگزیدہ کیا ہے' آدم کو' اور نوح کو' اور آل ابراہیم کو' اور آل

عمران کو، دنیا جہاں کے لوگوں میں سے۔

اور آیات و روایات اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے آدم (ع) کی نسل میں سے آدم کے آخری وصی حضرت ادریس کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"واذکر فی الکتب ادریس انه کان صدیقا نبیا و رفعناه مکانا علیا"
(مریم: 58)

اور اس کتاب (قرآن) میں ادریس کا قصہ (بھی) بیان کرو بیشک وہ ایک صدیق نبی تھے اور ہم نے اسے ایک اونچے مکان کی طرف اٹھالیا۔

تفسیر صافی میں ہے کہ یہ حضرت شیث کے پوتے اور حضرت نوح کے جد امجد تھے۔ اور ان کا نام اخنوخ تھا۔ تفسیر قمی میں ہے کہ بہت درس دینے کے سبب سے ادریس مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت ادریس کے آسمان پر زندہ اٹھا لئے جانے کا عقیدہ بالکل اسی طرح روایات میں بیان ہوا ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ کے زندہ اٹھا لینے کا بیان ہوا ہے۔ پس حضرت ادریس بھی اسلامی روایات کے مطابق زندہ ہیں۔

اسی طرح حضرت الیاس کے بارے میں، جو حضرت نوح کی نسل سے آخری وصی تھے، اسلامی روایات کے مطابق خدا نے انہیں بھی زندہ اٹھا لیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم کی نسل میں ان کے خانوادے میں حضرت اسحٰق کی نسل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ کو بھی خدا نے زندہ اٹھا لیا ہے، اور روایات اسلامی اور آیات قرآنی اس پر گواہ ہیں کہ :۔

"وما قتلوه یقینا بل رفعه الله الیه" (النساء: 157-158)

یعنی یقیناً یہودیوں نے اسے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ خدا نے اسے اپنی طرف زندہ اٹھا لیا تھا۔

غرض خدا نے دو انبیاء اور دو خانوادوں کا ذکر کرنے کے بعد، اپنی ہی کتاب میں یہ بتایا ہے، کہ ہم نے آدم کی نسل کے آخری نبی ادریس کو بھی زندہ رکھا ہوا ہے، نوح کی نسل کے آخری نبی الیاس کو بھی زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور ابراہیم کے خانوادے میں سے حضرت عیسیٰ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور آل عمران کے خانوادے میں سے حضرت صاحب

العصر و الزمان امام مہدی ہادی آخر الزمان کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

بنی نوح انسان کی ہدایت کے لئے خدا کے فرمودہ ہادیوں کے یہی چار سلسلے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان چاروں سلسلوں میں سے ایک ایک نمائندہ کو اب تک زندہ رکھا ہوا ہے۔ تاکہ جب امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف ظہور کریں تو عیسیٰ آکر آل ابراہیم کی طرف سے۔ اور الیاس آکر حضرت نوح کی طرف سے، اور حضرت ادریس آکر حضرت آدم تک کے انبیاء کی طرف سے "ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به و لتنصرنه" کا فریضہ ادا کریں اور امام مہدی عجل اللہ فریجہ الشریف کے ساتھ ہو کر "هو الذی ارسل رسوله با لهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله" کے کام کی تکمیل کریں۔ اور حکومت الہیہ کو روئے زمین پر قائم کریں نہ یہ کہ خدا نے ان حضرات کو خلق و رزق، احیاء و اماتت، امور عالم کی تدبیر کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ان کے زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ مرزا عبدالرسول احقاقی نے اپنی کتاب "ولایت از دیدگاہ قرآن" میں امام کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"آخر خدای متعال ایں امام را، کہ بہ اعتقاد فاسد شما، وجودش از ہر لحاظ عاطل و باطل، و حالا جز خوردن و خوابیدن کاری ندارد، چرا با یدا یں قدر زندہ نگاہ دارد"

(ولایت از دیدگاہ قرآن : 157)

یعنی آخر خداوند تعالیٰ نے اس امام کو، جس کا وجود تمہارے فاسد عقیدے کے مطابق ہر لحاظ سے معطل اور باطل ہے، اور اب سوائے کھانے اور سونے کے اسے کوئی کام نہیں ہے۔ اسے اس قدر زندہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کے یہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ مانو کہ امام زمانہ اب خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جلانے ساری کائنات کے امور کی تدبیر کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے کا کام خدا کی بجائے بطور وظیفہ کے انجام دے رہے ہیں، جسے وہ ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الہٰیہ کہتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں مانتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وجود ہر لحاظ سے معطل اور باطل ہے۔ اور اب سوائے کھانے اور

سونے کے اس کا کوئی کام نہیں ہے۔ لہٰذا اسے اس قدر زندہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ معلوم نہیں وہ شیعہ علماء جنہوں نے شیخیوں کے فریب میں آکر معجزہ کی بجائے، ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے، انہیں شیخیہ احقاقیہ کویت کے اس مطلب کا علم ہے یا نہیں۔ لیکن ہر حال میں ان کا معجزہ کی بجائے ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اپنانا سادہ لوح شیعہ عوام کے لئے گمراہی کا سبب بنا ہے اور شیخیہ احقاقیہ کویت کے مبلغین کے ہاتھ میں یہ ایک ہتھیار کا کام دے رہا ہے۔

بہرحال چونکہ شیخیہ احقاقیہ کویت کی اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے امام (ع) کو ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کے وظیفہ کی ادائیگی کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے اور اب وہ زندہ رہتے ہوئے یہ کام بطور وظیفہ کے انجام دے رہے ہیں، تو انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ امام جو شہید ہو چکے ہیں کم از کم وہ اس دلیل کی رو سے ولایت تکوینی اور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ سے فارغ ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ ایسا بھی نہیں مانتے۔ بلکہ ان کے شہید ہو جانے، اور اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے باوجود آج بھی معصومین علیہم السلام کو ولایت تکوینی یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کا وظیفہ ادا کرنے پر مامور سمجھتے ہیں۔ اور ان کا یہی عقیدہ ہے۔ تو اس صورت میں، جب کہ شہادت کے بعد بھی وہ یہ وظیفہ انجام دے سکتے ہیں، اور دے رہے ہیں، تو پھر وہی بتلائیں کہ امام زمانہ کو زندہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ وہ شہید ہونے، یا اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی یہ وظیفہ انجام دے سکتے ہیں؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انہیں ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ کا وظیفہ ادا کرنے کے لئے زندہ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ آپ کے زندہ رکھنے کی حکمت و مصلحت اس کے علاوہ کوئی اور ہے، جس کو وہی بہتر طور پر جانتا اور سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان کا زندہ رکھنا اسی طرح سے ہے، جس طرح حضرت ادریس کو، حضرت الیاس کو اور حضرت عیسیٰ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ کیا وہ ان کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ خدا نے انہیں بھی خلق کرنے رزق دینے، مارنے جلانے اور کائنات کے امور کی تدبیر کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے، یعنی ولایت تکوینی اور ولایت مطلقہ کلیہ الیہہ کی انجام دہی کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور اگر یہ نہ مانا تو انکا وجود بھی ہر لحاظ سے باطل و عاطل ہو جائے گا۔ اور ان کا کام بھی سوائے کھانے اور سونے کے اور کچھ نہ رہے گا۔ لہٰذا انہیں

بھی اس قدر زندہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام زمانہ کو ایک ہزار سال ہو گئے ہیں انہیں ایک ہزار سال کی مدت کے لئے اس قدر زندہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ لیکن حضرت عیسیٰ کو تو تقریباً دو ہزار سال گذر چکے ہیں یہ 1997ء عیسوی ان کی پیدائش ہی کا سال ہے' اور حضرت الیاس کو تقریباً چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اور حضرت ادریس کو تقریباً آٹھ ہزار سال سے بھی زیادہ گذر چکے ہیں۔ کیا شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت اپنے شیطانی قیاس کے ذریعہ یہ بتلائیں گے' کہ اتنے عرصے سے زندہ رہتے ہوئے یہ حضرات کیا وظیفہ انجام دے رہے ہیں؟ کیونکہ شریعت ان کی منسوخ ہو چکی ہے۔ اور محمد و آل محمد علیہم السلام کے ہوتے' تم ان کی ولایت مطلقہ کلیہ الٰہیہ بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اب ان کا بھی سوائے کھانے اور سونے کے کیا کام رہ گیا؟

شیعوں کے نزدیک معجزہ دلیل نبوت ہے

ہم سابق میں شیخ مفید علیہ الرحمہ کا بیان نقل کر آئے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے۔ اور خدا کی طرف سے نمائندگان الٰہی کے لئے سند سفارت ہے۔ اور یہی شیعوں کا عقیدہ ہے اور ہم پوری تفصیل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں' کہ سالم قرآن میں بسم اللہ کی (ب) سے لے کر والناس کے (س) تک کہیں بھی نہ تو لفظ معجزہ آیا ہے۔ اور نہ ہی کہیں ولایت تکوینی کا لفظ آیا ہے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ نے اس چیز کو جو وہ انبیاء علیہم السلام کو سند سفارت کے طور پر عطا کرتا تھا۔ کہیں "آیت" یعنی نشانی کہا ہے' کہیں "بینہ" یعنی گواہ کہا ہے' کہیں "برہان" یعنی سند اور ثبوت کہا ہے' اور کہیں "سلطان" یعنی حجت' دلیل اور غلبہ کہا ہے۔ اور چونکہ یہ نشانیاں' یہ گواہ' یہ سند' یہ ثبوت۔ یہ حجت اور یہ دلیل مافوق فطرت انسان ہوتی تھی' لہٰذا متقدمین علمائے شیعہ نے ان کے خرق عادت ہونے کی وجہ سے جو کل انسانوں کو عاجز کرنے والا ہوتا تھا' اس کا نام معجزہ رکھا تھا۔ جو خداوند تعالیٰ حسب ضرورت اور موقع و محل کے لحاظ سے اپنے نمائندوں کی تصدیق کے لئے ظاہر فرماتا تھا۔ اور وہ خدا کا فعل ہوتا تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے نو (9) معجزات سے ثابت ہے' جنہیں ہم نے تفصیل کے ساتھ سابق میں پیش کر دیا ہے' اب

ان آیات کا، جو خدا انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے ثبوت میں ظاہر فرماتا تھا، چاہے معجزہ نام رکھا جائے۔ یا کرامات کہا جائے، یا بعض شیعہ علماء کے شیخیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہنے کے مطابق اسے ولایت تکوینی کہا جائے، وہ ولایت تکوینی جس کی تعریف حجتہ الاسلام آیت اللہ آقائے ناصر مکارم شیرازی نے یوں کی ہے کہ: ولایت تکوینی سے بھی اس کے علاوہ کچھ مراد نہیں ہے۔ کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام ضرورت کے وقت اذن پروردگار سے عالم خلقت میں تصرفات کر سکتے ہیں۔ اور یہ چیز ولایت تشریعی یعنی عوام پر حکومت، قوانین کی نشر و اشاعت اور براہ راست دعوت و ہدایت سے بالاتر ہے۔
(اردو ترجمہ تفسیر نمونہ جلد دوم: 333)

ان معجزات یا کرامات یا ایسی ولایت تکوینی جس کی تعریف آقائے شیرازی نے اوپر بیان کی ہے، کا کوئی بھی شیعہ منکر نہیں ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ دلیل نبوت ہیں، اور ان کے نمائندہ الہٰی ہونے کا ثبوت ہیں، اور ان کے دکھانے میں کبھی ان پیغمبروں کا ہاتھ یا زبان، یا دل میں نیت شامل ہوتی تھی۔ اور کبھی خدا ان کے ہاتھ، زبان اور دل میں نیت کے بغیر ہی ان کے اکرام میں ایسا کرتا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر بادل اور آسمان سے من و سلویٰ کا نزول، اسی طرح سے تھا، اور ہمارے پیغمبر اکرم (ص) کے سر کے اوپر بادل کا سایہ رہنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

بہرحال انبیاء (ع) کے تمام معجزات، یا کرامات، یا ایسی ولایت تکوینی جسے اوپر تفسیر نمونہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ تمام شیعوں کے نزدیک صحیح اور درست ہے۔ لیکن ایسی ولایت تکوینی کے بارے میں مبلغین شیخیہ نے اور شیخی دھوکہ باز ایجنٹوں نے بعض شیعہ علمائے ایران کو شیعوں کی طرف سے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔

ہاں شیعوں کے نزدیک جو بات صحیح نہیں ہے وہ شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت کا یہ کہنا ہے، کہ یہ ولایت تکوینی انبیاء علیہم السلام کی طینت میں، ان کی نہاد میں، ان کے وجود میں، خمیر کر کے گوندھی گئی تھی، اور یہ ولایت تکوینی، ان کی ذات کا اس طرح سے جزو لا ینفک تھی، جس طرح سے انسان میں نطق ہوتا ہے۔ روغن میں چکنائی ہوتی ہے، اور نمک میں نمکینی ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ ولایت تکوینی انبیاء علیہم السلام کا نوعی فعل ہے۔ اور اسے انہوں نے اپنے فلسفہ کے علل اربعہ کی علت فاعلی کو

سیدھا کرنے کے لئے اختراع کیا ہے۔

شیخیہ احقاقیہ کویت کا بیان سابق اوراق میں گذر چکا ہے چونکہ اس بارے میں شیخیہ احقاقیہ کویت اور شیخیہ رکنیہ کرمان ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں' لہذا ہم اپنے قارئین کو سمجھانے کے لئے رئیس مذہب شیخیہ رکنیہ کرمان مرزا عبدالناصر ابراہیمی کا بیان بھی ان کی کتاب "نود" مسئلہ سے پیش کرتے ہیں جنہوں نے اسے زیادہ سادہ اور صاف الفاظ میں عام فہم بنا کر لکھا ہے۔ ہم اس کا ترجمہ ڈاکٹر کاظم علی کے شائع کردہ رسالہ سے یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

سوال نمبر5: کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

جواب : آپ اگر نباتات کا جمادات سے مقابلہ کریں تو دیکھیں گے کہ نباتات کی صفات میں جمادات سے ایک صفت فاضل ہے' وہ ہے جذب و دفع اور ہضم کرنے اور اگنے اور بڑھنے کی صلاحیت جو جمادات میں نہیں پائی جاتی' وہ صفت "روح بناتی" کہلاتی ہے۔ اسی طرح نباتات کا حیوانات سے مقابلہ کیجئے۔ تو ایک صفت' نباتات و جمادات کی جملہ صفات سے زیادہ ملے گی' جس کی طاقت پر حیوانات دیکھتے ہیں' سنتے ہیں' چلتے پھرتے ہیں' احساس کرتے ہیں' اسے "روح حیوانی" کہا جاتا ہے۔ جو پہلے کے دونوں اصناف میں نہیں تھیں۔ اسی طرح سے حیوانات کا انسان سے مقابلہ کیا جائے۔ تو اس میں مندرجہ بالا تینوں صفات کے علاوہ ایک اور صفت ملتی ہے۔ جس کی طاقت پر انسان فکر کرتا ہے۔ خیال کرتا ہے۔ تدابیر کرتا ہے۔ چیزوں کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھتا ہے۔ گذشتہ کے واقعات کو ضرورت کے موقع پر یاد کر لیتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس صفت کو روح انسانیت کہا جاتا ہے' اور اس طرح جو کام انسان کرتا ہے' وہ حیوانات کے لئے **خارق العادت یا معجزہ** کے برابر ہوتے ہیں۔ اسی ترتیب سے انبیاء میں جمادیت کے علاوہ روح نباتات روح حیوانات اور روح انسانیت سے بالاتر ایک صفت ہوتی ہے جسے روح نبوت عامہ کہا جاتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اسی روح کی طاقت پر ایسے افعال کے اظہار میں قادر ہوتے ہیں جنہیں ہم **معجزات** کہتے ہیں۔

(مسئلہ نمبر5 نود مسئلہ عبدالرضا ابراہیمی)

(ترجمہ ڈاکٹر کاظم علی رسا کتاب خانہ ابراہیمیہ شاخ پاکستان)

شیخیہ احقاقیہ کویت اور شیخیہ رکنیہ کرمان، دونوں کے بیانات سے ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک معجزہ یا ولایت تکوینی ایک نوعی فعل ہے۔ اور ہر اوپر کے مرتبہ کی مخلوق کا نوعی فعل نچلے مرتبہ اور طبقہ کی مخلوق کے لئے خرق عادت ہے اور معجزہ ہے جسے وہ ولایت تکوینی کہتے ہیں۔ یعنی انسانوں سے جو فعل سرزد ہوتا ہے وہ حیوانات کے لئے معجزہ اور ولایت تکوینی ہے۔ اور انبیاء چونکہ ان کے فلسفہ کے مطابق انسانوں سے علیحدہ نوع اور جدا اوپر کی مخلوق ہے لہٰذا ان سے جو نوعی فعل سرزد ہوتے ہیں وہ انسانوں کے لئے خرق عادت معجزہ اور ولایت تکوینی ہیں جو جداگانہ نوع کی علامت ہے اور چونکہ ان کے فلسفہ کے مطابق محمد و آل محمد (ص) یا چہاردہ معصومین (ع) کا نور خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا ہے، جس طرح سورج میں سے شعاعیں نکلتی ہیں، لہٰذا وہ انبیاء سے بھی اوپر کی جداگانہ نوع ہیں، اور وہ مخلوقات کے طبقات میں سے سب سے پہلی نوع ہیں، لہٰذا ان میں خداوند تعالیٰ کی ولایت تکوینی بطور ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ کے موجود ہے' باقی آیات قرآنی کو تو وہ زبردستی اپنے مطلب پر چپکاتے ہیں' تاکہ شیعوں کو دھوکہ دے سکیں کہ ان کے مدعا پر قرآن بھی گواہ ہے۔ اور اپنے مطلب کی تائید میں مفوضہ کی اور غالیوں کی گھڑی ہوئی روایات کو پیش کرتے ہیں' اور صحیح احادیث کو زبردستی اپنے مطلب کے مطابق معنی کر کے پیش کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ جب فرشتے یہ کام کرتے ہیں تو وہ کیوں نہیں کر سکتے؟ اور خدا بغیر کسی سبب کے کوئی کام نہیں کرتا' اور وہ سبب اعظم ہیں۔ یہ ہے وہ ولایت تکوینی' یا ولایت کلیہ مطلقہ الٰہیہ' جسے شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت' شیعوں میں داخل ہو کر' اور خود کو شیعہ ظاہر کر کے' رواج دے رہے ہیں' اور اس سے ان کی مراد تمام و یقیناً یہی ہے' کہ خداوند تعالیٰ نے صرف اور صرف محمد و آل محمد کو خلق کیا ہے اور اس کے بعد جو کچھ خلق کیا ہے' اور جو کچھ کر رہے' وہ محمد و آل محمد نے کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ایران میں شیخ احمد احسائی کی پیروی کرنے والوں میں سے کچھ نہ کچھ شیعوں نے بابی مذہب بھی اختیار کیا۔ ایران میں بہائی مذہب اختیار کرنے والوں میں بھی شیعہ ہی تھے۔ اور ایران میں شیخیہ رکنیہ کرمان کی پیروی میں رکن رابع کا عقیدہ رکھنے والے بھی شیعوں میں سے ہی تھے' لیکن پاکستان میں بھی' اور متحدہ ہندوستان میں بھی' تقریباً تقریباً کوئی شیعہ بابیت' بہائیت اور رکنیت سے گمراہ نہیں ہوا' اور یہاں کے

کسی شیعہ نے بابی، بہائی اور رکنیہ کے اعتقادات کو نہیں اپنایا، لیکن شیخ احمد احسائی کے شاگردوں میں سے شیخیہ احقاقیہ کویت شیخ احمد احسائی کی تمام تعلیمات، اور گمراہ کن اعتقادات کے ساتھ ابلیس کی طرح شیعوں کے بھیس میں آئے، اور مجتہدین کے لباس میں جلوہ نما ہوئے، لہٰذا اس خطہ زمین میں وہ پہلے تو پوشیدہ طور پر شیعہ علماء کہلاتے ہوئے، شیخی نظریات کی تبلیغ کرتے رہے، اور جب ہمارے جہاد کے نتیجہ میں وہ ننگے ہو گئے، تو اب وہ کھل کر اپنی وابستگی کا اظہار کرنے لگے، اور باقاعدہ ان کے درس پاکستان میں کھلم کھلا موجود ہیں اور ان کے رسالوں پمفلوں اور اشتہاروں کی پیشانی پر واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ "زیر سرپرستی حجت الاسلام، آیت اللہ، الامام المصلح مرزا حسن الاسکوئی الاحقاقی"۔

چونکہ شیخیہ احقاقیہ کویت شیعوں کے ہمرنگ ہو کر آئے لہٰذا پاکستان کے اکثر شیعوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان کے دھوکہ دینے کے طریقوں میں سے جتنے طریقے ہیں، ہم نے اوپر کھول کر بیان کر دیئے ہیں، ان کے علاوہ ان کے دھوکہ دینے کا ایک طریقہ اور ہے۔ کہتے ہیں کہ خدا کے کام بغیر اسباب کے جاری نہیں ہوتے اور وہ ان اسباب میں سے سبب اعظم ہیں۔ لہٰذا خدا جو کچھ کرتا ہے، وہ ان کے واسطے سے کراتا ہے، اور ان کے واسط ہونے یا سبب اعظم ہوتے کو وہ فضیلت کے طور پر بیان کرتے ہیں، جیسا کہ ابلیس نے آدم سے کہا تھا کہ اگر تم اس درخت کا پھل کھالو گے تو فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ جنت میں ہمیشہ رہا کرو گے۔

پس جس طرح آدم (ع) کو فرشتے بنتے، اور ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کا لالچ پیدا ہو گیا، اسی طرح شیعہ ان شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت سے، ان کے گمراہ کن اعتقادات کو فضیلت کے عنوان سے سن کر، جھوم جھوم جاتے ہیں، لہٰذا آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ انہیں خلق و رزق اور دیگر تکوینی امور کے لئے سبب کہنا، کوئی فضیلت کی بات ہے، یا یہ ان کی توہین ہے؟

کیا پیغمبر اکرم اور آئمہ اطہار کو منجملہ اسباب کہنا فضیلت ہے؟

شیاطین شیخیہ احقاقیہ کویت شیعوں کو دھوکہ دینے اور بہکانے کے لئے یہ کہتے ہیں' کہ خدا کے کام بغیر اسباب کے جاری نہیں ہوتے۔ لہٰذا محمد و آل محمد علیہم السلام اس طرح سے خدا کے کام انجام دینے کے لئے واسط اور آلہ ہیں جس طرح فرشتے ہیں' اور یہ تمام امور تکوین کو انجام دینے کے لئے ایک سبب' اور واسط اور آلہ ہیں' اور بقول ان کے سبب اعظم ہیں' اور یہ لفظ صرف شیعوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہے' ورنہ اس سے ان کی مراد علل اربعہ کی وہی علت فاعلی اور علت مادی ہونا ہے' کہ ان کے بغیر کوئی شے نہ پیدا ہو سکتی ہے' نہ ان کے مادہ کے بغیر بنائی جا سکتی ہے۔ اور وہ اس کو چہاردہ معصومین علیہم السلام کی فضیلت کے عنوان سے پیش کرتے ہیں' علل اربعہ کے فلسفہ کو تو ہم اپنی کتاب العقائد الحقیہ میں پیش کر کے رد و ابطال کر چکے ہیں' یہاں پر صرف یہ بیان کرنا ہے کہ کیا چہاردہ معصومین کو امور تکوین کے لئے فرشتوں یا دوسری موجودات کی طرح' واسط یا آلہ یا سبب کہنا فضیلت ہے؟ یا یہ ان کی توہین ہے؟ بیشک خداوند تعالیٰ کے کام اسباب کے ذریعہ ہی انجام پاتے ہیں اور خدا مسبب الاسباب ہے۔ لیکن محمد و آل محمد علیہم السلام کو امور تکوین میں واسط اور آلہ اور سبب قرار دینا ان کی فضیلت نہیں ہے بلکہ یہ ان کی توہین ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تمام اسباب کو انسانوں کے لئے مسخر اور ان کے تابع قرار دے دیا ہے۔ اور وہ سب کے سب ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں چاہے وہ فرشتے ہوں یا دوسرے وسائط و آلات و اسباب ہوں۔

ان میں سے کچھ اسباب تو ایسے ہیں جن کو انسان اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ اپنے تابع رکھتا ہے۔ اور وہ ظاہر بظاہر ہیں اور سب کو معلوم ہیں لہٰذا ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن دوسرے وسائط و آلات و اسباب ایسے ہیں جن کو خدا نے جبر طبیعی کے ماتحت انسانوں کے تابع کر دیا ہے' اور وہ ان کے نفع کے کاموں کے انجام دینے میں ہر وقت گرم عمل رہتے ہیں' جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"اللہ الذی خلق السموت والا رض وا نزل من السماء ماء فا خرج به من الثمرات رزقا لکم و سخرلکم الفلک تجری فی البحر با مرہ و سخرلکم الا نہار، و سخرلکم الشمس والقمر دا ئبین، و سخرلکم اللیل والنہار، و اتا کم من کل ما سا لتموہ وا ن تعلوا نعمت اللہ لا تحصوھا، ان الا نسا ن لظلوم کفا ر"

(ابراہیم:31-34)

ترجمہ : اللہ ہی ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا، اور آسمان سے پانی برسایا۔ اور اس سے تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے۔ اور کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے تابع کر دیا۔ تاکہ وہ اللہ کے حکم سے سمندروں اور دریاؤں میں چلیں، اور دریاؤں کو بھی تمہارے تابع کر دیا ہے۔ جو تمہارے فائدے کے لئے جاری ہیں۔ اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو تابع کر دیا ہے۔ جو ہر وقت گردش میں رہتے ہیں۔ اور رات اور دن کو تمہارا مسخر کر دیا۔ اور اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت جس جس چیز کی تمہیں ضرورت تھی تمہیں عطا کی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو، تو ان کا شمار نہ کر سکو گے بیشک انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا۔

ان آیات میں خدا نے انسان کو بے انصاف اور ناشکرا کیوں کہا؟ ان وجوہات میں سے ایک وجہ تو یہ ہے، کہ اس نے ان باتوں کو خدا کی بجائے دوسروں کی طرف منسوب کر دیا، جو اپنی بلندی مراتب کے باوجود، اس کی مخلوق ہی ہیں۔ لہٰذا یہ ناانصافی بھی ہے اور ناشکراپن بھی ہے، دوسرے "ان الا نسا ن لظلوم کفا ر" کہہ کر یہ بتلا دیا اور برملا کہہ دیا کہ یہ تسخیر عام ہے۔ اور یہ دوسرے انسان ہی ہیں جو بے انصاف اور ناشکرے ہیں ورنہ معصومین علیہم السلام کو "لظلوم کفا ر" یعنی بے انصاف اور ناشکرا کہا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک اور مقام پر کہتا ہے۔

"ھوا لذی خلق لکم ما فی الا رض جمیعا" (البقرہ:29)

وہی اللہ تو ہے کہ جس نے تمہارے لئے ہی خلق کیا ہے جو کچھ بھی زمین میں ہے۔

اب انسان اگر اس لقمہ کو غور سے دیکھے جسے وہ کھا رہا ہے، تو اسے معلوم ہو گا، کہ ساری کائنات اس ایک لقمہ کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔ اور یہ سب اسباب اس ایک

لقمہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اور اس لقمہ کی تیاری میں اپنی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کیا ان اسباب میں سے ایک سبب چہاردہ معصومین علیہم السلام کو قرار دینا ان کو انسانوں کے خدمتگاروں میں سے ایک خدمتگار بنانا نہیں ہے؟ اور کیا اس میں ان کی فضیلت کی کوئی بات ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک غلط دلیل انہوں نے اپنی دانست میں انہیں خالق و رازق وغیرہ بنانے کے لئے اپنے قیاس سے گھڑی ہے' تاکہ شیعوں کو شیطان کی طرح سے دھوکہ دے سکیں بلکہ اصل فضیلت کی بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام اسباب کو انسانوں کے لئے مسخر' اور ان کے تابع کر کے ان کی خدمت پر جبر طبیعی کے ماتحت مامور کیا ہوا ہے اور خداوند تعالیٰ کے تمام اسباب انسانوں کی خدمت کے لئے مصروف عمل ہیں' اور چہاردہ معصومین علیہم السلام' اکمل ترین و افضل ترین و اشرف ترین انسان ہیں' جن پر انسانیت کو فخر اور ناز ہے۔

بہرحال ولایت تکوینی کی اصطلاح چاہے وہ جس رنگ میں بھی بیان کریں اس کا مطلب وہی ان کو ہر چیز کی علت فاعلی قرار دیتا ہے' اور اسی لئے ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ بعض صحیح العقیدہ شیعہ علماء نے معجزہ کی اس پرانی اصطلاح کو جو بارہ تیرہ سو سال سے چلی آرہی تھی' اور وہ بھی ان کا مطلب کماحقہ پورا کرتی تھی' چونکہ ہر صورت میں معجزہ بھی ولایت تشریعی سے جدا اور اس سے بالاتر ایک علیحدہ چیز تھی۔ چھوڑ کر ولایت تکوینی کی اصطلاح کو اختیار کر لیا اور اس طرح بہت سے سادہ لوح شیعہ عوام کے گمراہ ہونے' اور شیخیوں کے دام تزویر میں پھنسنے کا سبب بن گئے۔

قارئین محترم! ہر وہ شخص جو مذہب شیعہ کی تاریخ سے واقف ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شیخ احمد احسائی کے شاگردوں اور پیروی کرنے والوں میں آگے چل کر جو فرقے بنے" ان فرقوں میں' ایران والوں" میں سے تو بابی' بہائی' ازلی' رکنیہ اور احقاقیہ بنے۔ اور ایران میں ان فرقوں کی پیروی کرنے والے بہت ہوئے لیکن پاک و ہند میں تقریباً کوئی بھی بابی و بہائی و ازلی و رکنیہ نہیں بنا لیکن شیخیہ احقاقیہ چونکہ ہم رنگ بن کر اجتہاد کے نام سے خود کو شیعہ ظاہر کر کے میدان میں آئے اور شیعہ علماء کہلاتے ہوئے شیخ احمد احسائی کے عقائد و افکار کی تبلیغ کرتے رہے' لہٰذا پاک و ہند کے اکثر شیعوں کو گمراہ کرنے کا موجب بن گئے۔ اور جب سادہ لوح شیعہ عوام کی اکثریت کو گمراہ کرنے میں

کامیاب ہو گئے تو پھر کھل کر میدان میں آگئے اور باقاعدہ ان کے درس کھل گئے۔

پاکستان میں مبلغین شیخیہ کی تبلیغ کے اثرات

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پاکستان میں شیخی مبلغین صرف روسائے مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت سے مال و دولت حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں' اور پاکستان میں ان کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہے۔ لیکن یہ اندازہ ان کا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو مبلغین شیخیہ احقاقیہ کی یہ نسل جو اب کھلم کھلا درس قائم کر کے اور رسالے نکال کر' چکوال و خانیوال روڈ ملتان و فیصل آباد و سرگودھا و لاہور و کراچی و اسلام آباد سے شیخی عقائد کی نشرو اشاعت میں مصروف ہے یہ ثانوی مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے مبلغین شیخیہ احقاقیہ کویت کی پہلی نسل' شیعہ مجلس عمل کے نام سے پوشیدہ طور پر اور اپنی شیخیت کو مخفی رکھ کر' اور خود کو شیعہ عالم ظاہر کر کے' شیخی عقائد کے بہت سے بنیادی نظریات کو پاکستان کے اکثر بے خبر کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام کے ذہنوں میں بٹھا چکے ہیں۔ مثلاً ایک انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی نوع کا مسئلہ ہے' چونکہ ہم نے اس موضوع پر ایک علیحدہ مفصل کتاب "نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام" لکھی ہے۔ لہذا ہمیں یہاں پر اس کی زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے جس کا دل چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ لیکن یہاں پر بھی مختصر طور پر ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں' کہ شیخیہ احقاقیہ کویت کی جداگانہ نوع شیخ احمد احسائی کے من گھڑت خیالی و قیاسی و فرضی فلسفہ کی اختراع ہے چونکہ ان کے پاس من گھڑت فلسفہ کے مطابق ساری مخلوق کے آٹھ طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ محمدؐ و آل محمد کا نور ہے جو براہ راست خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے شعاعیں نکلتی ہیں اسی کے بعد دوسرا طبقہ انبیاء علیہم السلام کا نور ہے جو محمد و آل محمد کے نور میں سے نکلا اس کے بعد تیسرا طبقہ مخلوق کا انسانوں کا نور ہے جو انبیاء علیہم السلام کے نور میں سے بطریق مذکورہ نکلا۔ اس طرح یہ آٹھوں کے آٹھوں طبقات نور ہیں جمادات تک اور ہر طبقہ ایک علیحدہ نوع ہے۔ اس طرح شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کی رو سے انبیاء علیہم السلام اور چہاردہ معصومین علیہم

السلام کے جداگانہ اور علیحدہ نوع ہونے کی گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں مبلغین شیعیہ نے پوشیدہ طور پر، خود کو شیخی ظاہر کئے بغیر، خود کو شیعہ علماء ظاہر کر کے اتنی نشرو اشاعت کی ہے، کہ پاکستان کے نہ صرف بے خبر، کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام اس سے متاثر ہوئے بلکہ بعض شیعہ علماء بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور وہ خیانت مجرمانہ کرتے ہوئے تحریف کرنے سے بھی نہیں ڈرے، چنانچہ لاہور کے ایک نشریاتی ادارے نے مولانا حافظ فرمان علی صاحب کا ترجمہ قرآن کا جدید ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس میں انہوں نے مولانا کے ترجمہ میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ چونکہ مولانا فرمان علی صاحب نے تو قرآن کریم کی سورۂ کہف کی آخری آیت "قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی..." کا ترجمہ یہ کیا تھا کہ "سوائے اس کے نہیں کہ میں بھی تمہارے مانند ایک بشر ہوں فرق یہ ہے کہ مجھے وحی آتی ہے"

لیکن مذکورہ ادارہ نے جو قرآن مولانا حافظ فرمان علی کے ترجمہ کے نام سے شائع کیا ہے اس میں اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ :۔

"میں دیکھنے میں تمہاری مانند بشر ہوں لیکن میری نوع جدا ہے"

اسی طرح کراچی کے ایک ادارہ نے بھی مولانا فرمان علی کے ترجمہ کے نام سے ترجمہ قرآن شائع کیا ہے۔ اس میں بھی یہی تحریف اور خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ خیانت مجرمانہ اس لئے کہ پڑھنے والا یہ سمجھے گا، کہ یہ مولانا فرمان علی کا ترجمہ ہے جب کہ ان کے ترجمہ میں تحریف ہو گئی ہے۔ کراچی کا یہ ادارہ شیعہ مذہب کی کتابوں کی نشرو اشاعت میں بڑی اچھی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس ادارہ نے شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی من لا یحضرہ الفقیہ کا جو ترجمہ شائع کیا ہے اس میں سے اذان کا بیان اور اذان کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا تھا وہ بالکل ہی صاف کر دیا ہے۔ تاکہ شیعیان پاکستان کو اس بات کا پتہ ہی نہ چلے کہ اس جلیل القدر محدث اور فقیہہ نے اپنی مستند ترین مسلمہ حدیث کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔ اسی طرح اسی ترجمہ من لا یحضرہ الفقیہہ میں رات کو سوتے وقت پڑھنے کی دعا جو امام علیہ السلام نے تعلیم کی تھی، وہ سورہ کہف کی وہی آخری آیت تھی۔ اس کا ترجمہ بھی وہی کیا، جو مولانا فرمان علی کے ترجمہ میں خیانت مجرمانہ کے ساتھ تحریف کر

کے کیا تھا۔

یہ باتیں شیعہ علماء میں شیخی نظریات کے اثر کرنے کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر اس ترجمہ قرآن کو مولانا فرمان علی کی طرف منسوب نہ کیا جاتا تو ہم اسے کم از کم تحریف اور خیانت مجرمانہ اور شیخی مبلغین کی شیعہ کتابوں میں مداخلت تصور نہ کرتے۔ اور اسے یا تو خود کس شیخی عالم کا ترجمہ سمجھتے یا کسی فریب خوردہ مذہب شیخیہ کی بات قرار دیتے۔ جیسا کہ مولانا امداد حسین کاظمی نے ترجمہ قرآن خود اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے مذکورہ آیت کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسے کم از خیانت مجرمانہ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یا تو وہ حقیقتاً شیخی ہیں۔ یا پھر مذہب شیخیہ کے مبلغین کے فریب میں آ گئے ہیں اور ان کے ترجمہ سے شیخی نظریات سے متاثر ذہن کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے۔

چنانچہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے جداگانہ نوع ہونے کو ثابت کرنے کے لئے بڑا زور لگایا ہے۔ ان کا تفسیری بیان ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں جو اس طرح ہے۔

تفسیر صافی صفحہ 301 پر بحوالہ احتجاج طبرسی و تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ذیل سورہ بقرہ منقول ہے' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا کہ آپ کو یہ حکم پہنچا کہ ان سے یہ کہہ دو کہ میں **صورت** بشری میں تم ہی جیسا ہوں' لیکن جیسا کہ پروردگار عالم عام آدمیوں میں سے کسی کو حسن و جمال کے ساتھ۔ کسی کو مال و دولت کے ساتھ کسی کو صحت و عافیت کے ساتھ مخصوص فرما دیتا ہے اسی طرح مجھ کو خاص آدمیوں میں سے نبوت و رسالت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ پس تم میری اس خصوصیت کا کیوں انکار کرتے ہو۔

(القرآن المبین یعنی تفسیر المبقین: 349)

یہ تفسیر کاظمی صاحب نے احتجاج طبرسی کی بیان کی ہے لیکن احتجاج طبرسی میں اصل عبارت اس طرح سے ہے۔

"قل لهم انا فی البشرية مثلکم و لکن ربی خصنی با لنبوة دونکم کما یخص بعض البشر با لغنی و الصحت و الجما ل دون بعض من ا لبشر فلا

تنکروا ان یخصنی ایضا بالنبوۃ"

(احتجاج طبرسی: 14)

اور اس حدیث مبارک اور تفسیر امام کا لفظی ترجمہ اور مفہوم اس طرح ہے (اے رسول تم ان منکرین نبوت سے) کہہ دو کہ میں بشریت میں تو تمہاری ہی مانند ہوں۔ لیکن میرے رب نے مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور تمہیں اس نے نبوت نہیں دی۔ جس طرح وہ بعض بشر کو مال و دولت دیتا ہے، بعض کو نہیں دیتا۔ بعض بشر کو صحت دیتا ہے، بعض کو نہیں دیتا۔ بعض بشر کو حسن و جمال دیتا ہے بعض کو نہیں دیتا۔ پس تم اس بات کا انکار نہ کرو کہ اس نے مجھے بھی نبوت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور تمہیں نہیں کیا۔

قارئین محترم! اس حدیث اور تفسیر علیہ السلام میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ **صورت** ہو بلکہ مطلقاً کہا ہے کہ :۔

"انا فی البشریہ مثلکم" (میں بشریت میں تمہاری مانند ہوں)

کاظمی صاحب کا اس مقام پر **صورت** کا لفظ اپنی طرف سے بڑھانا اس معنی میں ہے کہ فی الحقیقت وہ بشر نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح جبرئیل حضرت مریم کے پاس بشر کی صورت میں آئے تھے اسی طرح وہ بشر کی صورت میں آئے ہیں، اور جس طرح جبرئیل نوع بشر سے نہیں تھے، بلکہ بشر کی صورت میں آئے تھے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نوع بشر سے نہیں تھے، بلکہ بشر کی صورت میں آئے تھے، ورنہ ان کی نوع جدا اور علیحدہ ہے۔ جیسا کہ انہوں نے فتمثل لھا بشرا سویا کی آیت سے استدلال کیا ہے جو آگے آتا ہے۔ بہرحال کاظمی صاحب نے پیغمبر اکرم کو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ فی الحقیقت بشر نہیں تھے، بلکہ ان کی نوع جدا اور علیحدہ تھی، وہ بشر کی صورت میں آئے تھے، اور ان کی نوع جدا ثابت کرنے کے لئے، حاشیہ میں اپنی طرف سے جو تفسیری نوٹ لکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ: آیت میں مثلکم ہے نہ کہ منکم اور مثل کسی چیز کا عین نہیں ہوا کرتا۔ قرآن میں لفظ مثل اکثر مقام پر استعمال ہوا ہے مثلاً کاظمی صاحب لکھتے ہیں۔

نمبر1: "اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب" (پ 6 مائدہ 5) اس آیت میں

کوے کو مثل کہا گیا ہے تو کیا قابل بالکل کوا تھا اسی طرح اس کی چونچ کالے پر وغیرہ تھے۔

نمبر2: "مثل الذین حملوا التوارۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل استفاراً" (پ 28 جمعہ 1) اس میں توریت کے علم کو اٹھانے والوں کو' گدھے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ نہ تو گدھے کی جنس میں سے بن گئے' نہ گدھوں کی طرح ان کے کان اور جسم' نہ وہ ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے تھے۔

نمبر3: "فمثلہ کمثل الکلب" (پ 6 الاعراف ع 22) اس میں بلعم باعور کو کتے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ انسان تھا وغیرہ وغیرہ۔ پس جب انسانوں کو کوے' گدھے' کتے وغیرہ کی مثل کہنے سے' وہ کوا' گدھا' کتا نہیں بن جاتا۔ تو جب آنحضرت یہ فرمائیں' کہ میں انسانوں کی مثل ہوں تو انہیں عام انسان کیوں سمجھا جاتا ہے۔ وہاں بھی وہی قانون لاگو کیوں نہیں ہوتا۔ کہ آپ تھے تو نور' لیکن مثل بشر تھے۔ حیرت ہے کہ حضرت مریم کے پاس جبرئیل مثل بشر بن کر آئے (فتمثل لھا بشراً سویا (پ 16 ع 1) تو لوگ کہتے ہیں فرشتہ تھا بشر نہ تھا۔ صرف شکل بشری تھی۔ حضرت ابراہیم حضرت لوط کے پاس فرشتے آئے جو مثل بشر تھے۔ تو قبول کر لیتے ہیں۔ کہ ہاں واقعی وہ تھے تو فرشتے لیکن شکل و صورت میں بشر تھے۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم نور تھے۔ اور اس پر آیات قرآنی بھی پڑھتے ہیں کہ "قد جاء کم من اللہ نور" (پ 6 مائدہ 3) تو کہتے ہیں' ہم نہیں مانتے' جس طرح فرشتے اگر اپنی شکل میں آئیں تو یہ مادی لوگ انہیں دیکھ نہیں سکتے' اسی طرح آنحضرت صلعم مجسم نور تھے اور نور غیر مرئی ہوتا ہے۔ یعنی دکھلائی نہیں دیتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مثل بشر بنا کر بھیجا' تا کہ مرئی ہوں اور لوگ انہیں دیکھ سکیں۔

اے قابل صد احترام شیعہ علمائے کرام' علم کی اس طرح سے مٹی پلید ہونے پر اپنے سروں پر خاک ڈال لو۔ کیونکہ مبلغین مذہب شیعہ اور فریب خوردگان مذہب شیعہ نے اصل حقیقت کو پلٹنے میں ابلیس کو بھی مات دیدی ہے اور قرآن کریم کی آیات کا مطلب اپنے عقیدہ کے ماتحت ڈھالنے میں حد کر دی ہے۔

یہاں پر میں اپنے قابل صد احترام شیعہ علمائے کرام سے مخاطب ہوں۔ اے علمائے کرام یہاں "مثلکم" میں "مثل" زیر کے ساتھ ہے۔ اور "مثل" زیر کے

ساتھ اور "مثل" زبر کے ساتھ دو علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں جنہیں کاظمی صاحب نے غلط طور پر اپنا مطلب نکالنے کے لئے انہیں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے مطابق "مثل" (م) کے زبر کے ساتھ تو وصف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: "مثل الجنته التی وعدا لمتقون" (13-35) یعنی جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں اور "مثل" (م) کے زیر کے ساتھ مشابہ کے معنی میں آتا ہے۔ اور ہر قسم کی مشابہت کو شامل ہوتا ہے۔ یعنی عربی میں جو الفاظ بھی مشابہ کے معنی میں آئے ہیں سب سے عام ہوتا ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ سے من کل الوجوہ شبیہ کی نفی کرنے کے لئے قرآن نے مثل (م) کے زیر کے ساتھ کا لفظ استعمال کیا ہے "لیس کمثلہ شئی" (42-11) اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

کاظمی صاحب نے اپنے مطلب کے ماتحت قرآن کا معنی کرنے کے لئے عجیب و غریب پلٹیاں کھائی ہیں۔ کہتے ہیں "مثلکم" کہا ہے "منکم" تو نہیں کہا۔ لیکن انہوں نے خود قرآن کا ترجمہ کیا ہے اور انہوں نے آیہ مجیدہ "یا بنی آدم اما یا تینکم رسل منکم یقصون علیکم آیا تی" (آل عمران: 35) کا ترجمہ صفحہ 199 پر یہ کیا ہے کہ: "اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو میری آیتوں کو تم پر بیان کریں، سچ کہا ہے کسی نے دروغ گورا حافظ نباشد" انہیں یہ یاد ہی نہ رہا کہ وہ صفحہ 199 پر اپنے ترجمہ میں تمام رسولوں کو "منکم" لکھ آئے ہیں اور ختمار سول "مثلکم" بھی ہیں اور "منکم" بھی ہیں۔

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ: "قل فللہ الحجہ البا لغہ" (الانعام: 149) اور اس کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یہ کیا ہے "کہہ دو کہ سب سے بڑھی ہوئی حجت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے" تو اس نے مبلغین مذہب شیعہ اور فریب خوردگان مذہب شیعہ کی تمام حجتیں قطع کر دی ہیں اور اس کی حجت تو سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس نے جو بھی رسول بھیجا وہ نوع بشر سے تھا اتنے دو ٹوک الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ان کے بعد کسی کے لئے بولنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اس نے نہ صرف "مثلکم" کہا اور نہ صرف "منکم" کہا بلکہ دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ وہ مطلقاً نبی آدم تھے۔ مطلقاً بشر تھے۔ مطلقاً

انسان تھے اور مطلقاً صنف رجال سے تھے۔ چنانچہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر35 سے تو واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ تمام رسول بنی آدم سے تھے۔ معلوم نہیں یہ حضرات حضرت ابوطالب کو، حضرت علی کا باپ ماننے سے کیوں انکار کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حضرت عبداللہ کا فرزند ماننے سے کیوں انکار کرتے ہیں اور اگر اقرار ہے تو حتما وہ بنی آدم ہیں، اور بنی آدم کی اولاد میں کوئی دوسری نوع پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تمام انبیاء و رسل مطلقاً اور اصلاً بشر تھے

خداوند تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

"ما کان لبشر ان یوئیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ" (آل عمران: 29)

اس آیت کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یہ کیا ہے کہ :۔

کسی انسان کے لئے یہ واجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

اس آیت میں لفظ مطلقاً "بشر" ہے جس کا ترجمہ کاظمی صاحب نے مطلقاً انسان کیا ہے نہ مثلکم ہے، نہ منکم ہے، اس آیت کے علاوہ خداوند تعالیٰ ایک اور آیت کے ذریعہ پیغمبر اکرم سے اعلان کرا رہا ہے کہ :۔

"قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً" (بنی اسرائیل: 92)

اس آیت میں خدا نے پیغمبر کو مطلقاً بشر کہا ہے نہ مثلکم کہا ہے نہ منکم کہا ہے۔ اور اس آیت کا سیاق و سباق یہ ہے کہ کفار نے پیغمبر سے کچھ تکوینی امور پر تصرف کرنے، یعنی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تھا، لہذا اس کے جواب میں خدا نے یہ حکم دیا۔ کہ تم یہ کہہ دو کہ خدا کی ذات پاک ہے۔ میں تو ایک بشر ہوں اور کوئی بشر بطور وظیفہ کے ایسے کام انجام نہیں دیتا۔ جہاں تک معجزہ کا تعلق ہے تو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہی کے اختیار میں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ : "قل انما الآیات عنداللہ"

(العنکبوت: 50) اے رسول تم یہ کہہ دو کہ معجزات کا دکھانا تو خدا ہی کا کام ہے۔
پس خداوند تعالٰی نے تمام انبیاء و رسل کو قرآن کریم میں متعدد مقام پر مطلقاً بشر کہا ہے نہ مثلکم کہا ہے نہ منکم کہا ہے اور آدم علیہ السلام کے بارے میں تو واضح الفاظ میں فرمایا کہ: "انی خالق بشراً من طین" میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔ اب فریب خوردگان مذہب شیخیہ یہاں کیا کہیں گے۔ کیا وہ یہ کہیں گے کہ آدم بشر نہیں تھے، یا وہ یہ کہیں گے کہ آدم نبی نہیں تھے دونوں صورتوں میں وہ قرآن کا انکار کریں گے۔
اور پیغمبر کی یہ حدیث بھی معروف ہے کہ آپ نے فرمایا: "علی خیرا البشر من ابی فقد کفر" اس میں علی کو پیغمبر (ص) نے مطلقاً بشر کہا اور یقیناً وہ تمام نوع بشر میں پیغمبر کے بعد سب سے افضل تھے۔

"محمد و آل محمد (ص) مطلقاً انسان تھے"

خداوند تعالٰی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔
"ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراہیم الکتٰب والحکمہ و آتینھم ملکا عظیما"

(النساء: 54)

اس آیت کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یوں کیا ہے کہ: کیا وہ لوگوں پر اس سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں ایک بہت بڑی سلطنت دی۔
اور "یحسدون الناس" کی تفسیر میں کاظمی صاحب نے خود یہ لکھا ہے کہ تفسیر صافی صفحہ 113 پر کافی اور تفسیر عیاشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے فرمایا کہ وہ محسود ہم ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے فضل سے دیا۔ اس آیت میں بھی خدا نے محمد و آل محمد کو مطلقاً انسان کہا ہے جس کا ترجمہ کاظمی صاحب نے "لوگ" کیا ہے۔
اور وہ آیت تو کوئی شیعہ بھول ہی نہیں سکتا جو مولا علی امیر المومنین علی ابن ابی

طالب کی شان میں شب ہجرت نازل ہوئی تھی جو اس طرح ہے کہ :۔

"و من الناس من بشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد"

(البقرہ: 206)

اور اس آیت کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یوں کیا ہے کہ :۔

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو بیچ دیتا ہے اور خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے۔

اور خود کاظمی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ آیہ مجیدہ باتفاق فریقین حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ بس اس آیت میں خدا نے حضرت علی کو مطلقاً انسان کہا ہے جس کا ترجمہ کاظمی صاحب نے "لوگ" کیا ہے۔

تمام انبیاء و رسل مطلقاً رجال میں سے تھے

خداوند تعالیٰ سورہ یوسف میں ارشاد فرماتا ہے۔

"وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم من اھل القریٰ"

(یوسف: 109) اور اس آیت کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یوں کیا ہے کہ :۔

اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں مردوں ہی کو بھیجا تھا۔ جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔

"رجالا"۔ "رجل" کی جمع ہے۔ جو نساء کی صنف مخالف ہے۔ بس قرآن کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اکرم سمیت جتنے انبیاء و رسل آئے وہ نوع بشر اور نوع انسانی کے صنف رجال میں سے آئے، یعنی مردوں سے تعلق رکھتے تھے اور عورتوں میں سے کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔

اور شیعہ پیغمبر اکرم (ص) کی وہ حدیث تو کسی طرح بھول ہی نہیں سکتے جس میں آپ نے خیبر کی جنگ میں یہ فرمایا تھا کہ "لا عطین ھذا الرایۃ غدا رجلا کراراً غیر فرار"

یعنی کل میں یہ علم اس مرد کو دونگا جو کرار ہو گا، غیر فرار ہو گا، پس ان تمام آیات

و احادیث سے ثابت ہوا کہ نہ صرف خدا نے پیغمبر اکرم کو مثلکم کہا' نہ صرف انہیں منکم کہا' بلکہ انہیں مطلقاً بنی آدم کہا' مطلقاً بشر کہا' مطلقاً انسان کہا اور مطلقاً رجال کہا۔

کاظمی صاحب کے وسوسے

کاظمی صاحب اگر شیخی نہیں ہیں تو فریب خوردگان مذہب شیخیہ سے ضرور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے شیخیوں کی طرح شیخی عقیدے کی جداگانہ نوع ثابت کرنے کے لئے پہلا وسوسہ تو یہ پیدا کیا کہ "انما انا بشر مثلکم" میں "مثلکم" کہا ہے منکم نہیں کہا۔ اگرچہ دنیا جہاں کے شیخی اپنے روسائے مذہب شیخیہ سمیت مل کر بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اگر کسی بشر کو یہ کہنا ہو کہ وہ تمہاری طرح بشر ہے' تو اس کے لئے "انا بشر منکم" سے بہتر اور کون سا لفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے یہ کہنے سے کہ مثلکم کہا ہے منکم تو نہیں کہا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا انہیں منکم کہتا تو پھر ان کے نزدیک تمام انبیاء و رسل اور آئمہ معصومین کے بشر ہونے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کا ترجمہ بھی کیا اور حاشیہ پر تفسیر بھی لکھی لیکن منکم کا لفظ جو رسولؐ کے لئے قرآن میں کئی مرتبہ آیا یہ بات لکھتے وقت انہوں نے کیوں بھلا دیا چنانچہ سورہ الاعراف کی ایک آیت تو سابقہ عنوان میں بیان ہو چکی' جس میں "اما یاتینکم رسلا منکم" ہے' جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ کوئی رسول بنی آدم میں' سوائے بنی آدم کے نہیں آئے گا۔

دوسرے سورہ نساء کی وہ معروف آیت جو رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو اہل ایمان پر واجب قرار دیتی ہے وہ "اطیعوا الرسول واولی الامر منکم" (النساء :59) ہے یہ "منکم" رسول اور آئمہ اطہار کو شامل ہے۔

تیسرے سورہ البقرہ کی آیت نمبر 151 میں فرماتا ہے "کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم.." اس آیت میں بھی منکم خصوصیت کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آیا ہے' اس کے علاوہ اور بھی آیات پیش کی جاسکتی ہیں' مگر جس کے دل میں ایمان کا نور ہو اس کے لئے ایک آیت بھی کافی ہے۔ یہ منکم کا ثبوت ہم نے

اس لئے دیا ہے کیونکہ کاظمی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ مثلکم کہا ہے منکم تو نہیں کہا حالانکہ مثلکم کے ساتھ انما کا حصر بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری مانند ہی ایک بشر ہوں، اور اس سے بہتر اور کوئی لفظ بشریت پیغمبر کو بیان کرنے کے لئے نظر قدرت میں اور کوئی تھا ہی نہیں۔

اس کے بعد ان کا دوسرا وسوسہ یہ ہے کہ قرآن میں لفظ مثل اکثر مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے جتنی مثالیں دی ہیں ان میں سے صرف ایک جگہ تو لفظ "مثل" (م) کے زیر کے ساتھ ہے۔ اور دو مثالیں انہوں نے وہ دی ہیں جن میں "مثل" (م) کے زبر کے ساتھ ہے، اور لغت میں ان دونوں کے معنی مختلف ہیں "مثل" جو (م) کے زبر کے ساتھ ہے وہ لغت میں وصف کے معنی دیتا ہے جیسے کہ : "مثل الجنته التی وعدا المتقون" (13-35) "مفردات القرآن" یعنی وہ جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں۔

اور "مثل" جو (م) کے زیر کے ساتھ ہے وہ مشابہت کے معنی دیتا ہے اور مثل ہر قسم کی مشابہت کو شامل ہے اسی لئے خدا نے "من کل الوجوہ" تشبیہہ کی نفی کرنے کے لئے قرآن میں مثل کا لفظ استعمال کیا ہے "لیس کمثلہ شئی" اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ (مفردات راغب)

کاظمی صاحب نے "مثل" جو (م) کے زبر کے ساتھ ہے اس کے لئے سورہ المائدہ کی ایک آیت کا ٹکڑا یوں نقل کیا ہے۔ "اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب" اور اس کا اول و آخر چھوڑ دیا جو اس طرح ہے: "قال یا ویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فا واری سوءۃ اخی" (المائدہ:31)

اور اس کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن میں یوں کیا ہے: "اس نے کہا اے میری خرابی، کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ میں اس کوے کی مثل ہو جاؤں تاکہ میں اپنے بھائی کی لاش کو چھپاؤں" یہ ترجمہ خود کاظمی صاحب نے کیا ہے، اور یہ آیت یہ کہتی ہے کہ قابیل کو اس بات پر افسوس ہے کہ وہ اس کوے کی مثل بننے سے بھی عاجز رہا۔ کیونکہ اس نے تو اپنے مرے ہوئے بھائی کوے کو زمین کھود کر دفن کیا، مگر مجھ میں اس کوے جیسی بھی عقل اور سمجھ نہ ہوئی، کہ میں بھی اپنے بھائی ہابیل کو دفن

کرنے کے لئے اس کوے کی مثل ہی ہو جاتا۔ لیکن کاظمی صاحب کا وسوسہ ملاحظہ ہو لکھتے ہیں : "اس آیت میں کوے کی مثل کہا گیا ہے' تو کیا قابیل بالکل کوا تھا اسی طرح اس کی چونچ کالے پر وغیرہ تھے۔" کاظمی صاحب کی اس تفسیر کو پڑھ کر سارے مفسرین کو سر پیٹ لینا چاہئے۔ لیکن نہیں۔ ٹھہریئے۔ سارے مفسرین ایسے نہیں ہوتے' یہ صرف پیروان مذہب شیعیہ ہیں جو قرآن کی ہر آیت کو اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں اور چاہے وہ صریحاً ان کے خلاف ہو وہ اسے اپنے عقیدے کے ماتحت کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد تیسرا وسوسہ کاظمی صاحب کا یہ ہے کہ وہ آیہ مجیدہ "مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفاراً" (پ 28 جمعہ 1) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

اس میں توریت کے علم کو نہ اٹھانے والوں کو گدھوں کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ نہ تو گدھے کی جنس میں سے بن گئے نہ گدھوں کی طرح ان کے کان اور اور جسم نہ وہ ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے تھے۔

لیکن اگر قارئین کرام اور صاحبان علم کاظمی صاحب کی بات پر غور کریں تو واقعاوہ یہودی تو ایسا نہیں کرتے تھے' البتہ کاظمی صاحب خود ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں جو انہوں نے مثال میں پیش کی ہے مثل الذین کا مثل (م) کے زبر کے ساتھ ہے یہ مثل (م) کے زیر کے ساتھ نہیں ہے اور سابق میں لغت سے بتایا جا چکا ہے کہ "مثل" (م) کے زبر کے ساتھ اوصاف کے معنی دیتا ہے۔ پس اس آیت کا مفہوم و معنی یہ ہے' کہ جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور اسے نہ سمجھا' تو بس وہ توریت کا بوجھ ہی اٹھائے ہوئے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے لہٰذا اس بارے میں ان کے اوصاف بالکل اس گدھے کی مانند ہیں' جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو' لیکن اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے' بوجھ اٹھانے میں گدھے کے اوصاف اور ان یہودیوں کے اوصاف یکساں ہیں۔ اور یہ مثال بالکل صحیح اور درست ہے۔

اس کے بعد چوتھا وسوسہ کاظمی صاحب کا یہ ہے کہ وہ آیہ مجیدہ : "فمثلہ کمثل الکلب" (پ 16 الاعراف 22) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : اس میں بلعم

باعور کو کتے کی مثل کہا گیا ہے حالانکہ وہ انسان تھا وغیرہ وغیرہ' پس جب انسانوں کو کوے' گدھے' کتے وغیرہ کی مثل کہنے سے وہ کوا گدھا اور کتا نہیں بن جاتا تو جب آنحضرت صلعم یہ فرمائیں کہ میں انسانوں کی مثل ہوں تو انہیں عام انسان کیوں سمجھ لیا جاتا ہے۔
کاظمی صاحب کے اس بیان میں وسوسہ شیطانی یہ ہے کہ قابیل نے خود کو کوے کی مثل نہیں کہا' بلکہ کوے کی مثل ہونے کی نفی کی ہے۔ اور گدھے اور کتے کے لئے جو لفظ خدا نے استعمال کیا ہے وہ مثل ہے (م) کے زبر کے ساتھ یہ (م) کے زبر کے ساتھ نہیں ہے اور مثل جو (م) کے زبر کے ساتھ ہو وہ اوصاف کو بیان کرتا ہے یعنی جس طرح گدھا بوجھ اٹھاتا ہے اسی طرح یہودی بھی توریت کا بوجھ ہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ نہ گدھے کو کچھ پتہ ہوتا ہے کہ وہ بوجھ جو وہ اٹھائے ہوئے ہے اس میں کیا لکھا ہے اور نہ ہی ان یہودیوں کو کچھ پتہ ہے کہ توریت کا جو بوجھ وہ اٹھائے ہوئے ہیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اور بلعم باعور کے لئے مثل کا لفظ دو دفعہ آیا ہے' اور دونوں دفعہ مثل (م) کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جس طرح کتا لالچ کے مارے زبان نکالے رہتا ہے۔ اسی طرح بالعم باعور لالچ میں آگیا۔ پس کتا بھی لالچی ہے اور بلعم باعور بھی لالچی ہیں یہاں کتے کی مثل (م) کے زیر کے ساتھ نہیں ہے' کہ بلعم باعور کو جو انسان ہے' کتے کی نوع یا جنس سمجھا جائے۔
اس کے بعد پانچواں وسوسہ کاظمی صاحب کا یہ ہے کہ وہ آیہ مجیدہ: "فتمثل لها بشراً سویا" (پ 16 مریم 1) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں! حیرت ہے کہ حضرت مریم کے پاس جبرئیل مثل بشر بن کر آئے تو لوگ کہتے ہیں فرشتہ تھا بشر نہ تھا۔ صرف شکل بشری تھی۔ اگر اس قسم کی تفسیروں کو شیعہ صحیح سمجھنے لگ جائیں تو انہیں جہالت کا سرٹیفکیٹ لینے کی کسی سے ضرورت نہ رہے۔ لیکن ہم اپنے صحیح العقیدہ شیعہ بھائیوں کو بتانے کے لئے کہتے ہیں کہ کاظمی صاحب کا ہر وسوسہ ایک سے ایک بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بھی مثل (م) کے زیر کے ساتھ والا نہیں ہے کہ مثل بشر کہا جائے۔ یہاں پر تو نہ (م) کے زیر کے ساتھ ہے نہ (م) کے زبر کے ساتھ ہے بلکہ یہاں تو یہ "تمثل" ہے جو "التمثال" سے ہے جس کے معنی لغت میں تصویر یا کسی چیز کا مجسمہ ہے "تمثل کذا" کسی کی شکل بن جانا' قرآن میں ہے: "تمثل لها بشراً

سویا" (19-17) تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل کا بن گیا۔ (مفردات القرآن راغب اصفہانی) التمثال کی جمع تماثیل آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

"اذ قال لابیہ و قومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون" (الانبیاء: 52)

اور اس کا ترجمہ خود کاظمی صاحب نے یوں کیا ہے۔

جب کہ اس (ابراہیم) نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو' اس میں تماثیل' مورتیاں' بتوں کو کہا ہے۔ اور سورہ سبا میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ویعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل" (سبا: 13)

اس کا ترجمہ کاظمی صاحب نے خود یہ کیا ہے کہ: وہ اس کے لئے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتا تھا قلعوں سے اور مورتیں"

کاظمی صاحب اتنے وسوسے تو شیطان نے بھی آدم کو بہکانے کے لئے نہ ڈالے ہوں گے جتنے آپ نے ڈال دیئے۔ اس آیت میں تو جبرئیل کو تمثل کہا ہے مثل نہیں کہا۔ اور تمثل' تصویر بن کر یا مورتی بن کر آنا ہے اور پیغمبر کو آیہ زیر بحث "قل انما انا بشر مثلکم" میں تو مثل (م) کے زیر کے ساتھ ہے جو مانند اور مشابہ کے معنی دیتا ہے۔ اور پیغمبر اکرم کو دوسرے مقام پر مطلقاً بنی آدم کہا ہے مطلقاً بشر کہا ہے' مطلقاً انسان کہا ہے اور مطلقاً رجال میں سے کہا ہے۔

اس کے بعد اس سلسلہ کا چھٹا وسوسہ نور کا وسوسہ ہے' جہاں تک ان کا آیہ نور سے استدلال کا تعلق ہے' تو ان کا نور ہونا ان کے مطلقاً بنی آدم ہونے' مطلقاً بشر ہونے' مطلقاً انسان ہونے اور مطلقاً رجل یعنی مرد ہونے سے مانع نہیں ہو سکتا۔ وہ نور بھی ہیں اور بنی آدم بھی ہیں اور اصلی بشر بھی ہیں اصلی انسان بھی ہیں اور اصلی رجل یعنی مرد بھی ہیں۔ نور کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک شیخ احمد احسائی کا اختراعی و قیاسی و فرضی اور من گھڑت نور ہے جو خدا کے نور میں سے اس طرح نکلا جیسے سورج میں سے شعاعیں نکلتی ہیں اور پھر یہ نور اسی طریقہ سے انبیاء میں پھر انسانوں میں' جنوں میں فرشتوں میں حیوانوں میں نباتات میں اور جمادات میں پہنچا۔

حالانکہ وہ "لم یلد و لم یولد" ہے نہ اس میں سے کوئی چیز اس طرح نکلتی ہے جس طرح سورج میں سے شعاعیں، نہ اس طرح نکلتی ہے جس طرح زمین میں سے نباتات، نہ اس طرح نکلتی ہے، جس طرح حیوانات و انسان کا بچہ۔ اس طرح کا نور شیخ احمد احسائی کا اختراعی نور ہے، جو تنزل کرتا ہوا ہر طبقہ میں پہنچتا ہے اور اسی لئے مذہب شیخیہ کے نزدیک محمد و آل محمد علیہم السلام ہر شے کی علت مادی ہیں یعنی ہر شے جس چیز سے بنی، اس کا مادہ محمد و آل محمد ہی ہیں اور ہر شے میں کیا کیا چیزیں آ سکتی ہیں اس کے بیان سے ہم اپنا قلم روکتے ہیں۔

دوسرا نور ہدایت کا نور ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں توریت کو بھی نور کہا ہے۔ انجیل کو بھی نور کہا ہے، اور قرآن کو بھی نور کہا جو اس طرح ہے۔

توریت نور ہے

خداوند تعالیٰ سورہ الانعام میں ارشاد فرماتا ہے۔

"قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً و ھدی للناس" (الانعام:91)

اے میرے حبیب ان سے کہہ دو، کہ وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے کس نے نازل کی تھی، جو کل آدمیوں کے لئے نور ہے اور ہدایت تھی اس آیت میں واؤ تفسیری ہے جو یہ کہتی ہے کہ نور سے مراد ہدایت ہے۔

اور سورہ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور" (المائدہ:44)

بیشک توریت کو ہم نے ہی نازل کیا تھا۔ اس میں ہدایت اور نور تھا پہلی آیت میں نور، پہلے کہا ہدی بعد میں کہا دوسری آیت میں ھدی پہلے کہا اور نور بعد میں کہا جس سے ثابت ہوا کہ ہدایت نور ہے اور نور ہدایت ہے۔

انجیل نور ہے

خداوند تعالیٰ سورۂ المائدہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

"و آتیناه الانجیل فیه هدی و نور" (المائدہ: 46)

اور ہم نے اسے (عیسیٰ کو) انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا۔

قرآن نور ہے

جب توریت نور ہے۔ انجیل نور ہے تو قرآن کے نور ہونے میں تو کسی کو کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ ان دونوں کتابوں کی نگران ہے لیکن خدا نے بالفاظ واضح بھی قرآن کر نور کہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا" (التغابن: 14)

یعنی تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

تفسیر صافی صفحہ 435، تفسیر المیزان 192، صفحہ 347 تفسیر مجمع البیان ج 5 صفحہ 299 تفسیر البنیان ج 2 صفحہ 681 تفسیر عمدۃ البیان ج 3 صفحہ 411 کے مطابق نور سے مراد قرآن ہے۔ البیان اور مجمع البیان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"والنور الذی انزلنا، و ھو القرآن، سماہ نوراً لما فیہ من الادلہ والجمیع الموصلہ الی الحق فشبہ بالنور الذی یھتدی بہ الی الطریق" یعنی اس آیہ مبارکہ میں لفظ نور سے مراد قرآن ہے، ان دلائل و براہین کے باعث اسے نور کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور حق کی رہبری کرنے والے ہیں۔ قرآن پاک کو نور یعنی روشنی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ کیونکہ روشنی کے ذریعہ راستہ کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔

اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں قرآن کو نور کہا گیا ہے۔ لیکن ہم اختصار کے پیش نظر اسی ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔

بہرحال مذکورہ بیان سے ثابت ہو گیا کہ توریت نور ہے، اور وہ کتاب بھی ہے۔ تو جس طرح توریت و انجیل و قرآن نور ہونے کی وجہ سے کتاب ہونے سے خارج نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح محمد و آل محمدؐ نور بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ بنی آدم بھی ہیں، رجل بھی

ہیں اور انسان بھی ہیں۔ بلکہ ایک صحیح حدیث کی رو سے اصلی اور حقیقی انسان وہی ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے اشباہ الناس ہیں اور باقی کے سب لوگ نسناس ہیں۔ اور جس طرح توریت ھدی و نور ہے انجیل ھدی و نور ہے اسی طرح آنحضرت صلعم بھی نور ہدایت ہیں اور قرآنی آیت "وانک لتھدی الی صراط مستقیم" (الشوریٰ: 52)۔

اس بات پر شاہد ہے، لیکن وہ ایسا نور نہیں ہیں جو شکل بدل بدل کر آتا ہو۔ یہ صرف شیخ احمد احسائی کا فلسفی اختراعی نور ہے۔ اور شیخی مبلغین کی تبلیغ کے زیر اثر بہت سے فریب خوردگان مذہب شیخیہ نے اسے اپنا لیا ہے اور وہ قرآنی آیات کو زبردستی، غلط طور پر اپنے مطلب پر چپکاتے ہیں، اور قرآنی آیات کا مطلب اپنے عقیدہ کے مطابق نکالتے ہیں، جیسا کہ کاظمی صاحب نے قرآنی آیات کا قتل عام کیا ہے، اور انہیں غلط طور پر تراش خراش کر اپنے پہلے سے اپنائے ہوئے عقیدہ پر چپکایا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہو گیا، کہ پاکستان کے نہ صرف بے خبر، کم علم اور سادہ لوح شیعہ عوام بلکہ بہت سے عمامہ و عبا والے علماء بھی شیخی مبلغین کی تبلیغ کے اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ اور وہ نہ صرف قرآن کریم کے مطالب میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے، بلکہ دوسروں کے کئے ہوئے ترجمہ کو اپنے عقیدہ کے مطابق بدل کر خیانت مجرمانہ کے مرتکب بھی ہوئے۔ جیسا کہ مولانا حافظ فرمان علی صاحب کے ترجمہ میں کیا گیا۔ اور شیخ صدوق کی "من لا یحضرہ الفقیہ" کے ترجمہ میں کیا گیا۔ لہٰذا پاکستان میں شائع ہونے والے لٹریچر کا ایک بڑا حصہ مذہب شیخیہ کے عقائد کے اثرات سے پاک نہیں ہے، اور انہیں خالص شیعہ لٹریچر نہیں کہا جا سکتا۔ اب ہم اس موضوع کو یہیں پر ختم کرتے ہیں اور شیخیہ احقاقیہ کے بارے میں ہماری اگلی کتاب "الشیخیۃ الاحقاقیۃ ھم المفوضۃ المشرکون" کے چھپنے کا انتظار کریں۔

وما علینا الا البلاغ

مؤلف کی تالیفات ایک نظر میں

1	شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں	مطبوعہ
2	ترجمہ تنبیہہ الانام بر مفاسد ارشاد العوام	مطبوعہ
3	نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اور نوع نبی و امام	مطبوعہ
4	شیخیت کیا ہے؟ اور شیخی کون؟	مطبوعہ
5	حکومت الٰیہ اور دنیاوی حکومتیں	مطبوعہ
6	تبصرۃ المھموم علی اصلاح الرسوم و ایضاح الموھوم	مطبوعہ
7	خلافت قرآن کی نظر میں	مطبوعہ
8	العقائد الحقیہ	مطبوعہ
9	شیعہ علماء سے چند سوال	مطبوعہ
0	صراط مستقیم	مطبوعہ
11	ولایت قرآن کی نظر میں	مطبوعہ
12	"الشیخیۃ الاحقاقیۃ ھم المفوضۃ المشرکون"	غیر مطبوعہ
13	شیوۂ حکومت اسلامی	غیر مطبوعہ
14	عظمت ناموس رسالت	غیر مطبوعہ
15	عظمت ناموس صحابہ	غیر مطبوعہ
16	سراب آزادی یا غلامی کی پر فریب زنجیریں	غیر مطبوعہ

ادارۂ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ